THE EVIL 100

تاریخ عالم کے

سو شیطان

ہولناک، خوفناک، دہشت ناک لوگوں کی روداد

(صرف بالغوں کے لیے)

مارٹن گلمین والکاٹ

ترجمہ: قاضی ذوالفقار

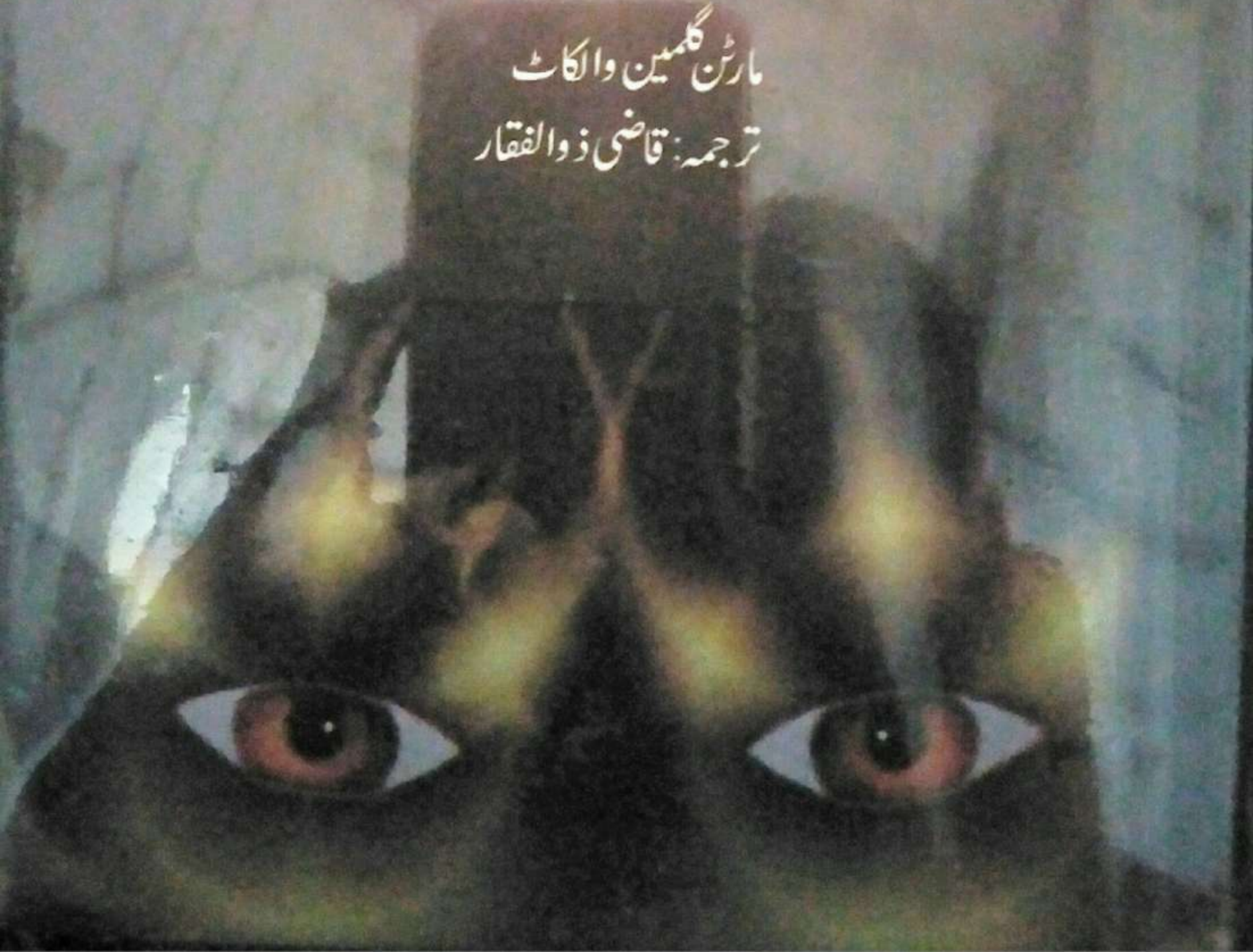

فہرست مضامین

☆☆	مترجم کا پیش لفظ	7
☆☆	خبردار	9
☆☆	پیش لفظ	11
1-	اڈولف ہٹلر	13
2-	جوزف سٹالن	19
4-	چنگیز خان	24
5-	مہیب آئیوان	28
6-	اٹیلا دی ہن	32
7-	پول پاٹ (کمبوڈیا کا قصائی)	36
10-	ولاد سوم ڈریکولا (میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنے والا)	40
11-	طلعت پاشا۔ انور پاشا	45
12-	تیمور (تمرلنگ)	50
13-	طوماس دی طارقمادا	54
14-	کالی گولا	58
15-	بیسل دوم (بلغاریوں کا قاتل)	62
16-	ایڈلف آئخ۔ مان	66
17-	ڈاکٹر جوزف مینجیلی (ملک الموت)	71
18-	دی نازی ڈاکٹر	76
19-	الزبتھ باتھوری	81
20-	نیرو	86
21-	بنیتو مسولینی	90
22-	ہینرک ہملر	95
24-	عدی امین	99

Au

edition, e
Publishe
Third Ave

All

reproduc
mechanic
informatio
from the p

Ur
Publisher

25- کیتھرائن ڈی میڈیکی 103
26- آگسٹو پینوشے 106
28- جم جونز 110
29- ہائی ڈے کی ٹوجو 115
30- البرٹ فش 119
31- پیڈرو آرمانڈو لوپیز 126
32- ہنری ڈیزائرے لانڈرو 130
33- ہرمین ویبسٹر موجیٹ 135
34- ڈونالڈ گیسکنو 140
35- ٹموتھی مک ویہہ 144
36- جلس ڈی رائیس 149
37- برونولد کے 153
38- اینڈری چکاٹلو 156
39- اناطولی انوپرینکو (ختم کرنے والا) 160
40- دریائے گرین کا قاتل 165
41- جیک برڈ (کلہاڑا بردار قاتل) 170
42- جیرالڈ سٹانو 174
43- ٹیڈ بنڈی 179
44- فرز ہارمان 184
45- رچرڈ ککلنسکی (برفانی آدمی) 188
46- موسیرو سیتھول (اے بی سی قاتل) 192
47- مارٹن برینٹ 197
48- جان وائین گیسی (قاتل مسخرہ) 201
49- ڈین ایلن کورل (میٹھی گولیاں دینے والا) 205
50- جین ٹوپان 210

51- لوئی "ملیکی" بوشانٹر 215
52- ڈاکٹر ماریسل پی شٹ 219
53- چارلس انگ اور لیونارڈ لیک 223
54- جارج ہینارڈ 227
55- ارل لیونارڈ نیلسن (گوریلا قاتل) 231
56- جیمز آلور ہوبرٹی 235
57- کارل پینزریم 240
58- تھامس ہملٹن 245
59- جیفری ڈاہمر (مل واکی کا آدم خور) 250
60- ڈینس نیلسن 255
61- رچرڈ رامیرز (راتوں کو گھات لگانے والا) 259
62- چارلس وہٹ مین 263
63- مائیکل ریان (ریمبو ریان' سودائی ہمسایہ) 268
64- ہنری لی لوکس 273
65- ایرک ہارس اور ڈائی لان کلی بولڈ (پانچ فاختاؤں کو نشانہ بنانے والے) 279
66- مارک لیپائن 283
67- جوشم کرول (ضلع روہر کا شکاری) 287
68- ہاورڈ انرو 291
69- البرٹ ڈی سالوو؟' جارج ناصر" (بوسٹن کا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے والا) 295
70- پیٹر سٹ کلف (یارک شائر کا قاتل) 301
71- فریڈ ویسٹ اور روز میری ویسٹ 305
72- چارلس سٹارک ویدر اور کارل این فیوگیٹ 309
73- ایڈمنڈ کیمپر سوم 313
74- کینتھ بیانشی اور انجیلو بونو جونیئر 317
75- بابی جوئے لانگ 322

76- پیٹر کیورٹین (ڈوسل ڈورف کا خونی چمگادڑ' اور ''ڈوسل ڈورف کی عفریت) 327
77- نکولائی زرمونگالیف (دھات کا نوکیلا دانت) 332
78- فریڈرک کووان 336
79- جیک دی ریپر (چٹ پٹے جیک---- تم بڑے شریر ہو----) 340
80- مارک ایسیکس 347
81- رچرڈ سپیک 352
82- چارلس میلسن 357
83- جوئیل رفکن 362
84- مسام کا بیٹا 366
85- بروج قاتل (آسمانوں پر 12 خیالی برج ہیں) 372
86- ایان بریڈی اور مائرہ ہنڈلے 376
87- جان جارج ہیگ (تیزابی غسل دینے والا قاتل' قاتل چمگادڑ' تیزابی غسل دینے والی عفریت) 380
88- پال برناڈو اور کارلا ہوموکا 385
89- ویسٹلے ایلن ڈاڈ 389
90- گیری ہیڈنک 394
91- تھیوڈور کیکزنسکی (یونا بمباز) 398
92- ایڈی گین (پلین فیلڈ کا بوچڑ، پلین فیلڈ کی بدروح) 403
93- لی ہاروے اوسوالڈ 408
94- جان ولکس بوتھ 412
95- لیون۔ ایف زولگوز 416
96- چارلس جے گیٹیو 420
97- سوزن سمتھ 424
98- فادر جیمز پورٹر 428
99- دی مارکوئیس ڈی سیڈ 432
100- کمپیوٹر وائرس کے خالق 437

مترجم کا پیش لفظ

اگلے ہی صفحے پر مصنف نے ''خبردار'' کے تحت لکھا ہے کہ یہ کتاب بچوں کے لیے نہیں ہے اور حساس قارئین اسے اپنی ذاتی صواب دید پر پڑھیں---- مترجم کو یہ کتاب اپنے پبلشر کی فرمائش پر پڑھنا پڑی اور سرسری طور پر پڑھنے کے دوران ہی مترجم دل تھام تھام کر رہ گیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب مترجم نے اس کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ کیا ہوگا تو اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ تاہم خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ معاملہ ''ولے بخیر گزشت'' والا رہا۔

حیرت ہوئی کہ سفاکی' بے راہ روی' ظلم و جبر' نسلی تعصب اور مذہبی تفرقہ بازی میں وہ لوگ معراج کمال کو پہنچے جن کو ہم مہذب اور ترقی یافتہ گردانتے ہیں۔ جن کے دیسوں کو ہم بھاگ بھاگ کر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے جانا چاہتے ہیں۔ مصنف نے وہ کسوٹی بھی تحریر کی ہے جس کی بنا پر اس نے 100 انسان نما شیطانوں کا انتخاب کیا ہے۔ گو یہ کسوٹی اس کی اپنی وضع کردہ ہے اور مترجم کے لیے ضروری بھی نہیں کہ وہ اس کو سو فیصد درست تسلیم کرے۔ پبلشر پر بھی یہ پابندی نہیں ہے بلکہ قارئین بھی اپنی رائے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ پر شیطان کو انسان بتانا مشکل بات ہی ہے۔ ان 100 شیطانوں کی فہرست میں سے 46 تو مصنف کے اپنے ہم وطن یعنی امریکن ہیں' 17 انگلستانی' 9 جرمن' 5 فرانسیسی اور 6 روسی ہیں گویا 100 میں سے 73 برے لوگ مہذب دنیا سے تعلق رکھتے ہیں' باقی 27 کا تعلق دنیا کے باقی چار براعظموں سے ہے۔

مترجم نے اپنی ساری زندگی الحمداللہ پڑھنے لکھنے میں گزاری ہے۔ کتاب ہذا کے کچھ کرداروں بلکہ ہر کردار کے مطالعے کی وساطت سے مترجم بھی آشنا ہے تاہم ان کے کرتوتوں' ارادوں' خواہشات اور منصوبوں کی تفصیل سے الامان والحفیظ زبان پر حاوی رہا۔ برائی کے سنگین پہلوؤں سے بھی انسان کی واقفیت بہت ضروری ہے تاکہ وہ خود اپنے آپ' اپنے بال بچوں' اپنے پیاروں اور اپنے جیسے دوسروں انسانوں کو خبردار کر سکے کہ بکری کی کھال میں بھیڑیا ہو سکتا ہے اور عطریات کی ننھی منی شیشی میں اربوں مہلک جراثیم بھی ہو سکتے ہیں۔ گلی یا سڑک کے کونے پر بیٹھے ہوئے ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے بھکاری کی گدڑی میں ایٹمی' برقیاتی اور لیزرز کا کوئی تباہ کن ہتھیار بھی ہو سکتا ہے۔ دن رات سجدوں کی بارش کرنے والا کوئی بزرگ جہنم سے مفرور شیطان بھی ہو سکتا ہے۔

بھئی ٹھیک ہے آپ معصوم بچوں کو برائی کے چہرے سے آشنا نہ کرائیں مگر ان کو اپنی دانائی سے اس موذی "صفت بد" کی موجودگی سے واقفیت تو دلائیں اور خود بھی اس سے آشنائی حاصل کریں تاکہ ہم' آپ اور وہ اس سے محفوظ رہ سکیں۔ اخلاقی بگاڑ اور کجروی سے دوسروں کو محفوظ کرنا ہی اصل عبادت ہے۔ اس کتاب کو نہ پڑھ کر آپ' ہم اور وہ عبادت سے کیوں محروم رہیں ـــــ

دل تھام کر ہی سہی مگر اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ یہ لازمی نہیں کہ آپ مصنف کی ہر بات کو من وعن تسلیم کریں ویسے مجھے اس کتاب کے مطالعے کے بعد کافی کچھ نیا حاصل ہوا ہے۔

ان 100 درندہ صفت افراد کی فہرست سے ماؤزے تنگ' اسامہ بن لادن' ولادامیر لینن' صدام حسین اور طالبان سے متعلق واقعات کو نکال دیا گیا ہے کیونکہ پاکستانی عوام کے مختلف طبقے الگ نکتہ نظر رکھتے ہیں۔

مورخہ یکم مارچ 2004

مترجم
قاضی ذوالفقار احمد
514، جہاں زیب بلاک'
علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور
فون: 7443817

خبردار

یہ کتاب شیطان صفت ظالم' خبیث اور بُرے لوگوں سے متعلق ہے۔ یہ بھی واضح حقیقت ہے کہ گندے لوگ غلیظ' نفرت انگیز اور غیر انسانی کام ہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے یہ ضروری تھا کہ ان کے کرتوتوں کو قطعی واضح طور پر صاف صاف بیان کیا جائے۔

اس کتاب میں شیطان صفت لوگوں کی طبعی اور جنسی ایذا رسانی' قتل و غارت گری' غلاظت اور مُردوں سے دلچسپی' آدم خوری' انسانی اعضا کی قطع و برید' لاشوں سے جنسی طمانیت' محرم عورتوں سے مباشرت اور دیگر ہیجان کن اور مکروہ دھندوں سے دلچسپی وغیرہ وغیرہ کے کوائف و حالات بعض قارئین کے لیے انتہائی پریشان کن ہو سکتے ہیں۔ ان کے کرتوت انسانیت سے بعید اور انتہائی پریشان کن ہیں لہٰذا ـــــ حساس قارئین کے لیے اس کتاب کا پڑھنا ان کی اپنی صوابدید پر ہے ـــــ

یہ کتاب بچوں کے لیے نہیں ہے۔

پیش لفظ

"برائی موت کی وہ کائنات ہے جو خدا نے اپنی پھنکار سے پیدا کی۔"
ملٹن کی "گمشدہ جنت" سے

برائی کیا ہے؟

یہ آسیبی نوعیت کا سوال نسلِ انسانی کو اس وقت سے پریشان کر رہا ہے جب انسان نے پہلے پہل شعور حاصل کیا اور انسان نے یہ تصور کرنا شروع کیا کہ وہ قائم بالخیر ہے۔

ازاں بعد سوال پیدا ہوا کہ برائی کیا ہے؟ پھر یہ سوال ابھرا کہ کیا انسان فطری طور پر اچھا یا برا ہے؟ ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے انسان نے مذہب کی طرف رجوع کیا۔

وسیع مفہوم میں برائی کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ برائی اس مخالفت کا مجموعہ ہے جو افراد کو اپنی خواہشات اور ضروریات کے مطابق کائنات میں زندہ رہنے کے تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔ انسانی زندگی دکھوں ؟، کا مجموعہ ہے نیز زندگی اور تجربات انہی دکھوں سے تخلیق ہوتے ہیں۔ پس انسانی بہتری اور بھلائی کے حوالے سے برائی وہ شے ہے جسے موجود ہی نہیں ہونا چاہیے۔ ہرگز موجود نہیں ہونا چاہیے!!

ہم اس برائی کو نازیوں کے چہروں پر دیکھتے ہیں جنہوں نے یہودیوں کو مویشیوں کے باڑے میں دھکیلنے کی مانند گیس چیمبروں میں دھکیلا۔۔۔ ہم نے اس کو نیرو کے عہد میں روم کو جانے والی سڑک کے کنارے زندہ مگر گھائل حبشی غلاموں کے جلتے

اجسام سے اٹھنے والے دھوئیں کی بدبو میں دیکھا۔ ہم اسے جون وائن گیسی کے رنگدار چہرے کے روغن میں دیکھتے ہیں۔ ہم اسے کو ان ظالموں کی پاگل آنکھوں میں دیکھتے ہیں جو جانتے بوجھتے سفاکی سے کسی نسل کا خاتمہ کرنے کے لیے خواتین پر مجرمانہ حملے کر کے ان کو ہلاک کر دیتے ہیں اور بچوں کو اذیت کی موت مارتے ہیں۔

صاف بات تو یہ ہے کہ برائی کے حوالے سے بُرے لوگ یعنی The Evil 100 ایک نہ لکھی جانے والی کتاب تھی۔ اس کو ایسے لوگوں کی تائید درکار تھی جو آنے والی برائیوں کا ادراک اپنے احساس سے کر سکتے۔ کیا کتاب کے لیے ان لوگوں کی فیصلہ کن تعداد حاصل کرنا ضروری نہیں تھا جو لوگ بُروں کی بداعمالی سے موت کا شکار ہوئے۔ جزواً ہم یہ بھی کہتے ہیں اور ذہنوں میں رچی بسی سادیت کی بنا پر استہزائیہ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں کہ "برائی نقصان تو پہنچاتی ہے۔۔ دوسرے کے زخموں سے خوشی حاصل کرنا بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا برائی نہیں تو اور کیا تھا؟ کسی شخص کے طرزِ عمل کو جانے بغیر اسے بُروں کی صف بندی میں جگہ پانے کے اہل سمجھنے کے لیے معروف معنوں میں اس کی برائیوں کو ماننا ضروری تھا۔ ان جزئیات کو اکٹھا کرنا مشکل کام تھا لہٰذا کتاب لکھنا ناممکن حد تک مشکل تھا۔

ایک اور اہم جزو جس سے بُرے اور ظالم لوگوں کی صف بندی میں وقت لگا وہ متاثرین اور مظلوموں کی بے یار و مددگاری کا اندازہ لگانا بھی تھا۔ کسی نے اگر دوسروں کی معصومیت اور بے یار و مددگاری کا اپنی خباثتِ باطنی اور ظاہری سے فائدہ اٹھایا یا ان کا استحصال ان کی کمزوری کی وجہ سے کیا تو اس کو 100 برے لوگوں کی فہرست میں مناسب درجے کا مقام دینا ضروری تھا۔ دلیل دی جاتی ہے کہ بڑی برائی اور کچھ نہیں کہ کوئی اپنی قوت اور سماجی مرتبے سے دانستہ کسی کمزور کو نقصان پہنچائے۔

برائی اپنے آپ کو کئی طریقوں سے آشکارا کرتی ہے۔ ان طریقوں کی گنتی بھی برائی کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہ 100 بُرے لوگ (ایول ہنڈرڈ) انسانیت اور نسل انسان کا گھن ہیں، تباہ کن جراثیمی زہر ہیں۔

انسانیت کی زندگی کے لیے برائی کی کہانیاں ایک للکار ہیں۔۔۔

☆

1

اڈولف ہٹلر

(1889ء تا 1945ء)

> "وہ جذبات جو ہٹلر کے دماغ کا احاطہ کیے ہوئے تھے انتہائی ذلیل اور سفلی تھے۔ اور وہ یہ تھے: نفرت، خفگی، ہوسِ اقتدار۔۔۔ اور جہاں وہ حاوی نہ ہو سکا، اس کی تباہی و بربادی۔"

ایلن بل لاک کی کتاب ظلم کا مطالعہ (A Study of Tyranny) سے

اب ہٹلر کی اپنی کتاب مین کیمپ یعنی "میری جدوجہد" سے ایک حوالہ پڑھیے۔

"اچانک میرا سامنا ایک انوکھے شخص سے ہوا جس نے ایک سیاہ خافتان (لمبا کوٹ) پہنا ہوا تھا۔ میرا پہلا خیال یہ تھا کہ کیا وہ ایک یہودی ہے؟ میں اس آدمی کو چھ

نظروں سے مگر چوکنا ہو کر دیکھتا رہا۔ میں جوں جوں اس کے عجیب و غریب خدوخال اور اس کے جسم کے حصوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دیکھتا گیا توں توں ایک سوال میرے دماغ میں ابھرتا گیا کہ کیا یہ جرمن ہے؟ اپنی زندگی میں میں نے پہلی مرتبہ چند پیسوں سے سامی نسل کے خلاف ایک کتابچہ خریدا۔

کیا کوئی در پردہ دھوکے یا بدمعاشی کا معاملہ تو نہیں چل رہا؟ خاص طور پر تہذیبی زندگی میں؛ جس میں کم از کم ایک یہودی شامل نہیں ہو رہا۔ اس قسم کے پھوڑے میں احتیاط سے نشتر لگا کر کسی بدبودار جسم سے کیڑے ان کی ابتدائی شکل میں دریافت کیے جا سکتے ہیں۔ ایک چھوٹے یہودی کو اچانک روشنی سے کئی بار اندھا کیا جا سکتا ہے۔"

☆

انسانیت کو حضرت موسیٰ "، حضرت عیسیٰؑ" گاندھی اور مدر ٹریسا جیسے مبارک مقدس انسان میسر آتے رہے ہیں۔ اسی کے برعکس انسانیت پر ہٹلر جیسے عذاب بھی نازل ہوتے رہے ہیں۔ اسے اس کتاب میں رسوائی کے حوالے سے بدترین اول شخص جو اس کرہ ارض پر آیا' قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے جن اشخاص کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے ہٹلر سے زیادہ لوگوں کی موت کا سبب بنے ہیں لیکن اجسام کی تعداد ان بُرے اشخاص کی صف بندی کا معیار نہیں ہے۔

برائی کے پورے منظر میں ایک دانا و بینا لیور نارڈ ڈوب ییل یونیورسٹی میں برائی اور برائی کرنے والوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "کوئی قوم' کوئی طبقہ' ہم میں سے کوئی بھی بے قصور نہیں ہے۔ برائی کی جن گہرائیوں اور سمتوں کا شعور کیا جا سکتا ہے میری رائے میں' ان میں ڈوبی ہوئی تھیں ــــ میں نہ تو یہ کہہ رہا ہوں کہ آج کے دور کے جرمنوں سے ان کے اجداد کے حوالے سے باز پرس کی جائے اور نہ ہی ان کے اجداد کو معاف کر دیا جائے۔ بہر حال نازی ایک خوفناک ڈراؤنی تاریخ رکھتے ہیں جو نسل انسانی کے لیے ایک انتباہ ہے۔"

ڈوب کا کہنا ہے کہ جرمنوں کو اڈولف ہٹلر نے متاثر کیا' ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں اپنی زندگی ہی میں ان مقاصد کی طرف لے گیا ــــ جنہیں وہ "آخری حل" قرار دیتا تھا ــــ یہ "آخری حل" کیا تھا؟؟ کہ ایسی تمام اقوام کو ختم کر دیا جائے جنہیں وہ گھٹیا خیال کرتا تھا۔ ایسی اقوام میں یہودی' خانہ بدوش لوگ' کالے لوگ' ہم جنس پرست' ذہنی طور پر پسماندہ اور معذور وغیرہ شامل تھے۔ وہ ہر لحاظ سے خالص آرین جرمن نسل تشکیل دینے کے لیے اپنی کجروی پر مصر تھا۔

ہٹلر اپنے دور حکومت کو تیسری ریخ ــــ تیسری سلطنت کہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سلطنت روما کی جگہ لینے کے لیے ایک سلطنت قائم کر رہا ہے یا پھر وہ انیسویں صدی کی اس جرمن سلطنت کا احیا کر رہا ہے جس کی بنیاد آٹو وان بسمارک نے رکھی تھی۔

اپنے منصوبے کی تکمیل کی خاطر ہٹلر کی نازی پارٹی نے جرمنی میں ہر قسم کی آزادی کو ختم کر دیا اور قصداً اس نے مخالفین کی قید و بند کے پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ پہلا نشانہ یہودیوں کو بنایا گیا لیکن نازی پارٹی نے ہٹلر کے نظریات کے مطابق جلد ہی اپنا دائرہ کار گھٹیا قوموں اور انسانوں کی طرف بھی بڑھا دیا۔

اڈولف ہٹلر کی ذات سے بدی کا جو سلسلہ چلا اور جس کے نتیجے میں انسانیت کے خلاف جو خرافات برپا ہوئیں وہ آج سیدھے الفاظ اور سادہ بیان میں عقل سے بعید معلوم ہوتی ہیں۔ عالمی بربادی آج محض ایک خاموش موتی ہے اور اس کی تفصیلات ہولناک ہیں۔ لیکن دہشت گردی کی جو حماقتیں 1939ء سے 1945ء میں روا رکھی گئیں ان کا ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور کی سادہ سی نوعیت کی کرتوتوں کے عنوانات پڑھتے ہی سے ہمارے ذہنوں میں لاتعداد تصوراتی' متحرک اور آنکھیں باہر نکال دینے والے ہیولے گھوم جاتے ہیں۔ جن کے نام آخری حل' آش وٹز' بھٹی چولہے' زکلان بی گیس' ٹریبلنکا' چھ لاکھ سواستکا 卐 یہودیوں کے کوارٹرز' حاکم نسل' اجتماعی قبریں' بشن ویلڈ' انسانوں کی کھال سے بنے لیمپ شیڈ' طبی تجربات کی نسل کشی وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہم یہ سب کچھ اس وقت جان سکے جب لوگ مر گئے اور ان کی چیخیں ختم ہو گئیں۔ اڈولف ہیس آش وٹز کا کمانڈر' ہملر جس نے اپنے قلم سے ناقابل تصور کو حقیقت بنایا۔ ہملر نے ٹریبلنکا کے انچارج ایسے گیس چیمبرز بنائے جن میں بیک وقت دو ہزار لوگوں کو گیس کے سپرد کیا جاتا تھا۔

اڈولف ہٹلر 1889ء میں آسٹریا میں پیدا ہوا۔ وہ کلارا اور الوئس ہٹلر ایک کر آفیسر کا بیٹا تھا۔ اس کی بہن پالا کے سوا تمام بہن بھائی بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ پالا کی موت کے بعد بھی زندہ رہی۔ اس نے اپنا نام پالا سے وولف تبدیل کر لیا۔ اس شادی کی نہ بچے تھے۔ 1960ء میں اس کا انتقال ہوا۔ ہٹلر کے کچھ رشتہ دار نیویارک ک قریب لانگ نامی جزیرے میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے دریافت ہوئے۔

ہٹلر کی بہن نے ایک مرتبہ ایک اخبار نویس کو بتایا کہ ان کا باپ ایک تندخو بدزبان شخص تھا۔ اڈولف اس کو انتہائی غصہ دلاتا اور روزانہ ہی اس سے خوب پٹتا۔

ہٹلر ایک نالائق طالب علم تھا۔ دو مرتبہ وہ فنون لطیفہ کی اکادمی میں داخلے ک امتحان میں فیل ہوا۔ ہٹلر چونکہ ایک مصور بننا چاہتا تھا اس لیے کچھ عرصہ وہ اپنی بنائی ہو تصاویر اور خاکے بیچ کر اپنی روزی کماتا رہا۔ (سواستکا 卐 کا پراسرار نشان ہٹلر ہی کی تخلیق ہے) 1907ء میں وہ اپنی ماں کے ساتھ وی آنا میں رہتا تھا کہ اس کی ماں مر گئی۔ اسے آسٹریا کی حکومت سے بھی سخت نفرت تھی کیونکہ وہ ہر نسل کے لوگوں سے ایک جی ہی سلوک کرتی تھی۔۔۔ یہ نفرت ہی ہٹلر کی ابتدا تھی۔

1913ء میں ہٹلر جرمنی آ گیا اور پہلی جنگ عظیم میں جرمن فوج میں شامل ہو کر جرمنی کے لیے لڑا۔ اسے اپنی جنگی خدمات کے عوض دو تمغے ملے۔ بنٹ کے جس کمانڈر نے ہٹلر کے تمغوں کی سفارش کی وہ یہودی تھا۔ اولین درجے کا ایک کراس ہٹلر اپنی موت تک پہنتا رہا۔ اس تمغے (میڈل) کو آج بھی ہٹلر کی لاتعداد تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

1920ء میں ہٹلر نازی پارٹی میں شامل ہوا اور جلد ہی وہ پارٹی کا سربراہ بن گیا اس نے ڈرامائی طور پر پارٹی کے ممبران کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ اسی نے ذاتی طور پر سواستکا کو اپنی پارٹی کا امتیازی نشان بنایا اور پھر اس نے "طوفانی دستوں" کی بنیاد رکھی۔ یہ نازی ملیشیا بعد میں منتخب لوگوں پر مشتمل فوج بنی جس کی ذمہ داری ہٹلر کی زندگی کی سپیشل سیکورٹی تھی۔ بعد میں اس خصوصی فوج کی دھاک جرمنی کے علاوہ اس کے مقبوضہ علاقوں میں اس قدر بیٹھی کہ اس سے جرمنی کی عام فوج کے افسر بھی گھبراتے تھے۔ یہ فوج اپنی کارروائی کے لیے صرف پارٹی اور پارٹی لیڈر کو جواب دہ تھی۔

1923ء میں ہٹلر کو حکومت جرمنی کے خلاف بغاوت کے الزام میں پانچ سال کی

قید ہوئی۔ ہٹلر نے اپنی نازی ملیشیا کے ذریعے جنوبی جرمنی میں بویرین حکومت کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ پانچ سال کی قید کی سزا میں سے اس نے صرف تیرہ ماہ کی قید 11 نومبر 1923ء تا 20 دسمبر 1924ء کاٹی۔ اس نے اپنی قید کے دوران اڈولف ہیس کو وہ الفاظ اور خیالات قلمبند کرائے جو بعد "مین کیمپ" (میری جدوجہد) کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

رہائی کے بعد اس نے نازی پارٹی کی تعمیر نئے سرے سے کی جس کی بنا پر یہ 1932ء تک جرمنی کی طاقتور ترین سیاسی پارٹی بن گئی۔ اگلے سال ہٹلر کو چانسلر بنا دیا گیا۔ اس عہدے کو ہٹلر نے جلد ہی آمریت کا رنگ دے دیا اور اپنے لیے اس نے "فیوہرر" کا خطاب پسند کیا جس کا مطلب "کامل رہنما" ہے گویا وہ ایک مطلق العنان آمر کی شکل میں "کامل راہنما" تھا۔

ہٹلر نے فوری طور پر جرمنی کی تمام سیاسی جماعتوں کو موقوف کر دیا اور تمام انفرادی جرمن ریاستوں کے اختیارات بھی خود سنبھال لیے۔ ان تمام ریاستوں میں نازی گورنر مقرر کیے گئے اور تمام شخصی آزادیاں بالفعل منسوخ کر دی گئیں۔ اقتدار اعلیٰ سنبھالنے کے ساتھ ہی ہٹلر نے سنجیدگی سے یہودیوں کی ایذا رسانی شروع کر دی۔ ان کی جرمنی کی شہریت ختم کر دی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب کسی سرکاری دفتر میں نہ تو ملازم ہو سکتے تھے، نہ ووٹ دے سکتے تھے نہ زمین کے مالک بن سکتے تھے۔ طبی پیشہ یا وکالت کے ساتھ ساتھ معلمی بھی ان کے لیے شجر ممنوعہ تھی۔

ہٹلر نے 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کی ابتدا جرمنی کے پولینڈ پر حملہ کرنے سے ہوئی اور اگلے چھ سال وہ اپنے "آخری حل" کے لیے کام کرتا رہا۔ اس نے یہودیوں کی بیخ کنی کرنے کے لیے کیمپ قائم کیے۔ بغیر کسی کمزوری کے احساس کے اس نے اجتماعی قطاروں کی صورتوں میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل عام کیا۔ ساٹھ سے نوے لاکھ ایسے افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا جنہیں اس نے بوجوہ ناپسندیدہ، فضول اور نکما خیال کیا۔

ہٹلر نے 30 اپریل 1945ء کو جرمنی کی یقینی شکست نظر آتے دیکھ کر خودکشی کر لی؛ جس کے ایک ہفتہ بعد ہی جرمنی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ تین ماہ بعد 6 اگست 1945ء کو

امریکہ نے ہیروشیما اور کچھ دنوں کے بعد ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکے اور یوں دوسری جنگ عظیم کا اختتام ہوا۔

یہ سوالات آج بھی اپنی جگہ موجود ہیں اور اکثر پوچھے بھی جاتے ہیں کہ:

ہٹلر ایسا کیونکر کر سکا؟

اس نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟

ان سوالات کے جوابات بہت زیادہ الجھے ہوئے اور مایوس کن ہیں اور اس گھمبیر سچائی کو ظاہر کرتے ہیں کہ ”فطرت انسانی نہ صرف برائی تشکیل دیتی ہے بلکہ اسے اعلانیہ اختیار بھی کرتی ہے۔“ اڈولف ہٹلر نے اپنے جیسے کچھ انسانوں کو خون چوسنے والے کیڑوں کی صورت دیکھا اور جرمنی کی بہتری کے لیے انہیں ان کی ایذا رسانی سمیت دنیا ہی سے ختم کرنا چاہا۔ جب وہ طاقت کی سیڑھی پر چڑھ رہا تھا تو اس نے انسانی ہجوموں کو الفاظ کے تنویمی عمل سے غافل کیا‘ انہیں ورغلایا اور انہیں اپنے نظریات کی وجہ سے ایک جگہ پر اکٹھا کر لیا۔ ان مسحر لوگوں نے ہٹلر کو ایک ہیرو سمجھا اور اس کی شکل میں ایک نجات دہندہ خیال کیا۔ وہ جو اس وقت نہ دیکھ سکے---- اور جو ہم آج واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ ہٹلر اصل میں سان پر چڑھی ہوئی تیز دھار برائی کا دوسرا نام تھا۔

========= ☆ =========

2

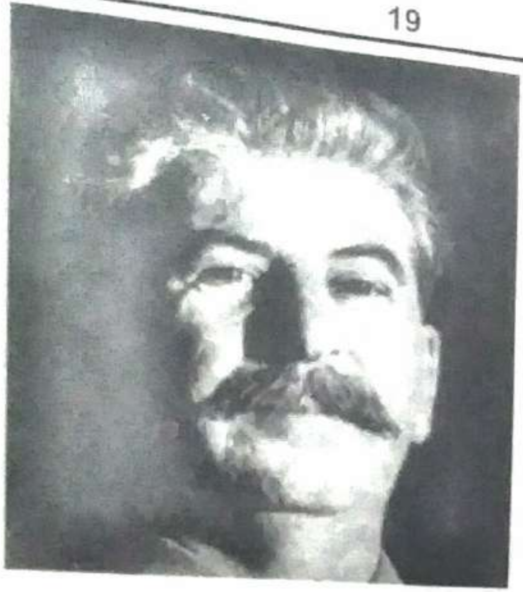

جوزف سٹالن

(1879ء تا 1953ء)

”وہ جانتا تھا کہ وہ تاریخ میں ایک ظالم ترین اور استبدادی شخصیت رکھتا ہے لیکن اسے اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ تاریخ کے تقاضوں ہی کے مطابق چل رہا ہے۔“

مائلووین ڈژلاس---- یوگوسلاوین راہنما کی کتاب ”سٹالن سے مکالمہ“ سے اقتباس

اُمرا کو ختم کر دو———— جوزف سٹالن کا نعرہ

سٹالن کی موت کے تین سال بعد 1956ء میں سوویت روس کی بیسویں پارٹی

کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے نکیتا خروشیف نے عوامی سطح پر یہ بیان دیا کہ سٹالن ایک بہت بڑا قاتل اور متشدد تھا۔ جب خروشیف نے حقائق سے مزید پردے اٹھانے شروع کیے تو مورخ اینڈریو ایورٹ نے سٹالن کو “عجیب و غریب برائی” کا لقب دیا۔ یوگوسلاویہ کے کیمونسٹ باغی مائلووین ڈولاس نے سٹالن کو مسیحیت کے حوالے سے “نیا شیطان” قرار دیا اور کہا کہ سٹالن تاریخ کا سب سے بڑا مجرم ہے جس نے اپنے دور حکومت میں شخصی آزادی کو انتہائی بے رحمی سے کچلا۔ اس نے اپنی سیاسی قوت کو جبر و استبداد پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جس کی بنا پر تاریخ میں اس کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔

بدیہی طور پر مطلق العنانیت انسان کو بداطوار بنا دیتی ہے۔ سٹالن کئی حوالوں سے بدکردار' بداخلاق' بدچلن اور سیاہ کار تھا۔

جوزف سٹالن 1880ء میں سلطنت روس کی جارجیا نامی ریاست کے مقام گوری میں پیدا ہوا۔ اس حوالے سے وہ روسی نہیں بلکہ جارجیئن تھا۔ یہ خلش اسے مرتے دم تک ستاتی رہی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ سٹالن کی ماں ذہنی طور پر پسماندہ ہو چکی تھی جبکہ اس کا باپ طبعی طور پر بدزبان اور شرابی تھا۔ یہ خاندانی خاکہ تسلسل سے لاتعداد قتل کرنے والے جیسے کینتھ بیانشی اور جاں وائن گیسی کے خاندانی پس منظر سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ دلچسپ بات یہ ہے کہ سٹالن کی ماں اسے ایک پادری بنانا چاہتی تھی۔ ایسی ہی خواہش مسولینی کی ماں اپنے بیٹے کے بارے میں بھی رکھتی تھی۔

سٹالن سے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ ظالم ہے اور سادیت پسند بھی ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کا عامتہ الناس میں تمسخر اڑاتا اور ان کے ساتھ ان کی بدخواہی کے عملی مذاق بھی کرتا۔ وہ دوسروں کو جسمانی دکھ درد میں مبتلا کر کے اور ان کو ذہنی طور پر پریشان کر کے خوش ہوتا۔ بہت سے ماہرین نفسیات کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے رجحانات رکھنے والے افراد بدفطرت ہی ہوتے ہیں۔

خروشیف نے سٹالن کی جنسی کجروی کی بہت سی مخفی تفاصیل بھی بیان کیں۔ زندگی کے آخری سالوں میں اس کے جنسی وہمی خطرات نے اسے نوجوان لڑکیوں کے لیے سادیت پسند بنا دیا۔ بہت سی نوخیز اور دیگر لڑکیاں غائب ہونے لگیں۔ روسی خفیہ ادارہ

کے جی بی کے سربراہ لاورنٹی بیریا کو سٹالن نے یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ گلیوں سے کم سن لڑکیوں کو اس کی تسکین پورا کرنے کے لیے پیش کرے۔ بیریا ایسی لڑکیوں کو اغوا کرنے کے بعد بتاتا کہ اگر انہوں اس کے ساتھ جانے سے انکار کیا یا شور مچایا تو ان کے خاندان کو جان سے مار دیا جائے گا۔ وہ بچاریاں سسک کر رہ جاتیں اور اس کا حکم بجا لاتیں۔ بیریا اور سٹالن دونوں ان معصوموں سے خرمستیاں اور بدمستیاں کرتے اور جنسی تلذذ پاتے۔

سٹالن مغرور بھی تھا۔ وہ باقاعدگی سے اونچی ایڑی والے جوتے پہنتا کیونکہ وہ اپنے قد کے حوالے سے بھی وہمی تھا۔ وہ اپنے چہرے پر چیچک کے داغوں کی وجہ سے فوٹوگرافی سے بھی الرجک تھا۔ بچپن میں اسے کچھ زخم بھی آئے تھے اور چیچک بھی نکلی تھی۔

سٹالن کا پیش رو ولاڈی میر لینن تھا۔ سٹالن 1922ء سے 1953ء تک روسی کیمونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری رہا۔ وہ 1941ء سے 1953ء تک سوویت روس کا وزیراعظم بھی رہا۔ اسے 100 بُرے لوگوں میں نمبر دو پر اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ براہ راست 250 لاکھ روسیوں کی موت کا واحد ذمہ دار تھا۔ یہ لوگ اس کے اپنے لوگ تھے۔ بعض محققین تو اسے پانچ کروڑ انسانوں کا قاتل گردانتے ہیں۔ اموات کی یہ تعداد تو وہ ہے جو سٹالن کی پالیسیوں اور ان کی تکمیل کے لیے دیئے گئے احکام کے نتیجے میں عمل میں آئی' لیکن مطلق العنان ہونے کے ناطے سے ان ہلاکتوں میں اس کی شخصیت کے ایسے اجزا بھی شامل ہیں تو ایک اتنی بڑی مملکت یا سلطنت کے سربراہ کے شایان شان نہیں۔ وہ انتہائی سفاک تھا اور اسے انسانی زندگی کا کوئی احترام نہ تھا۔

سٹالن کی پالیسیوں کے نتیجے میں قحط اور بھوک پیدا ہوئی۔ روسی معاشرے میں اتھل پتھل اور (سول وار) خانہ جنگی میں بھی بہت زیادہ روسی شہری مارے گئے۔ اجتماعی کاشتکاری کے عمل اور ذاتی ملکیتوں کی موقوفی سے بھی پورا روس قحط کی زد میں آ گیا۔ سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مشین گنوں سے ایسے کسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں جو سٹالن کے حکم سے انحراف کے طور پر اپنی جائدادیں' فصلیں اور مال مویشی سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ بعض اوقات اس سلسلے میں پورے کے پورے گاؤں لاشوں سے اٹ گئے۔ قومی تحویل میں لینے کی اس حکمت عملی کے نتیجے میں ایسی ایسی رکاوٹیں پیدا ہوئیں جن کا ذکر خود سٹالن نے بھی کیا۔

سٹالن کے اپنے بیان کے مطابق 1933ء میں ایک کروڑ اسی لاکھ گھوڑے' ڈیڑھ کروڑ مویشی ذبح کر دیے گئے اور کسانوں نے ہزاروں ایکڑ میں کھڑی فصلوں کو آگ لگا دی تاہم یہ احتجاج بھی سٹالن کے پتھر دل کو موم نہ کر سکا۔ نتیجے کے طور پر سٹالن کے حکم سے احتجاج کرنے والے کسانوں کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کو ایسے کیمپوں میں جبری مشقت کے لیے بھیجا گیا جہاں وہ کام کرتے کرتے مر گئے یا پھر انہیں گولیوں سے بھون دیا گیا۔

جب ملک کے اندر لاکھوں لوگ بھوک کا شکار تھے تو اس وقت سٹالن اپنے ملک کا غلہ باہر کی دنیا کو برآمد کر کے بڑی مقدار میں زرمبادلہ حاصل کر رہا تھا۔ اس زرمبادلہ میں سے ایک روبل بھی اس نے اپنے لوگوں کا پیٹ بھرنے کے لیے خرچ نہیں کیا۔ سٹالن نے روس پر 1929ء سے اپنی موت 1953ء تک حکومت کی۔ اس طویل دور میں تسلیم شدہ تاریخی حقائق کے مطابق تقریباً دس لاکھ نفوس کو سٹالن اور ریاست کا دشمن قرار دے کر قتل کر دیا گیا' اسی لاکھ افراد سٹالن کی پالیسیوں سے جنم لینے والے قحط کی نذر ہوئے اور تقریباً اسی لاکھ افراد جبری مشقت کے آرکٹک اور سائبیریا میں قائم کیے گئے کیمپوں میں ہلاک ہو گئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں روسی افراد کو روس کی آبادی کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق گم شدہ (Missing) قرار دیا گیا۔ جب جرمنی کو جنگ عظیم دوم میں شکست ہو گئی تو تقریباً جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں ہٹلر کے خوفناک کیمپوں کی طرح یورپی اور ایشیائی قیدیوں کو قطاروں میں کھڑا کر کے گولیاں مار دی گئیں۔ یہ قتل بھی سٹالن کے ایما اور اس کے خاص الخاص جرنیلوں کے احکام سے ہوئے۔

ہم استعارتاً کہہ سکتے ہیں کہ زندگی سے ہاتھ دھونے والے اڑھائی کروڑ میں سے ہر فرد کی قبر خود سٹالن نے کھودی۔

اپریل 1940ء میں مغربی روس کے کیٹن جنگل میں پولینڈ کے بیس ہزار قیدیوں کی اموات کا ذمہ دار بھی سٹالن ہی تھا۔ اسی سال مارچ کے مہینے میں ہٹلر کے ساتھ ایک خفیہ معاہدے کے تحت سٹالن نے مشرقی پولینڈ پر چڑھائی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ روسی فوجی دستوں نے پندرہ سے بیس ہزار پولش جنگی قیدی جنوبی روس میں منتقل کیے۔ یہ باقاعدہ فوجی نہ تھے بلکہ وہ محفوظ دستے تھے جن کو روسی حملے کے بعد فوج کی مدد کے لیے

طلب کیا گیا تھا۔ ان افراد میں ڈاکٹرز' وکیل' سائنس دان اور کاروباری افراد بھی شامل تھے۔ مغربی روس میں سمولینسک کے قریب کیٹن کا جنگل ہے۔ سٹالن کے ذاتی حکم کے تحت ان قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم لیورنتی بیریا کو دیا تھا جس نے کمال دیانتداری سے "سزا کے اعلیٰ ترین طریقہ کار" یعنی گولیوں سے اڑا دینے پر عمل کیا لیکن اس نے پہلے ہر قیدی کو اپنی اپنی قبر کھودنے کا حکم بھی دیا۔ 1943ء میں ان قبروں کو قابض نازی افواج نے دریافت کیا جبکہ 1990ء میں روسی حکومت نے اس قتل عام کی ذمہ داری قبول کی۔

سٹالن 1953ء میں فالج دماغ کی بیماری سے واصل جہنم ہوا۔ اپنی 74 سال کی عمر میں وہ اپنے مرض میں خود کو عظیم تصور کرتا تھا۔ وہ شعر فریبا میں [illegible] تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ اپنے ڈاکٹروں اور دیگر مصاحبوں کے قتل کے بارے میں سوچا کرتا تھا کیونکہ اسے ان پر بالکل اعتماد نہ تھا۔ بعض مؤرخ تو یہ شبہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی طبی امداد کو روک لیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ لاعلاج ہو گیا۔ اگر یہ سب کچھ واقعی درست ہے تو یہ ایسے شیطان صفت فرد کے لیے قضا و قدر کا بدلہ تھا جو اپنی صحت کی تو پرواہ کرتا تھا لیکن اسے لاکھوں کروڑ زندگیوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

* * *

4

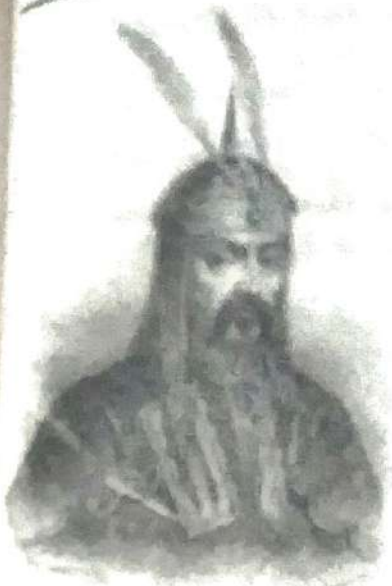

چنگیز خان

(1162ء تا 1227ء)

> "اپنے دشمنوں کو شکست و نابود کرنا' ان کو اپنے قدموں میں گرتے دیکھنا' ان کے گھوڑے اور ساز و سامان چھین لینا اور ان کی عورتوں کے نوحے اور بین سننا ——— یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔
>
> چنگیز خان

1227ء میں جب چنگیز خان کی موت واقع ہوئی تو اس کے وفادار منگول اس کی لاش کو دفن کرنے کے لیے صحرائے گوبی میں لائے۔ انھوں نے چنگیز خان کی موت کو صیغہ راز میں رکھا تاکہ کسی قسم کی بغاوت نہ ہو۔ جب وہ چنگیز خان کی کفن پوش لاش کو اس کی فتح کردہ لمبی چوڑی سلطنت میں میلوں کا فاصلہ طے کر رہے تھے تو دوران سفر انھیں جو بھی زندہ شخص ملا' اسے انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سوگوار سفر میں ہلاک کیے جانے والے افراد کی تعداد اگر لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ضرور ہے۔ مورخین نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف اور صرف چین کے اندر ایک کروڑ اسی لاکھ سے زائد افراد کے قتل کا واحد ذمہ دار چنگیز خان ہے۔ یہ اس تعداد کا نصف ہے جس کے اتلاف کی ذمہ داری اس خونی منگول کے دور حکومت میں ہوئی۔

آج کے دور میں بہت لوگ چنگیز خان کو عظیم ترین فوجی قائد اور فاتح خیال کرتے ہیں لیکن وہ اس کتاب میں ان وجوہ کی بنا پر شامل کیا گیا ہے جن کے باعث اس نوع کے دیگر درندوں کو شامل کیا گیا ہے۔ چنگیز خان نے درندوں کی اس صف میں شامل ہونے کا جواز خود پیدا کیا جو اس عبارت سے عیاں ہے جو اوپر کی ابتدائی سطور میں اس کے تعارف کے ضمن لکھی گئی ہیں۔

چنگیز خان کا ناقابل یقین حد تک خوشی کے احساس سے سرشار ہونا اور وہ بھی مفتوح لوگوں کی حالت زار' تباہی اور بیچارگی پر ——— ایک شرمناک اور ڈراؤنا فعل ہے۔ دوسروں کے دکھ درد پر خوشی کا اظہار ایک حقیقی بدقماش اور درندہ صفت انسان ہی کر سکتا ہے اور چنگیز خان اپنی تمام تر شاندار جنگی چالوں اور فتوحات کے باوجود ایک درندہ ہی تھا۔ اس کا دوسروں کو مصیبت اور عذاب میں گرفتار دیکھ کر ——— تباہ حال شہروں کو دیکھ کر خوشی منانا اور لاشوں اور سروں کے پہاڑ کھڑے کر کے سرشاری محسوس کرنا ——— درندگی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ مجسم برائی نہیں تو اور کیا ہے؟ تیرھویں صدی کا سائنسدان' فلاسفر اور راہب روجر بیکن کہتا ہے کہ چنگیز خان اور اس کے منگول جنگ جو "عیسیٰ مخالف" ہیں۔

چنگیز خان کا نام اس کے باپ کے ایک مفتوح سردار کے نام پر "تموچن" رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ننھا تموچن جب دنیا میں آیا تو اس کے ننھے سے ہاتھ پر خون کا جما ہوا ایک قطرہ تھا۔ اس صورت حال کو کسی آنے والی حقیقت کے حوالے سے نیک فال خیال کیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ کسی آسمانی نسب سے ہو۔

تیرہ سال کی عمر میں تموچن ایک جنگجو سردار کی حیثیت سے اپنے باپ کا جانشین بنا۔ 1206ء میں وہ انتہائی غربت کا بچپن گزارنے اور باہمی جھگڑوں کے باعث

آہستہ آہستہ اپنے قبیلے کا سردار بنا۔ پھر ایک جنگجو منگول سرداروں کی مجلس خاص نے اسے میراث کے طور پر چنگیز خاں کا لقب دیا جس کے معنی "شہنشاہ کائنات" ہوتے ہیں۔ چنگیز خاں اور اس کے منگول جنگجو اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے جنوبی چین، وسطی ایشیا، ایران اور جنوبی روس پر چڑھ دوڑے اور اپنی اس یلغار میں انہوں نے لاکھوں افراد قتل کیے۔

خان نے بہت سی فتوحات حاصل کیں جن کے نتیجے میں، بہت سے مورخین کے بیانات کے مطابق وہ دنیا میں ایک نہایت ہی طاقتور شخص کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اس کی سلطنت اور دور اقتدار کا اصل دور اس وقت شروع ہوا جب تیرھویں صدی میں اس نے منگول قبیلوں کو یکجا کیا اور پھر نہایت منظم طریقے سے ہمسایہ ممالک اور سلطنتوں پر حملے کر کے انہیں مغلوب کیا۔

چنگیز خاں کے منگول سردار کسی شہر پر حملہ کرتے تو وہ وہاں ناقابل یقین حد تک لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتے اور تباہی مچاتے۔ وہ خوشی کی سرشاری سے بوڑھوں پر عذاب ڈھاتے، بچوں کو ذبح کرتے، اور عورتوں سے زیادتی کے مرتکب ہوتے۔ اس بد اخلاقی کے بعد وہ گھروں کو کھنڈر بنا دیتے اور ضروریات زندگی کی تمام اشیا لوٹ لینے کے بعد پورے شہر کو آگ لگا دیتے۔ شعلوں کے نظاروں سے خوش ہوتے، دھواں اٹھتے دیکھ کر خوفناک قہقہے لگاتے۔ ایک مرتبہ خان کو اطلاع ملی کہ شہر کے کچھ لوگوں نے موت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو مردہ لوگوں کے ڈھیروں میں چھپ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ خان نے نہ صرف ان جان بچانے والوں کے سر قلم کرا دیے بلکہ اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر کنبے کے مرد افراد کو بھی سزا دے کر ان کی موت کو یقینی بنایا جائے۔

کئی سال کی ایسی خونریزیوں کے بعد چنگیز خاں کے مشیر اعلیٰ یی لیو چوسائی نے اپنے عظیم راہنما کو تجویز پیش کی کہ اب خون خرابے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ خان خود بھی شاید ان دنوں اپنے اور اپنے سرداروں کے طرز عمل کو جانچنے لگا تھا۔ اس نے اپنے مشیر اعلیٰ کو جواب دیا: "میں نے داناؤں کی دانائی کی باتوں کے بارے میں سوچا اور میں یہ دیکھ سکتا ہوں کہ میں نے یہ جانے بغیر کہ واقعی کیا کرنا چاہیے تھا بہت خون بہایا۔ لیکن مجھے ایسے دانا لوگوں کی اور ان کی دانائی کی کیا پرواہ

ہے؟" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے سفاک دل میں اپنے مشیر اعلیٰ کی بات سے کوئی لطیف احساس پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی اس کے دماغ میں کسی نیک سوچ نے خلش پیدا کی۔

خان اگرچہ لکھ نہیں سکتا تھا پھر بھی اس نے پچاس قوانین بنائے تھے جن میں سے نصف سے کم باقی رہ گئے ہیں۔ مشہور مورخ ہیرلڈ لیمب نے 1927ء میں خان کی سوانح میں بائیس قوانین پیش کیے ہیں جن میں ذیل کے قوانین بھی شامل ہیں:

☆ جاسوس، جھوٹے گواہاں، بدچلنی کے مرتکب تمام افراد اور جادوگروں کو سزائے موت دی جاتی ہے۔

☆ حرام کاری کی سزا بھی موت ہے اور حرام کاری کے مرتکب افراد کو ہاتھ سے قتل کیا جائے۔

☆ شادی کا قانون بتاتا ہے کہ ہر شخص اپنی بیوی خریدے گا۔۔۔ ایک آدمی دو بہنوں سے بھی شادی کر سکتا ہے یا وہ کئی داشتائیں بھی رکھ سکتا ہے۔

چنگیز خاں جب اپنی طاقت و قوت کے عروج پر تھا تو اس کی سلطنت بحرالکاہل سے لے کر بحیرہ اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وسیع و عریض سلطنت تمام انسانی اور یورپی آبادی کو دہشت و بربریت کے ذریعے نیست و نابود کر کے حاصل کی گئی تھی۔ چنگیز خاں نے ایک مرتبہ اعلان کیا تھا: "میں دشمنوں کا قتل عام اور ان کی تباہی و بربادی جاری رکھوں گا۔۔۔ تاکہ میرا نام ہمیشہ زندہ رہے۔" خان اعظم کے نام کو صدیاں گزرنے کے بعد [illegible] کے پاک [illegible] نے زندہ کیا۔۔۔ خدا کرے کہ کوئی اور آمر چنگیز خاں کے نام کو دوبارہ زندہ کرنے والا پیدا نہ ہو۔

* * *

5

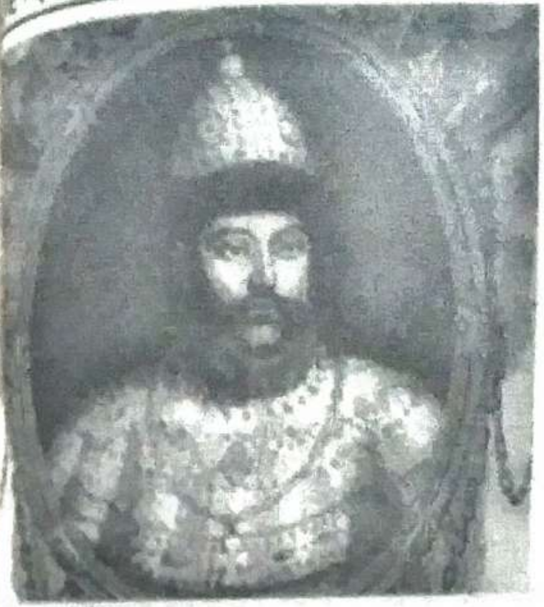

مہیب آئیواں

(1530ء تا 1584ء)

"لڑکے کو مار پیٹ ترک کر کے کمزور نہ کرو' کیونکہ وہ ڈنڈے کی مار پیٹ سے مر نہیں جائے گا بلکہ اس کی صحت بہتر ہوگی۔ جب تم اس کے جسم کو پیٹتے ہو تو تم اس کی روح کو موت سے بچاتے ہو۔ اگر تم اپنے بیٹے سے محبت کرتے ہو تو اسے اکثر سزا دیتے رہو تاکہ تم بعد میں خوشیاں منا سکو۔ اس پر مسکراؤ نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ کھیلو' اس لیے کہ وہ بچہ ہونے کی وجہ سے تمہارا غم تمہیں بھلا دے لیکن جب وہ بڑا ہوگا تو تمہارے غم کو بڑھا دے گا اور تمہاری روح میں زیادہ تلخی پیدا ہوگی۔

سولہویں صدی کے نصف کی ایک والدین کے لیے راہنما کتاب "دی ڈوموسٹرائے" سے اقتباس کہ "آئیوان" سمیت بچوں کی پرورش کس طرح کی جائے

آئیواں ویسل ؤی وچ—— آئیوان چہارم—— زار روس تھا جس نے 1547ء میں تخت روس سنبھالا۔ اپنے ظلم وستم میں اس قدر مشہور تھا کہ اس کے نام کے ساتھ مہیب کا لفظ ایک سابقہ بن گیا۔

"مہیب آئیوان (Ivan, the Terrible) کے بارے میں پروفیسر جیرہارڈ رہیمل آف ویسٹرن نیو انگلینڈ کالج ایک مضمون میں بتاتے ہیں کہ "بے حد ظلم اور انتہائی محرومی" شاید آئیوان کے کردار کی تعمیر کی نمایاں خصوصیات تھیں۔" بہت سے مطلق العنان آمروں کی طرح مہیب آئیوان بھی سٹالن کی محبوب شخصیت تھا' کیونکہ کوئی بھی احمق اس کی پسند یا ناپسند پر تنقید کرنے کو موجود نہ تھا۔ آئیوان اس احساس کے ساتھ کہ کوئی اس پر انگلی اٹھانے والا نہیں تاریک ترین توہمات کا شکار ہوا۔ بے شک وہ پڑھا لکھا تعلیم یافتہ شخص تھا لیکن برائی کی اپج میں تعلیم کوئی کردار ادا نہیں کرتی۔

اپنی جوانی کے ایام میں آئیوان جانوروں پر تشدد کر کے لطف اندوز ہوتا۔ وہ کتوں کو بالکونی سے نیچے پھینک دیتا۔ ایک مرتبہ اس نے سب کے سامنے ایک شریف آدمی کی زبان کاٹ ڈالی کیونکہ اس نے جو کہا تھا وہ آئیوان کو پسند نہ تھا۔ اس نے پہلا قتل تیرہ سال کی عمر میں کیا۔ اسی طرح اس نے اپنے سب سے چہیتے بیٹے کو دبوچنے کے بعد چھرا گھونپ کر قتل کر دیا۔ جنہیں وہ اپنا دشمن سمجھتا ان کے ساتھ تو وہ انتہائی بے رحمانہ اور خوفناک سلوک کرتا۔

آئیوان کی عمر اس وقت سترہ سال تھی جب وہ زار روس بنا۔ (اس نے تین سال کی عمر ہی میں بطور وراثت کے تخت حاصل کیا تھا) جلد ہی اس نے ہزاروں افراد پر مشتمل اپنی ایک پولیس تشکیل کی جس کا نام اوپرچ نینا (وہ جو خدمت کرتے ہیں) رکھا۔ زار سے عداوت رکھنے کے شبے میں لاتعداد افراد گرفتار کیے گئے جن کو بغیر کسی قانونی کارروائی کے تادم آخر کوڑے مارے گئے' میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا گیا' ڈبو دیا گیا' لکڑی کے تختوں سے باندھ کر سوروں کی طرح آگ پر بھونا گیا' یا لوہے کی بنی ایک بڑی سی کڑاہی میں ڈال کر جلا گیا۔ کچھ کو کھولتے تیل میں ڈالا گیا یا ان کو برہنہ کر کے برف میں لٹا دیا گیا بعضوں کے بال آگ کے شعلوں سے جلائے گئے۔ بعض اوقات زار حکم دیتا کہ ملزموں کو ان کے سامنے سزا دی جائے اور ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ مہیب آئیوان سزا پاتے

والوں کی حالت دیکھ کر وہ انتہائی محظوظ ہوتا۔ لوگوں کے تڑپنے' سمٹنے اور سزا سے بچ
جدوجہد اور ان کی ناکامی پر تالیاں پیٹتا۔

1570ء میں نووگوروڈ کے ایک قصبے کے 60 ہزار رہائشیوں کا قتل عام ایک
کے اندر اندر کیا۔ اس کی خصوصی پولیس فورس اوپ رچ نینا نے اوسطاً دس سیکنڈ میں ای
انسانی جان لی۔ انہوں نے یہ قتل عام ہر منٹ' ہر گھنٹہ' دن رات' ہفتہ بھر لگاتار جاری ر
ہر لحاظ سے دہشت ناک امر یہ تھا کہ پولیس فورس نے بچوں کو ان کے والدین کی آنکھ
کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا۔ وہ بچوں کو فرش پر زور سے پٹخ دیتے اور اگر وہ زخ
اسے دیگر ذرائع سے ہلاک کر دیتے۔

آئیوان کو روسی حکمران شرفاء سے سخت نفرت تھی۔ وہ ان کو تنگ کرنے کا
موقع ضائع نہ ہونے دیتا۔ صرف مردوں ہی کو نہیں بلکہ ان کے کنبوں کو بھی ذلیل کر
اس کی دفع الوقتی کا ایک پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ وہ شرفاء کی خواتین کو اغوا کرا لیتا' ا
برہنہ کر کے ایک جنگل میں چھوڑ دیتا جہاں اس کی پولیس فورس کے جوان ان کو ڈھ
نکالتے اور ان سے جنگلی درندوں جیسا سلوک کرتے۔ مہیب آئیوان رنگ رلیاں منان
بہت شوقین تھا۔ وہ دیہاتوں میں لوٹ مار کراتا اور وہاں کی عورتوں کو اپنے محل کے
سجائے اور بے حیائی کے سامان سے آراستہ تہہ خانے میں لانے کا حکم دیتا۔ وہاں وہ
صرف ان خواتین سے فحش کلامی میں دل لگی کرتا بلکہ ان پر جنسی تشدد کے کئی طریقے
آزماتا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس بات کا امکان تسلیم کیا گیا ہے کہ مہیب آئیوان ا
گندی اور خوفناک کرتوتوں پر اپنے آپ کو تھوڑا سا مجرم محسوس کرتا تھا۔ (اگر ایسا ہوتا تو
وہ اپنی کرتوتوں سے تائب ہو جاتا؟ ـــــ مشکل ہے کہ اسے یہ احساس ہو۔) جب وہ بہ
سے "غداروں" کو تشدد کا نشانہ بنا کر ان کو موت کی وادی میں بھیج چکتا تو ان کے
مقامی خانقاہوں میں بھیج دیتا۔ وہ ساتھ ہی خانقاہوں کے تارک الدنیا لوگوں کے لیے
رقم بھی بھیجتا کہ وہ مرنے والوں کی روحوں کے لیے دعائیں کریں۔ کیا اس کا یہ ردعمل ا
کا ضمیر صاف کرنے کے لیے تھا؟ یا یہ ایک فریب کاری تھی کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ ا
نے جو تشدد کیا ہے اور جو جانیں موت کے حوالے کی ہیں وہ ملک کے مفاد میں سیاسی ط

پر ضروری تھیں لیکن اسے ان پر افسوس ہے۔

مہیب آئیونان 1584ء میں مرگیا۔ کہا جاتا ہے کہ مرتے وقت اس نے خانقاہ سے تارک الدنیا عبادت گزار کو بلا کر اس سے مذہبی دعائیں سنیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ مہیب شخص جس کا نام آئیوان تھا اور جو انسانوں کے لیے ایک ہمہ وقت کی دہشت اور موت کا پیامی تھا' یہ یقین رکھتا تھا کہ مذہبی دعائیں سننے کے بعد وہ جہنم کے دائمی شعلوں سے بچ سکے گا؟

========☆========

6

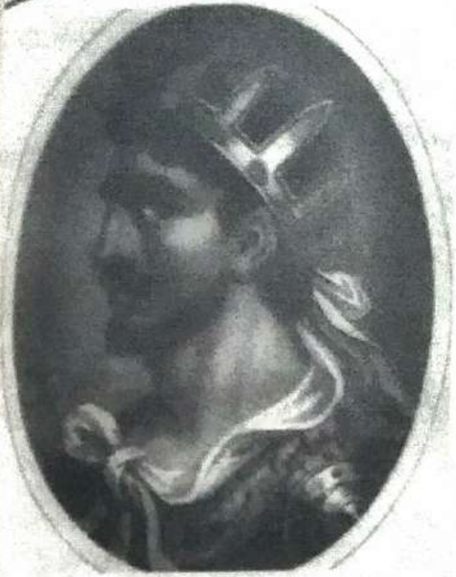

اٹلا دی ہُن

(406ء تا 453ء)

"ہن عجیب ڈیل ڈول کا حامل تھا۔ پستہ قد، کشادہ چھاتی، بڑے سر، چھوٹی چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں اور چپٹی ناک، اس کا رنگ بلکہ ساری جلد سیاہ تھی۔ اس کی چھدری داڑھی تھی، غصے کا سور تھا اور خوف و دہشت کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا تھا۔"

گوتھک مورخ جارڈین کے حوالے سے ایچی گرویٹ کی تصنیف "سٹیپس کا شہنشاہ" (The Emperor of the Steppes) سے اقتباس

اٹلا دی ہن کا نام بُرے لوگوں کی اس فہرست میں کیوں شامل کیا گیا؟ اس لیے کر اس نے بھی علاقائی فتوحات کے لیے انسانی لاشوں کے پشتے لگا دیے اور حیات انسانی کے ضیاع سے مکمل لاپرواہی کا ترکہ چھوڑا ہے۔ ہن لوگ ویسے بھی خوفناک قلعوں کو ہوا رکھنے کی شہرت رکھتے ہیں اور اٹلا نے اپنے جنگجوؤں میں ایک انتہائی خوفناک جذبہ انسانوں کی جانیں لینے اور تباہی و بربادی پھیلانے کا پیدا کیا۔

اٹلا دی ہن سے متعلق مضامین میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بڑے تیکھے اور ناگوار طور پر سخت ہیں جیسے وحشی، ظالم، خطرناک، غصہ ور، بدنام اور خونخوار وغیرہ۔ ان الفاظ کے علاوہ اس کے کچھ تشبیہی نام بھی ہیں جیسے "خدائی مار" بالکل انہی معنوں میں جن معنوں میں دانتے نے "زمین کی مار" لکھا ہے۔ رومن ادیب مارسیلس نے اٹلا اور دوسرے ہنوں کو دو پاؤں والے درندے کہا ہے۔ اٹلا کو اس نے "غضب" کا نام بھی دیا ہے کیونکہ وہ تاریخ عالم میں سب سے زیادہ خوف طاری کرنے والا بیان کیا گیا ہے۔ بعض مورخین اسے "بچوں کا قاتل" بھی پکارتے ہیں۔ اسے "مکمل تباہ کار" اور "برائی بشکل انسان" بھی کہا جاتا ہے۔ رومیوں کا تو یہ یقین ہے کہ جس تباہی، جن کرتوتوں اور جن اموات کو ایک اٹلا نامی انسان سے منسوب کیا جاتا ہے وہ ایک انسان کی قوت و استطاعت خواہ وہ کتنا ہی وحشی اور خونخوار ہو ناممکن ہے۔ وہ اسے انسان نہیں بلکہ کوئی دوسری مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس کے بارے میں "انسان نہیں" (Not Human) لکھتے ہیں۔

اندازاً اٹلا نے 433ء سے 453ء تک چودہ لاکھ پچاس ہزار مربع میل علاقہ فتح کیا اور ایسی سلطنت پر حکمرانی کی جس میں وسطی اور مشرقی یورپ اور مغربی روسی میدان شامل تھے۔ اس نے پانچویں صدی میں براعظم یورپ کو پامال کیا لیکن وہ گال نامی علاقے جو جدید فرانس، بیلجیئم اور شمالی اٹلی پر مشتمل ہے کو تسخیر نہ کر سکا۔ اٹلا کا تھریس (جنوب مشرقی بلقان کا جزیرہ نما علاقہ بحیرہ ایجیئن کا شمال) کا محاصرہ اس قدر جان لیوا تھا کہ مرنے والوں کی تعداد گنی ہی نہ جا سکی۔

441ء سے 442ء کے درمیان اٹلا اور اس کے جنگجوؤں نے دریائے ڈینیوب کے جنوب میں سو میل کے فاصلے پر واقع شہر نائی سس کو تباہ و برباد کیا۔ وہاں سے اٹلا اور اس کے ہنوں نے خونی ہوس اور ظلم کے نئے انداز سیکھے۔ حملہ آوروں نے عزتیں لوٹیں،

غارت گری کی' قتال کیا اور اپنی مرضی کے مطابق لوگوں کے جوڑ جوڑ الگ کیے۔ جب سال بعد رومن سفیر نائی سس میں اٹلا کو آ کر ملے تو انہیں لاشوں کے گلنے سڑنے کی بو باعث شہر سے باہر قیام کرنا پڑا۔ دریا کے کنارے تمام تر انسانی ہڈیوں سے ڈھکے ہو تھے۔

447ء میں مشرقی سلطنت کے خلاف ایک غضیلی کارروائی میں اٹلا اور اس آدمیوں نے ستر سے زیادہ قصبے اور قلعے اس طرح تباہ کیے جیسے مکڑی کی یلغار اپنے را کے تمام سبزے اور ہریالی کو کھا جاتی ہے۔ ہنوں نے عصمتیں تار تار کیں۔ جو شے را میں ملی اسے جلا ڈالا اور جو ذی روح نظر آیا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

452ء میں اٹلا نے شمالی اٹلی میں ایکولیئیا کا نام ونشان مٹا دینے والا محاصرہ کیا۔ جب پوپ لیو کو علم ہوا کہ اٹلا کا اگلا نشانہ روم ہے تو پاپائے اعظم نے اسے اٹلی کی سرز چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو اٹلا نے پوپ کی اٹلی سے نکل جانے کی درخواست ہی مسترد کر دیا۔ پھر گویا ایک معجزہ ہی رونما ہوا۔ اٹلا کے بیان کے مطابق اس کے پاس سینٹ پیٹر اور سینٹ پال آئے اور انہوں نے اسے کہا کہ وہ پوپ لیو کی اطاعت کرے۔ حقیقتاً بات منہ رکھنے کا بہانہ اور افسانہ ہے۔ اٹلا کے اٹلی سے نکل جانے کی تین وجوہات تھیں۔ اٹلا کے ہن طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرنے لگے تھے۔ آپے سے باہر ہو کر لوگوں کی تاخت و تاراج ایک مشکل مرحلہ تھا وہ پچھلے سال کی شیلائنز کی لڑائی کو نہیں بھولا تھا او آخری بات یہ تھی اٹلی قحط کی سی صورت حال سے دو چار تھا اور اٹلا جانتا تھا کہ اسے ا لاؤلشکر کے لیے خوراک حاصل کرنا مشکل ہوگا خواہ وہ کتنے ہی دیہاتوں اور کھیتوں پر قبضہ کر لے۔

433ء میں جب اٹلا برسر اقتدار آیا تھا تو اسے اپنے بھائی بلیڈا کے ساتھ تخت میں شراکت کرنا پڑی تھی۔ یہ ایک تکلیف دہ صورت حال تھی۔ بارہ سال کی شراکت کے بعد اٹلا نے اپنے بھائی بلیڈا کو قتل کر دیا اور خود ہنوں کا واحد بادشاہ بن گیا۔ اپنی مطلق العنانیت کی وجہ سے اٹلا اپنی کسی بھی خواہش کو پوری کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ بلانوش تھا اور باقاعدگی سے ایک لمبی چوڑی دعوت کا اہتمام کرتا اور نشے کی کیفیت میں رنگ رلیاں مناتا تھا۔ تاریخی شہادت کے مطابق اٹلا آدم خور بھی تھا اور ایک موقع پر وہ اپنے

بچوں کو بھی کھا گیا۔ اس کی موت 453ء میں ہوئی۔ اس نے ایک نوجوان لڑکی آئیڈلکو کے ساتھ نئی شادی کی اور اگلی صبح وہ اپنے بستر پر ہی مرا پڑا پایا گیا۔ اس کی پہلے بھی درجنوں بیویاں تھیں لیکن آئیڈلکو اس قدر خوبصورت تھی کہ اٹلا اس کو حاصل کیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاید شدت جذبات سے اس کی رگیں پھٹ گئیں۔ چونکہ اس کی موت بھی عین سہاگ رات کو ہوئی تھی اس لیے اس بات کا سو فیصد امکان ہے کہ اس کے خون میں موت کے وقت تلاطم برپا ہوا ہوگا' تاہم اس دور میں اس صورت حال کی تصدیق نہ ہو سکی۔ پانچویں صدی کی تمام اطلاعات اور معلومات غیر مصدقہ اور غیر صحت مند ہو سکتی ہیں۔ یہ امکان بھی ہے کہ شادی کے جشن کے بعد جب وہ تخلیہ میں گیا ہوگا تو اسے دل کا دورہ پڑا ہو۔

اٹلا کی لاش کو سونے' چاندی اور لوہے کے تین کفن پہنائے گئے۔ اس کی تدفین کے وقت اس کے ایک عظیم الشان راہنما ہونے کی حمدیں گائی گئیں۔ اس کی ناشدنی حرکات اور لوگوں کے دکھ درد' عزتوں کے لٹنے' شہروں کے کھنڈر ہو جانے اور لاکھوں جانوں کے نقصان کی کوئی بات نہیں کی گئی۔ اس کے چھ بیٹوں نے اٹلا کی تمام وراثتیں پائیں لیکن اپنے باپ کی موت کے ایک سال بعد ہی 454ء میں انہیں جرمنی قبائل کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان بغاوتوں کو وہ کچل نہ سکے۔ ان قبائل میں آسٹرو گوتھ کا قبیلہ بھی تھا جسے ایک مرتبہ تو خوفناک ہنوں نے اس قبیلے کو زخموں سے چھلنی کر دیا تھا لیکن اب وہ ہنوں سے اپنا انتقام لے رہا تھا۔

☆

7

پول پاٹ

''کمبوڈیا کا قصاب''

(1924/25/28ء تا 1998ء)

''میرا ضمیر صاف ہے''—— پول پاٹ

پول پاٹ جو موت کے کھیتوں (Killing Fields) کی تعمیر کا ماہر تھا۔ کمبوڈیا کا سیاسی راہنما تھا۔ اس کی ''خمر روج'' نامی گوریلا کمیونسٹ تحریک نے 1975ء میں کمبوڈیا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ پول پاٹ کے دور اقتدار میں مخالفین کو تشدد کے بعد موت کے گھاٹ اتارا گیا جبکہ 1975ء سے لے کر 1979ء تک کمبوڈین قحط نے ستر لاکھ سے لے کر تیس لاکھ افراد کو لقمہ اجل بنایا۔ پول پاٹ حکومت کا تختہ 1979ء میں ویت نام کی

افواج نے الٹا اور وہ دارالحکومت چھوڑ کر بھاگ گیا۔

پول پاٹ نے دانستہ نسل کشی کی بدترین مہم چلائی۔ اس پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ تاریخ اقوام میں واحد ایسا آمر ہے جس نے اپنے ہی ملک کی ایک چوتھائی آبادی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ پول پاٹ کی خمر روج کے کارکن اس کے احکام کی تعمیل کرانے میں انتہائی بے رحم تھے۔ انہوں نے مردوں اور عورتوں پر کسی اختیار کے بغیر تشدد روا رکھا۔ بچے بھی ان کی بربریت سے محفوظ نہ تھے۔ ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچوں کو زندہ دفن کر دیتے یا پھر وہ بچوں کی خوف سے پھٹی آنکھوں کے سامنے ان کے والدین کو قتل کرتے۔ بچے اپنا ذہنی توازن کھو دیتے۔ بچوں کو موت کے سپرد کرنے کا ایک اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ ان کے سروں کو پے در پے درختوں کے تنوں سے ٹکراتے۔ یہ ظالم گوریلے آدمیوں کے سروں کو موت کے لیے کدالوں یا بیلچوں سے شدید طور پر پھوڑتے اور عورتوں کی شہ رگوں کو کاٹنے کے لیے کھجور کے پتوں کو تیز کر کے استعمال کرتے۔

کام کرنے کے روزانہ کے اوقات اٹھارہ گھنٹوں پر محیط تھے اور کسی کو بھی مزدوری سے معاف نہ کیا جاتا خواہ وہ بیمار ہی کیوں نہ ہوتا۔ اگر کسی بھی وجہ سے کوئی کام نہ کر سکتا تو کدال کے چوبی دستوں سے اسے اس حد تک پیٹا جاتا کہ وہ مر جاتا۔ دیہاتوں پر حملے کیے جاتے اور دیہاتیوں کو کمبوڈیا کی دلدلوں میں زندہ ڈبو دیا جاتا۔ بعض کو گلے تک ریت میں دبا دیا جاتا اور پھر ان کے سر ضربوں سے پھوڑے جاتے اور وہ بے چارے بے یار و مددگار مر جاتے۔ مزاحمت ختم کرنے کے لیے کٹے ہوئے سروں کو برچھیوں پر چڑھا کر کمبوڈیا کے عوام کو دکھایا جاتا۔

پول پاٹ کے کمیونسٹ گوریلوں یعنی اس کی خصوصی فورس خمر روج نے فوجی افسروں، سرکاری کارکنوں اور ان کی بیویوں، دیہاتیوں، زمینداروں، کسانوں، تاجروں، بوڑھوں اور بچوں—— گویا بغیر کسی تخصیص سے ہر ایک کو—— اکثر ناقابل بیان اذیت دے کر مارا۔ ایک بوڑھی خاتون کو انہوں نے مشین گن سے آنکھوں پر گولیاں مار کر دنیا سے فارغ کیا۔

کمیونسٹ گوریلے یہ بھی پرکھتے کہ ان کے تشدد کرنے کے طریقے اپنی کارکردگی

میں خام یا سست تو نہیں۔ وہ اپنے شکار کو اس وقت تک آخری کاری ضرب نہ لگاتے جب تک کہ وہ اقبال جرم نہ کرتا۔ اور اگر وہ اقبال جرم کر بھی لیتا تو جان بخشی کی بجائے موت ہی اس کا مقدر بنتی۔

پول پاٹ اور اس کے کمیونسٹ گوریلے کمبوڈیا کو دور وسطی میں لے جانا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے وہ ماؤزے تنگ کی ناکام فلاسفی ماؤ ازم کا نفاذ کرنا چاہتے تھے۔ ماؤ کا مضحکہ خیز پروگرام اس کے کام ہی نہیں آیا تھا تو اب پول پاٹ کے کام کیسے آتا؟ ماؤ خالی از معقولیت حکمت عملیوں جیسے فوری طور پر کمیونزم لانے کے لیے ماؤ ہر کمبوڈین کو کالے پاجامے پہنانا چاہتا تھا۔ لیکن پول پاٹ نے بدترین قدم اٹھایا کہ اس نے نابغہ لوگوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ غیر زبان بولنے والوں کو مروا دیا۔ یہاں تک کہ جو بھی چشمہ استعمال کرتا اس کو بھی اس نے زندہ نہیں چھوڑا۔

بی بی سی نے لکھا کہ پول پاٹ نے عجلت میں اپنے ملک کو اپنے تصورات کے مطابق مثالی زرعی ریاست بنانے کے لیے شہروں کو خالی کرانا شروع کر دیا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے سرمایہ' ذاتی جائداد' اور مذہب کو شجر ممنوعہ قرار دیا اور کمیون کی شکل میں اجتماعی دیہاتی زندگی کو فروغ دینا چاہا۔ پول پاٹ خود تسلیم کرتا ہے کہ اس نے مکمل کمیونسٹ معاشرہ پیدا کرنے کے لیے اپنے ملک کی گھڑیوں کو "صفر سال" سے شروع کیا۔ اس نے کمبوڈیا میں تمام بدھ مراکز تباہ کر دیے۔ اس نے تمام سکول اور کاروباری مراکز بند کر دیے اور جدید شہروں کے باشندوں سے کہا کہ وہ دور دراز کے علاقوں میں چاول کاشت کرنے والے زمیندار بن جائیں۔ اس کا خیال تھا کہ جب ملک کا ہر شہری خوراک پیدا کرنے لگے گا تو ملک کو کسی بھی بیرونی امداد کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کی اس حکمت عملی کا المیہ یہ تھا کہ کمبوڈیا کی ساری معیشت برآمدات اور غیر ملکی ڈالروں کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماؤ کے اس طوطے نے جلد ہی ملک کا قانونی ڈھانچہ اور نظام عدل بگاڑ کر رکھ دیا' بہت ساری ہلاکتوں کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کی باہمی نسبت گر گئی اور کمبوڈیا کی معیشت تہس نہس ہو گئی۔ سپاہی اور پولیس کو اپنے طرز عمل' گرفتاریوں اور گرفتار لوگوں پر تشدد کے بارے میں کوئی باز پرس کرنے والا نہ رہ گیا۔ کمیونسٹ گوریلوں کی ہائی کمان ہی عرض معارضہ سنتی اور یہی ہائی کمان جملہ برائیوں اور موت کی سزاؤں تک کی ذمہ دار تھی۔

بہت سی دوسری کمیونسٹ حکومتوں کی طرح پول پاٹ کی حکومت بھی خوشی اور تفریح کے خلاف تھی۔ مردوں اور خواتین کے میل جول' کھیل کود' مے نوشی اور سگریٹ نوشی تک پر پابندی تھی۔ ہر وہ شے جو فنون لطیفہ کے زمرے میں آتی تھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حرام کاری کے لیے تو سزائے موت تھی۔

پول پاٹ کا اصل نام سیلوتھ سار تھا۔ وہ کمبوڈیا کے ایک زمیندار کے گھر 1920ء کی دہائی کے وسط میں پیدا ہوا۔ وہ ایک بدھ خانقاہ اور رومن کیتھولک سکول میں پڑھتا رہا لیکن وہ کوئی اچھا طالب علم نہ تھا۔ ہائی سکول کے داخلے کے امتحان میں وہ پاس نہ ہو سکا تو اس نے سال بھر لکڑی کا کام سیکھا۔ پھر وہ فرانس چلا گیا تا کہ وہاں سے ریڈیو الیکٹرانکس کا کام سیکھے۔ یہی وہ وقت تھا جب وہ بائیں بازو کے کمبوڈین قوم پرستوں میں گھل مل گیا۔ انہی قوم پرستوں میں سے بعض کمیونسٹ گوریلا راہنما بنے۔ سار تعلیم سے فارغ ہوا تو 1953ء میں وہ واپس کمبوڈیا آ گیا۔ یہاں اسے استاد بننے کے لیے موزوں قرار دیا گیا اور وہ 1954ء سے 1963ء تک سکول میں پڑھاتا رہا۔ 1963ء میں اس نے اپنا نام سیلوتھ سار سے تبدیل کر کے پول پاٹ رکھ لیا اور آئندہ کے بارہ سال اس نے کمبوڈین کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل میں صرف کر دیے۔ 1975ء میں اس نے اپنے گوریلوں کی مدد سے لون نال کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اپنے آپ کو وزیراعظم نامزد کر دیا۔

اگلے چار سال کمبوڈیا کی تاریخ میں بھوک' ناقص غذائیت' ملیریا' پیچش' متعدی امراض کے پھیلاؤ' بیماری اور ناروا برتاؤ کے نتیجے میں ہلاکتوں کے سال تھے۔ یہ سب کچھ پول پاٹ کی ناقص اور غلط پالیسیوں اور اس کی مکمل ذاتی سرد مہری کی وجہ سے ہوا۔

پول پاٹ کی حکومت کو اپنے پڑوسی ملک ویت نام نے ختم کیا۔ ویت نامی ششدر رہ گئے تھے کہ پول پاٹ نے کمبوڈیا کے ساتھ کیا کیا ہے؟ گو وہ روپوش ہو گیا لیکن ہیروں کی سمگلنگ کے سرمائے کے سہارے اس نے اپنے کمیونسٹ گوریلوں پر اپنی دسترس باقی رکھی۔ 1997ء میں پول پاٹ کو اس کے گوریلوں نے گھر ہی میں نظر بند کر دیا اور کسی مقدمے کا سامنا کرنے سے پہلے دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ خس کم جہاں پاک۔

10

ولاد سوم ڈریکولا

(میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنے والا)

(1431ء تا 1476ء)

”یہاں سے خون پینے والے آدمی شہزادہ ڈریکولا کی انتہائی ظالم اور خوفناک کہانی شروع ہوتی ہے۔ وہ کس طرح لوگوں کو میخیں ٹھونکتا تھا ان کو بھونتا تھا۔ پھر ایک دیگچی میں ان کے سر ابالتا تھا لوگوں کی کھال اتارتا اور انہیں گوبھی کی مانند ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ وہ معصوم بچوں کو بھونتا اور ان کی ماؤں کو اپنے بچے کھانے پڑتے۔۔ (ڈریکولا ان کو کھانے کا حکم دیتا تھا۔۔۔ اور بہت سی خوفناک کہانیاں اس خطے اور سرزمین سے متعلق ہیں

جہاں وہ حکومت کرتا تھا۔“

ڈریکولا سے متعلق ایک کتابچہ سے اقتباس
جو 1499ء میں نیورمبرگ میں چھپا۔

میں پیدا ہوا۔ وہ

کونٹ ولاد سوم ڈریکولا 1431ء میں رومانیہ میں ٹرانسلوینیا میں پیدا ہوا۔ وہ

بسراب المعروف اژدہا کا بیٹا تھا۔

ڈریکولا کا لفظ انگریزی زبان کے دس معروف الفاظ میں سے ہے۔ ڈریکولا کے معنی رومانیہ کی زبان میں اژدہا کے ہیں۔ اس کے آخر میں 'ا' کے معنی ”کا بیٹا ہونے“ کے ہیں۔ اس وقت رومانیہ میں رومن کیتھولکوں کا زور تھا جبکہ مسلم ترک اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ علاقے میں چونکہ سیاسی عدم استحکام عام تھا اور یہی حال رومانیہ کا بھی تھا جس کے نتیجے میں تین مرتبہ ڈریکولا اقتدار سے معزول ہوا اور تینوں مرتبہ وہ دوبارہ اقتدار میں آیا۔

ڈریکولا کا خوفناک دور حکومت 1456ء سے 1462ء تک رہا۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان سات سالوں میں اس نے تقریباً ایک لاکھ افراد پر تشدد کیا اور انہیں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا۔ جب اسے اقتدار سے ہٹا کر جیل میں ڈالا گیا' اس وقت تک وہ یہ سب کچھ کر چکا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے یہ تمام قتل چند وجوہات کی بنا پر کیے۔ اس کا شکار زیادہ تر اس کے دشمن تھے یا پھر عثمانی ترک یا ملک کے غدار اور فتنہ انگیز باغی لیکن بعض اوقات وہ اپنی خوش طبعی یا اپنی بوریت دور کرنے کے لیے بھی اپنا ظلم وستم روا رکھتا تھا۔

حیران کن طور پر ظالم ڈریکولا میخیں ٹھونک کر لوگوں کو موت کے حوالے کرتا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے محل اور قلعے کے گردا گرد قطار در قطار دیواروں میں بیس ہزار ترک قیدیوں کو میخیں ٹھونک کر لٹکایا یہ واقعہ دوسرے عثمانیوں کے لیے ایک انتباہ تھا کہ ان کا انجام بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اس ہلاکت خیز نظارے کو دیکھ کر عثمانی ترک کپکپاتے ہونٹوں سے اللہ کی پناہ مانگتے واپس چلے گئے۔ حالانکہ لکڑی یا لوہے کی میخیں ٹھونک کر انسانوں کو ہلاک کرنے کا فن اس نے ترکوں ہی سے سیکھا۔ قید کے دوران وہ کھڑکی سے باہر جھانکتے

ہوئے دیکھتا تھا کہ ترک اپنے دشمنوں کو جیل کے میدان میں اسی طرح دوسری دنیا میں منتقل کرتے تھے۔ ڈریکولا کو ایک پتھریلی کوٹھڑی میں ہر روز کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا۔ سنگتی لکڑی سے اس کے جسم کو داغا جاتا۔ ساتھ ہی بھوک اور پیاس کی سزا دی جاتی۔ میخیں ٹھونکنے کے دوران ڈریکولا نے قیدیوں کو تیروں سے ہلاک ہوتے' پھانسیوں پر لٹکتے اور بڑے بڑے پہیوں کے نیچے کچلتے اور ان کو بھوکے وحشی درندوں کے سامنے زندہ ڈالتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ ڈریکولا کو میخیں ٹھونک کر قیدیوں کو ہلاک کرنے کی وحشیانہ اور بربریت کی مظہر سزا زیادہ پسند آئی تھی کہ یہ اس کی فطری درندگی سے زیادہ مطابقت رکھتی تھی۔

مشہور انگریزی ناول نگار بریم سٹوکر نے حقیقی اور تاریخی ڈریکولا کو اپنے افسانوی کردار ڈریکولا کے کردار میں پیش کیا لیکن اصل ڈریکولا کونٹ ولاد ڈریکولا نے کبھی قبروں سے اٹھنے والی خونخوار روحوں کی طرح زندہ انسانوں کا خون پی کر ان کو اپنی صف میں شامل کرنے کا کام نہیں کیا۔ تاہم کونٹ ولاد ڈریکولا کے تاریخی سوانح میں اس کے اپنی روٹی کو اپنے انسانی شکار کے خون میں ڈبو کر کھانے کے واقعات ملتے ہیں۔

سینٹ بارتھولومیو کے دن' اپنے دوسرے دور حکومت میں' کونٹ ڈریکولا نے اپنے فوجی دستوں کو حکم دیا کہ وہ رومانیہ کے برلیوف نامی شہر پر قبضہ کر لیں۔ یہ شہر ٹرانسلوینیا ایلپس کی نچلی پہاڑیوں پر تھا۔ پہلے تمام شہریوں کو ٹمپا پہاڑی کے اوپر لایا گیا تاکہ وہ نیچے اپنے شہر کو لگائی گئی آگ کو دیکھ سکیں۔ پھر اس نے اپنی خون خرابا دیکھنے کی شوقین نگاہوں کے سامنے تقریبا تیس ہزار تاجروں اور شرفا کو ٹمپا پہاڑی کے اوپر لٹا کر ان کے اجسام میں میخیں ٹھونکوائیں۔ جب یہ سارا عمل ابھی جاری تھا تو اس نے پہاڑی کے بالاترین حصے پر دعوت کا میز لگایا اور جب وہ دعوت کھا رہا تھا تو ساتھ ساتھ ہی اپنے سپاہیوں کو کلہاڑوں اور تلواروں سے زندہ قیدی شہریوں کے اجزا ایک ایک کر کے الگ ہوتے دیکھ رہا تھا اور ایسے قیدیوں کی جو ابھی اپنے حواس میں تھے کی چیخیں سن رہا تھا۔

صبح کے ناشتے کے وقت اس کے سامنے انسانوں کے کٹے ہوئے بازوؤں' ٹانگوں' سروں اور دھڑوں کے پہاڑ ایک خوفناک نظارہ پیش کر رہے تھے جبکہ نیچے جلتا ہوا شہر ابھی تک دھوئیں کے بادل پیدا کر رہا تھا۔ پہاڑی پر میخوں کے ٹھوکے جانے سے بہنے

والا انسانی خون زمین کو سرخ رنگ میں تبدیل کر چکا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے رات کے وقت جنہی آسمان نے روتے ہوئے خون کے آنسوؤں کی بارش برسا دی ہے۔ چیخوں کراہوں اور دم توڑتی زندگی کی سسکیاں فضا کو ملول کر رہی تھیں جبکہ ابھی بہت سے آدمیوں، عورتوں اور بچوں کی قربانی باقی تھی اور متوقع موت اور ظلم سے دہشت زدہ یہ انسانی روحیں بین کرتے ہوئے خدا سے اس غارت گری سے پناہ مانگ رہی تھیں۔ غم و اندوہ کے اسی شور میں کونٹ ڈریکولا کی خوشی پنہاں تھی۔

اس خون آشام دعوت کے دوران ڈریکولا کے پسندیدہ شرفاء' میں سے ایک معزز مہمان سے ایک غلطی ہوئی۔ جب کسی شخص کو میخیں ٹھونکیں جاتیں تو خون کے علاوہ اس کی انتڑیوں کی جملہ غلاظتیں بھی باہر نکل آتیں۔ اس غلاظت اور خون سے ایک ملی جلی کراہت آمیز بدبو پھیلتی۔ جب ہزاروں افراد کے ساتھ ظالمانہ کارروائی ہو رہی ہو تو تعفن کا اندازہ ہر باشعور فرد کر سکتا ہے لیکن جب ذہن میں تعفن ہو تو بیرونی تعفن کا شعور نہیں ہوتا۔ ڈریکولا اور اس کے ساتھی ایسے ہی تھے تاہم انسانیت کی کوئی معمولی سی رمق باقی رکھنے والے غلطی کے مرتکب معزز مہمان نے تھوڑی سی ناک سکوڑی۔ اس کے ناک سکوڑنے کے عمل کو کونٹ ڈریکولا نے دیکھ لیا اور اس نے فوراً ہی اس معزز مہمان کو بھی میخیں ٹھونک کر غلاظت اور خون کا مرکب بنا دینے کا حکم دیتے ہوئے کہا: ''اس کو اپنے ساتھیوں ہی میں بھیج دو۔'' معزز مہمان چونکہ آج تک ڈریکولا کے اعتماد پر پورا اترا تھا لہٰذا اس نے یہ بھی حکم دیا کہ اسے دوسروں سے علیحدہ اور اونچا گاڑو تاکہ اسے بدبو کا احساس نہ ہو۔

ڈریکولا کی درندگی کی اور بھی کئی مثالیں ہیں:

- جب اس کی ایک محبوبہ نے جھوٹ موٹ سے اسے بتایا کہ وہ امید سے ہے تو اس نے جانگھ سے لے کر چھاتی تک اس کا پیٹ کاٹ دیا کہ بچہ کہاں تھا؟ یعنی وہ کہیں بھی نہیں تھا اور محبوبہ نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔ اس بلاخیز زخم سے وہ عورت تڑپ تڑپ کر مرگئی۔
- جب اس نے سنا کہ اس کی عملداری میں کچھ لوگ بیمار ہیں اور غریب ہیں تو اس نے ان میں سے 100 کے قریب افراد کو قلعے میں بلایا اور انہیں خوب کھلایا اور شراب پلائی۔ جب وہ سیر ہو گئے تو اس نے دعوت کے ہال کے جلا

دروازے بند کر دیئے اور اس کے اندر تیراندازوں کو آگ لگانے والے برسانے کو کہا۔ ہال میں پردوں اور فرنیچر تک کو آگ لگ گئی اور ہر دعوت زندہ جل کر مر گیا۔ اس پر ڈریکولا نے کہا: ''یہ کتنی بہترین بات ہے کہ یہ لوگ پیٹ بھر کر عدم کو سدھار رہے ہیں۔

- ڈریکولا لوگوں کو قدرتی لباس میں کمر تک زمین میں دبانے کا بھی بڑا شائق اس طرح وہ نہ تو کچھ کر سکتے تھے اور نہ ہی ہی بھاگ سکتے تھے۔ ایسے میں پر سنگ باری کی جاتی یا پھر ان کو رائفل کی گولیوں سے بھون ڈالا جاتا۔ (یور میں ڈریکولا پہلا فرد تھا جس نے بارود کو موت کے لیے استعمال کیا۔)
- وہ انسانوں کو زندہ تیل میں تلتا اور پھر جب ابھی وہ زندہ ہی ہوتے تو ان کو تیل سے نکال کر ان کی کھال اتروا تا اس طرح وہ اپنے سفلے بے رحم جذبات کی تسکین کرتا۔
- ڈریکولا ایک موجد بھی تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ایک ایسا برتن تیار کیا جائے جس میں کچھ آدمی آ سکیں۔ وہ اپنے شکار افراد کو برہنہ کرکے اس برتن کے اند کھڑا کرتا اور ایک تختے میں بنے سوراخوں سے ان کے سروں کو گزارتا۔ جب اس طرح آدمی قابو آ چکتے تو برتن کے نیچے آگ بھڑکاتا کہ اس کے شکار زندہ ہی ابالنے کی کیفیت سے گزریں۔
- اسے اپنی مملکت کی حدود میں خانہ بدوش بلا اجازت آوارہ گھومتے نظر آئے تو اس نے ان سب کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان میں سے تین کو ذبح کر کے پکوادیا اور پھر ان کے ساتھیوں کو اپنے ہی ساتھیوں کا گوشت کھانے پر مجبور کیا۔
- وہ بدکار عورتوں کے اعضائے مخصوصہ کو ان کے جسموں سے چھری چاقو کے ذریعے کٹوا دیتا۔ پھر جب عورت ابھی زندہ ہوتی تو اس کی کھال اتروا تا اور اسے مرنے کے لیے پبلک مقام پر میخوں سے لٹکوا دیتا۔ اس کی کھال کی نمائش کے لیے الگ لیکن قریبی درخت یا لکڑی کا کھمبا منتخب کرتا۔

ڈریکولا 1474ء میں ترکوں کے خلاف جنگ کے دوران سر کٹوا کر ملک عدم کو سدھارا۔

11

طلعت پاشا۔ انور پاشا

(1874ء تا 1921ء) (1881ء تا 1922ء)

''ترکی ان معنوں میں جنگ سے مفاد حاصل کر رہا ہے کہ وہ داخلی طور پر اپنے دشمنوں یعنی وہ مقامی عیسائیوں سے بغیر کسی بیرونی مخالفت کے نمٹتا ہے۔''

طلعت پاشا

''سلطنت عثمانیہ کو آرمینیا اور لبنانی لوگوں سے صاف کرنا چاہیے۔ ہم نے اول الذکر کو تلوار سے ختم کردیا ہے جبکہ موخر الذکر کو ہم بھوک سے ختم کردیں گے

انور پاشا

وہ کراہت جس کا نام آرمینیا کے لوگوں کا سوچا سمجھا 1915ء سے 1918ء کا استحصال ہے (جس کے بعد پھر سے جنگی حالات 1920ء سے 1923ء تک ہوئے) کی مرکزی کمیٹی نوجوانان ترک پارٹی نے عملی جامہ پہنایا۔ پارٹی کی قیاد بھائیوں طلعت پاشا اور انور پاشا نے کی۔ نوجوان ترکوں نے فیصلہ کیا کہ وہ تمام آر لوگوں کو جان سے مار دیں گے کیونکہ وہ عیسائی ہیں۔ جبکہ ہم ترک مسلمان ہیں اور ہم حالیہ تاریخ میں یہ پڑھا ہے کہ کفار کو زندہ نہیں رہنے دینا چاہیے۔

طلعت پاشا اور انور پاشا کے کارنامے کس قدر قابل نفرت تھے ان کی صرف ایڈولف ہٹلر کر سکتا تھا کہ وہ بھی انہی دو بھائیوں کی طرح یہودیوں کا استحصال ک تھا۔ ہٹلر نے اپنے صلاح کاروں سے کہا تھا کہ آج کون ہے جو آرمینیا کے لوگوں استحصال کی بات کرتا ہے؟

عثمانی سلطنت کے وارث ولی عہد شہزادہ عبدالمسید سے جب آرمینیائی لو کے استحصال سے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا:

> "وہ تکلیف دہ قتل عام— ایک بدنما داغ ہماری قوم اور نسل پر ہے وہ تمام تر طلعت اور انور کی کارستانی تھی۔ وقوعہ سے چند روز پیشتر جب مجھے اس ہونی کا علم ہوا تو میں استنبول گیا اور انور سے ملاقات کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ درست ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرنے والا ہے تو اس نے جواب دیا۔ "یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ ہمارا پروگرام ہے۔"

1915ء تا 1916ء کے دور کا ایک خط جو ایک عام آرمینیائی باشندے۔ آرمینائی وزیر کو لکھا، مختصر طور پر ترک مقاصد کو یوں بیان کرتا ہے: "آرمینیا بغیر آرمین لوگوں کے— یہ حکومت عثمانیہ کا منصوبہ ہے جس پر وہ پہلے ہی سے عملدرآمد کر رہے انہوں نے آرمینیائی لوگوں کی جائدادوں پر مسلمان کنبے بٹھانے شروع کر دیے ہیں۔" ابتدا تذکیر و تانیث کی تقسیم سے ہوئی۔ تمام نوجوان آرمینیا کے فوجیوں کو افواج سے فارغ کر کے عام کام کرنے والے بنا دیا گیا۔ ایسا ہی سلوک ان آرمی لوگوں سے کیا گیا جو فوج میں نہیں تھے۔ ایک عام کارکن ہونے کا مطلب وہ کام کر

[illegible] کرتے تھے۔ ان عام کارکنوں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ لادا جاتا [illegible] کے قابل ہوتا تھا [illegible] پہنچانے کو کہا جاتا جبکہ خوراک نہ ہونے کے برابر دی جاتی۔ انہیں دوران [illegible] کوڑوں سے پیٹا جاتا اور جب وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے تو انہیں گولی مار دی جاتی۔ مضبوط آرمینیائی مردوں کی اس باقاعدہ چھانٹی سے [illegible] عورتوں سے بھرے گھر چھوڑ کر قصبات میں چلے گئے۔ ان بوڑھے مردوں، عورتوں اور بچوں کو راتوں میں سفر طے کرا کر شام میں قائم کیے گئے کیمپوں میں پہنچنے کو کہا گیا۔ سفر کرنے والوں کی اکثریت سفر کی صعوبتوں سے زندہ ہی نہیں بچے گی۔ انہیں بچانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ سپاہی انہیں راستہ بھر پیٹتے تھے کہ وہ تیز چلیں جو ان کے بس کی بات نہ تھی۔ جن ترک دیہات سے آرمینیائی لوگوں نے گزرنا ہوتا تھا وہاں کے [illegible] ان کا انتظار کرتے تاکہ ان کو پیٹا جائے اور عورتوں سے زیادتی کی جائے۔ خطرناک [illegible] جرائم پیشہ لوگ ہوتے جنہیں حکومت نے اچھا مسلمان قرار دے کر رہا کر دیا تھا۔ ان [illegible] آرمینیائی لوگوں کے لیے مسلمان کے معنی مار پیٹ، عورتوں کی عصمت دری، لوٹ مار، [illegible] رہائی اور جان سے مار دینا ہوگی۔ اچھے مسلمان کے ہاتھ سے تو ہر کہ ومہ کی عزت، جان اور مال محفوظ ہوتا ہے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے عورتیں، بچے اور بوڑھے تپتے صحرا میں سے اپنے آپ کو گھسیٹتے آگے بڑھتے۔ وہ کمزور ہوتے جا رہے تھے بہت سے تو نڈھال ہو کر زمین پر گر جاتے اور سفر کو جاری نہ رکھ سکتے۔ ترک فوجی لمبے چوڑے رہنے والے کمزور افراد کو سنگینیں گھونپ کر ہمیشہ کی نیند ہی سلا دیتے اور خود آگے بڑھ جاتے۔

ہنری مور جینتھاؤ جو 1915ء میں امریکہ کا ترکی میں سفیر تھا اپنی کتاب "ایک قوم کا قتل" میں ترکی کے ایک قصبے کی تباہی کا منظر بیان کرتا ہے:

> "انگورہ میں تمام آرمینیائی نسل کے پندرہ سے ستر برس کے مرد گرفتار کر لیے گئے۔ ان کو چار چار کے گروپوں میں اکٹھے باندھ دیا گیا اور انہیں سیزاریہ کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دیا گیا۔ جب وہ پانچ سے چھ گھنٹے متواتر چل چکے تو وہ ایک اکیلی وادی میں پہنچے۔ وہاں ان پر ترک کسانوں کا مسلح گروہ ڈنڈوں، ہتھوڑوں،

کلہاڑوں، درانتیوں، کھرپوں اور آریوں سے ٹوٹ پڑا۔ یہ ہتھیار بندوقوں اور پستولوں کی گولیوں کی نسبت زیادہ تکلیف دہ موت کا سبب بنتے ہیں۔ ترک خود اس بات پر فخر کرتے ہیں چونکہ وہ کفایت شعار ہیں اس لیے وہ بارود اور خول زیادہ ضائع نہیں کرتے۔ اس طریقے سے انہوں نے انگورہ کی تمام مرد آبادی کو ختم کر دیا جن میں امیر مرد اور زمیندار بھی تھے۔ ان کے اعضا خوفناک طور پر کاٹ کر برباد کئے گئے تھے۔ ان کو وادی میں چھوڑ دیا گیا جہاں ان کو جنگلی درندوں نے چیر پھاڑ ڈالا۔“

مورجینتھاؤ ان عورتوں کے بارے میں جو پیچھے رہ گئی تھیں، لکھتا ہے کہ ان کو بھی موت کا سفر اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا—— وہ لکھتا ہے:

”تمام سفر مقامی مسلمان باشندوں سے مسلسل کشمکش پر مبنی تھا—— مسلمان آبادیوں کے کھلے میدانوں میں حملے ان کے منتظر ہوتے۔ ترکی غیر مہذب مرد عورتوں پر ٹوٹ پڑتے وہ ان کو کبھی مردہ حالتوں میں اور کبھی جنونی کیفیتوں میں مبتلا چھوڑ جاتے۔ خوفناک نظر بندی کے تجربات کے بعد بچ جانے والی آرمینیائی عورتیں اگلی صبح پھر اپنے سفر کا آغاز کرتیں۔ جوں جوں منزل کی طرف بڑھنے کا سفر طویل ہوتا نظر آتا توں توں ترک سپاہیوں کا غصہ اور تند مزاجی بڑھتی چلی جاتی۔ شاید وہ بچ جانے والی عورتوں سے اس لیے خائف ہوتے کہ وہ زندہ کیوں بچ گئی ہیں؟ تھک کر گر جانے والی عورتوں کو وہ سنگینوں سے ہمیشہ کی نیند سلا دیتے۔“

سفر کی صعوبت تو تھی ہی لیکن بھوک اور پیاس بھی کم عذاب نہ تھا۔ اگر راستے میں کوئی دریا آ بھی جاتا تو عورتوں کے نگران سپاہی ان کو تنگ کرنے کی خاطر پانی کے نزدیک تک نہ جانے دیتے۔ صحرا کے سفر میں تن کے کپڑے، ان کے بدن کو گرمی سے نہ بچا سکتے اور پاؤں نہ صرف شدت حرارت سے جھلتے بلکہ سوجن اور تھکن بھی ان

کو نڈھال کر دیتی۔ ہزاروں عورتیں گر گر کر یا تو خود ہی مر گئیں یا پھر ان کو مار دیا گیا کہ ان کے لیے جینے کی بجائے مرنے ہی میں عافیت تھی۔ اس طرح چند ہی دنوں میں عام حالت والی عورتوں کا جلوس ڈگمگاتے ڈھانچوں کا جلوس بن جاتا جو راستے میں پڑی ہر چیز کو کھانے کی چیز سمجھتا اور اس پر جھپٹتا اور مایوس ہو کر پھر آگے قدم اٹھانے کی خاطر اٹھتا۔ کئی عورتوں کے چہروں کو بھوک، بیماری اور تھکن نے ایسا بنا دیا جیسے وہ زبان حال سے کہہ رہی ہوں کہ ان کو سنگین بھونک کر زندگی سے آزاد کیوں نہیں کر دیا جاتا، مگر ان کی اس خواہش کو ان کے نگرانوں کے چابک اور ڈنڈے نہ صرف دبا دیتے بلکہ ان کو آگے کی سمت قدم اٹھانے پر مجبور بھی کرتے۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہر چار آرمینیائی، جنہیں شام کو کیمپوں کی طرف چلنے کا حکم دیا گیا، میں سے تین لازمی طور پر منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی مر کھپ گئے۔ ایک قافلہ جو اٹھارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھا، میں سے منزل مقصود پر صرف 150 افراد زندہ پہنچے حالانکہ چار میں سے ایک کی نسبت سے ساڑھے چار ہزار نفوس کو زندہ ہونا چاہیے تھا۔

آرمینیائی لوگوں کے اس ارادی قتل عام کو بیسویں صدی کی پہلی وسیع انسانی بربادی شمار کیا جاتا ہے۔ آج کے دور کی تمام اقوام تسلیم کرتی ہیں کہ 1923ء تک ایشائے کوچک کی آرمینیائی نسل مکمل طور پر برباد کر دی گئی۔ تاہم ترکی کی سرکاری رپورٹ یہ ہے کہ لوگ پہلی جنگ عظیم میں آرمینیائی خانہ جنگی سے مرے۔ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ سلطنت عثمانیہ نے آرمینیائی لوگوں کے قتل عام کا منصوبہ بنایا اور نقل مکانی میں ان کو تکالیف اور اذیتوں سے مار ڈالا۔

1919ء میں طلعت پاشا اور انور پاشا کے خلاف ان کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلایا گیا اور انہیں آرمینیائی لوگوں کا قاتل قرار دے کر سزائے موت کی سزا سنائی گئی۔ انور پاشا 1922ء میں ترکستان میں ایک بالشویکی مخالفت میں برپا بغاوت کی راہنمائی کرتے ہوئے مارا گیا جبکہ طلعت پاشا کو ایک آرمینیائی قاتل دستے نے قید حیات سے آزاد کیا۔

* * *

12

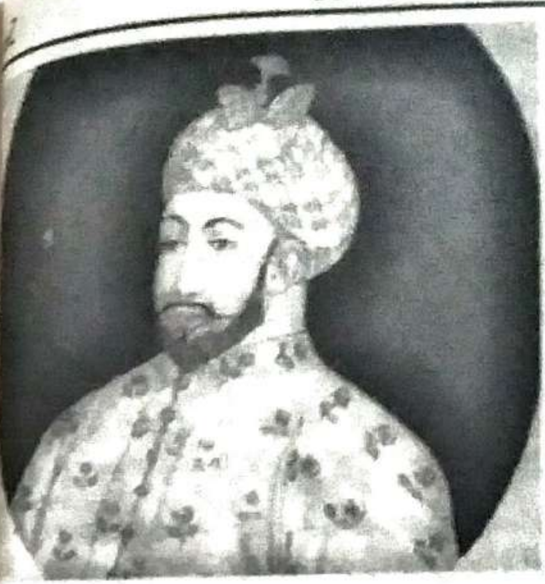

تیمور

(تیمر لنگ)

(1336ء تا 1405ء)

''تیمور ۔۔۔۔ وہ
جسے حیرت زدہ لوگوں نے دیکھا
گھوڑے پر سوار خود پسندی سے سلطنتیں پھلانگتے ہوئے
کلاہ شاہی پہنے ہوئے ایک باغی

ایڈگر ایلن پو کی ''تیمور'' نامی نظم سے

''تیمور'' پیدا ہوا تھا لیکن اس کی شناخت ''لنگڑا'' تھی کیونکہ وہ بائیں جانب معمولی طور پر فالج کا شکار تھا۔ اس کی میراث ایک فاتح ہونے کی ہے لیکن تاریخ ہمیں واضح طور پر بتاتی ہے کہ تیمور ایک ظالم ترین ایذا پرست، پتھر دل اور بدترین شخص تھا۔

کولن ولسن قتل اور جرائم سے متعلق واقعات لکھنے والا مشہور مصنف ہے۔ وہ تیمور کو ایک عظیم ترین تاریخی سادیت پرست قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اگر تیمور کے اعمال کے بارے میں سرسری انداز میں بھی تحقیق کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک ایسا فاتح تھا جو مکمل تباہی میں خوشی محسوس کرتا تھا اور ''کلاہ شاہی پہنے'' جیسی حماقتیں کرنے والا اور رنگ رلیاں منانے والا باغی تھا۔

1383ء میں اس نے ترکی میں زرنج کو فتح کیا اور پانچ ہزار قیدی بنائے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے فیصلہ کیا کہ ہر قیدی کا سر تن سے جدا کیا جائے اور جدا کیے گئے سروں سے ایک مخروطی مینار تیار کیا جائے جس کی چوٹی روشن سورج کی طرف ہو۔

اسی سال تیمور نے سبزوار فتح کیا اور دو ہزار انسانوں کو قیدی بنا کر حکم دیا کہ قیدی ایک دوسرے پر کھڑے ہو کر ایک مینار تعمیر کریں۔ قیدیوں کو ایک دوسرے کے جھکے ہوئے بدنوں پر چڑھنا پڑا تو پیچھے آنے والے اکثر قیدی ہڈیاں ٹوٹنے اور وزن کے بوجھ سے مر گئے تاہم یہ انسانی مینار تیار ہوا تو اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اس انسانی مینار کے گرد اینٹیں چن کر ان کی ایک اجتماعی قبر بنا دی جائے۔ جو قیدی زندہ بچے تھے یہ مینار ان کا بھی مزار بن گیا۔

1386ء میں تیمور نے لوری نامی شہر فتح کیا اور ہزاروں انسانوں کو قیدی بنا لیا۔ پھر ان کو جان سے مار دینے کا پروگرام بنایا اور انہیں ایک بلند پہاڑی پر لے جایا گیا جہاں سے انہیں نیچے پھینکا گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ کوئی بھی قیدی زندہ نہ بچا۔

کئی سال بعد 1398ء میں تیمور نے ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی شہر کو فتح کیا۔ اس کا یہ حملہ محض لوٹ مار کی خاطر تھا۔ جب اسے پورے شہر پر قبضہ حاصل ہو گیا تو اس کے حکم سے اس کے جنگجوؤں نے اپنی تلواروں سے تقریباً ایک لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ روایت ہے کہ دہلی شہر کی گلیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ اس قتل عام کے بعد شہر کو بھی مسمار کر دیا گیا۔ جب تیمور اپنی فوج کے ساتھ دہلی سے واپس ہوا تو وہاں شہر کی بجائے

خون، لاشیں اور تعفن کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

1400ء میں تیمور نے مغربی ایشیا کے شہروں پر یلغاریں کیں۔ اناطولیہ بھی انکی یلغاروں میں پامال ہوا۔ بسواس نامی چھاؤنی میں چار ہزار عیسائی سپاہی تھے۔ منگول جنگجوؤں نے ان سپاہیوں کو گرفتار کر لیا اور ان سے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں۔ ان کے پاس کوئی راہ فرار نہ تھی، یا تو وہ خندقیں کھودتے یا پھر ان منگولوں کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتے۔ جب یہ خندقیں جو دراصل اجتماعی قبریں تھیں، تیار ہو گئیں تو تیمور نے قیدیوں کو ان خندقوں میں دھکیلا اور ان پر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ منگولوں نے عیسائیوں کی رحم کی درخواست کہ قیدیوں کو زندہ دفن نہ کیا جائے قبول نہیں کی اور قیدیوں کو زندہ دفنا کر ہی دم لیا۔

- تیموری لشکر منگول اور ترک فوجیوں پر مبنی تھا۔ اپنے چالیس سالہ محاصرے یعنی 1362ء سے 1402ء تک اس نے فارس، ترکی، روس اور ہندوستان کے بہت سے علاقوں پر حملے کیے اور ان کو فتح کیا۔ وہ تقریباً ہر وقت ہی جنگ میں مشغول رہا۔

1370ء میں اس نے جنوب وسطی ایشیا میں ازبکستان میں شہر سمرقند کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس کے بعد وہ دہشت گردی، قتل و غارت اور شہروں کی تباہی کے لیے سمرقند ہی سے روانہ ہوتا۔ وہ پختہ طور پر کسی شہنشاہ یا فاتح کی مقدس ذمہ داری خیال کرتا تھا اور یہ ذمہ داری وہ خود پر بھی عائد کرتا تھا کہ جس قدر بھی ممکن ہو لمبا چوڑا قتال کیا جائے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جتنی زیادہ اموات ہوں گی اتنی ہی فاتح کے مقدس مشن کی تکمیل ہوگی۔

تیمور خانہ بدوش منگولوں کی لمبی چوڑی فہرست میں سے آخری منگول فاتح تھا۔

وہ ایک پختہ عقیدے کا سنی مسلمان تھا (سنی مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے پہلے چار خلفاء یعنی خلفائے راشدین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار تھے) لیکن اس کی دین اسلام سے پوری وفاداری بھی اسے ایذا رسانی سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ تشدد برائے تشدد کا قائل تھا اور وہ اپنے پیشرو آبا و اجداد میں سے چنگیز خان کی طرح ہی قتل اور غارت سے سکون حاصل کرتا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ چنگیز خان نے بھی 1220ء میں سمرقند کا رخ کیا تھا لیکن اس نے اسے اپنا دارالحکومت بنانے کی بجائے اسے برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

تیمور کی شخصیت سے متعلق ایک قدیم قول جو بظاہر تو مہمل ہے لیکن سچا ہے کہ

تیمور کو فنون لطیفہ اور علم و ادب سے بڑی محبت تھی لیکن اس نے ان دونوں اصناف سے عملی کوئی استفادہ نہیں کیا اور بالخصوص ان علوم وفنون کو جنگی مقاصد میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہونے دیا۔ بارھویں اور تیرھویں صدی میں سلطنتوں کی تعمیر کے لیے بہت زیادہ قتل اور غارت کو ایک قوت آفریں عمل قرار دیا جاتا تھا۔ تیمور نے بھی اس قوت آفریں عمل کو نظرانداز نہیں کیا تاہم اس نے جو ظالمانہ انداز اختیار کیے جیسے زندہ انسانوں کو قبروں میں دفن کر دینا اور قیدیوں کو زندہ ہی اجتماعی قبروں میں دفن کرا دینا وغیرہ اس کی فطری خباثت کے مظاہر ہیں۔

ساٹھ سال کی عمر میں جب وہ چین کو تاخت و تاراج کرنے کی سوچ رہا تھا موت نے اسے آ لیا۔ وہ اپنے تمام خزینے اور دفینے اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لیے چھوڑ گیا جو اس کے زندگی بھر کے اثاثوں یعنی قتل و غارت، مار دھاڑ، تباہی و بربادی اور لوٹ کھسوٹ سے بھی استفادہ حاصل کرتے رہے۔

1941ء میں ایک روسی سائنس دان نے تیمور کی کھوپڑی کو قبر سے کھود نکالا اور اس نے جانا کہ تیمور 5 فٹ 8 انچ لمبا تھا۔ اس نے تصدیق کی وہ بائیں ٹانگ سے لنگڑا تھا۔ عرصہ بعید سے مرے ہوئے ایک فاتح کی کھوپڑی سے ماہرین اس قابل بھی ہوئے کہ انہوں نے اس کی مشابہت رکھنے والا ایک چہرہ بھی تراش لیا۔

☆

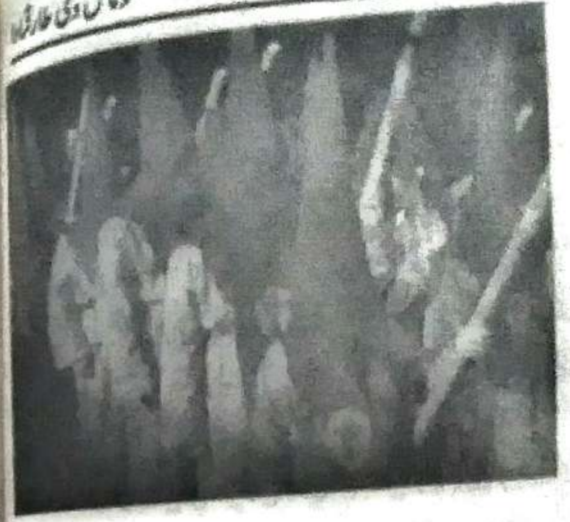

13

طوماس دی طارقمادا

(1420ء تا 1498ء)

"ہر مذہب کی چھاؤں میں ایک طارقمادا گھات لگائے بیٹھا ہے۔ طوماس دی طارقمادا ایک کھلی بے حیائی تھا۔ اس نے ان لوگوں کو جو اس سے اختلاف رکھتے تھے جیتی جاگتی مشعلیں بنا دیا۔"

لیٹو دوم "گاڈ ایمپرر آف ڈیون"
از فرینک ہربرٹ

طوماس دی طارقمادا پندرھویں صدی کا اڈولف ہٹلر تھا۔ وہ ملکہ ازابیلا کی تشکیل کردہ تحقیقاتی عدالت ان کوی زیشن (Ir[illegible]ion) کا سربراہ تھا۔ یہ عدالت رومن

کیتھولک چرچ پر کروہ کلنک کا داغ ہے۔ اس عدالت کو فرڈیننڈ اور ازابیلا نے بحیثیت حکمران اعلیٰ کیتھولک چرچ، مسیحی عقائد میں بدعت اور اہانت کے مقدمات سننے اور معاملات حل کرنے کے لیے قائم کیا۔ درپردہ "ان کوی زیشن" نامی یہ عدالت طوماس دی طارقمادا کی ایسی منظم گہری چال تھی جس کا ہدف وہ یہودی تھے جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر رکھی تھی۔ طارقمادا ان سابقہ یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا اور ان کی جائدادوں سے رومن کیتھولک چرچ کا خزانہ بھرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ مقصد بھی تھا کہ عیسائیت "خالص خون" تک محدود رہے اور اس خالص خون سے مراد سارے یورپ کے عام سفید فام لوگ اور خصوصیت سے سپین کے باشندے تھے۔ طارقمادا کو سابقہ یہودیوں کے اس استحصالی منصوبہ میں مذہبی دیوانوں اور سامی نسل کے ہٹ دھرم مخالفین کی تائید حاصل تھی۔

ان کوی زیشن کے منصوبے کا اولین پاجی معمار طوماس دی طارقمادا خود بھی یہودی النسل تھا۔ اس کے باپ دادا نے اس کی پیدائش سے پہلے عیسائیت قبول کی تھی اور پھر انہوں نے کبھی ماضی کو یاد نہیں کیا تھا کہ مبادا ان پر کوئی انگلی اٹھائے۔ اس عدالت کا سربراہ بننے سے پہلے طارقمادا رومن کیتھولک چرچ کے مرکزی چرچ میں پوپ کے ماتحت ایک پادری تھا اور وہ گناہگار مسیحوں سے "اعتراف" سننے پر مامور تھا۔ خود اس نے ملکہ ازابیلا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا اور پھر اس نے ملکہ ازابیلا کو یہ یقین دلایا تھا کہ سپین میں کیتھولک چرچ کو یہودیوں سے بڑا خطرہ ہے کیونکہ وہ بدعتی اور اہانتی ہیں۔ اس نے ملکہ کو اپنی باتوں سے مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسی عدالت قائم کرے جس میں رومن کیتھولک مسیحی عقیدے سے انحراف برتنے والوں پر مقدمات چلائے جائیں۔ ازابیلا بھی قائل ہو گئی کہ واقعی ایک ایسی عدالت کی ضرورت ہے لہذا اس نے عدالت (ان کوی زیشن) کے قیام کا اعلان کیا۔ اس عدالت کا سربراہ طارقمادا کو بنا دیا اور اسے ملزموں کو موت تک کی سزا دینے کا اختیار دیا گیا۔

اپنے ارادے میں کامیاب ہونے کے بعد طارقمادا نے پندرھویں صدی میں خدا کے نام پر خدا ہی کے بندوں پر اس قدر ظلم و ستم کیا کہ دنیا کی کوئی مذہبی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ظلم و تعدی کی انتہا یہ تھی کہ عوام پر عمومی تشدد و بربریت کے

ساتھ ساتھ یہودیوں کو خصوصی ظلم و ستم کی سزائیں مذہب سے انحراف برتنے کے جرم میں دیں اور ان سزاؤں کو جن میں موت کی سزا بھی شامل تھی "ایمان کا عمل" کہا گیا۔ ایمان کے اس عمل کو پرتگیزی زبان میں "آٹو دا فے" کہا گیا ہے۔

طارقمادا کا عہدہ "گرینڈ ان کوئیزیٹر" یعنی "اعلیٰ تفتیش کنندہ" تھا۔ اس نے بہ اذیت دہی اور سزائیں دینے کے طریقے خود ایجاد کر رکھے تھے اور انہی طریقوں سے وہ ملزموں پر اپنا ظلم روا رکھتا تھا۔ اس کی ایذا رسانی کے طریقوں سے آگ، پانی، شکنجہ اور لٹکانے کا استعمال زیادہ تھا۔ آگ کا استعمال وہ بدعتیوں اور خارجیوں کو اس طرح دیتا کہ وہ ان کے پاؤں پر سور کی چربی لگاتا اور ان کو شعلے اگلتی آگ پر بھونتا۔ پانی کے ذریعے وہ اس طرح عذاب دیتا کہ اپنے مجرم کو ایک جھکی ہوئی میز پر لٹا دیتا۔ اس کے پاؤں اس کے سر سے اوپر ہوتے۔ اس کے نتھنوں کو ڈاٹ لگا کر بند کر دیا جاتا اور اس کے منہ میں ایک کپڑا اس طرح ٹھونسا جاتا کہ مجرم سے بولا تو نہ جا سکے لیکن اس کا حلق کھلا رہے۔ پھر اس کے منہ میں مسلسل پانی ٹپکایا جاتا اور وہ بھی اس طرح کہ اسے ذہنی اذیت دی جاتی کہ وہ ڈوبنے اور دم گھٹنے کے عمل سے گزرتا رہتا اور اسے اس عذاب کا پورا پورا شعور بھی ہوتا۔

شکنجہ ایک قسم کا میز ہوتا جو آہستہ آہستہ پھیلتا اور کھلتا جاتا۔ اس پر بندھا ہوا ملزم یا مجرم آہستہ آہستہ اطراف میں کھنچتا چلا جاتا۔ میز کو لگے ہوئے پہیوں کو گھمانے پر میز بمع ملزم اور پھیلتی اور کھچاؤ کے عمل میں شدت آنے سے ملزم کراہتا اور اس کے جوڑ اکھڑنے اور گوشت پھٹنا شروع ہو جاتا اور اذیت ہی اذیت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر سزا یافتہ گنہگار عدم کو سدھار جاتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ سزا مجرم کو لٹکانا تھا۔ اس سزا کے لیے صرف ایک رسہ درکار ہوتا۔ چھت کے ساتھ ایک چرخی لگائی جاتی۔ ملزم کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھے جاتے اور اس کی کلائیوں سے بندھے رسے کو چرخی میں سے گزار کر ملزم کو اوپر اٹھایا جاتا۔ وہ اپنے کندھوں کے جوڑوں کے بل لٹکایا جاتا اور پھر اس سے مذہب میں بدعتوں کے اجراء اور اہانت مذہب کے گناہوں کا اقبال کرایا جاتا۔ اگر وہ انکار کرتا تو اسے اچانک اوپر سے نیچے کی طرف تیزی سے گزرنے دیا جاتا مگر وہ فرش سے فٹ دو فٹ اونچا ہی آ رکتا۔ اس عمل سے ملنے والے جھٹکے سے ملزم کے بازو کندھوں سے اکھڑ جاتے اور وہ شدید درد کے عذاب سے دوچار ہوتا۔ پھر اسی حالت میں مجرم کو لٹکا رہنے دیا جاتا۔ وہ یا تو

اقبال جرم کرتا یا پھر مر جاتا۔

ملزم کے امتحان کا خوفناک ترین حصہ وہ ہوتا جب کوئی ملزم اپنے گناہ کا اعتراف (ے سزا کے عذاب سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی مقام پر کرتا ہی ہوتا تھا) کر لیتا تو پھر اسے مجرم قرار دیا جاتا جو اسے اس کے جوڑ جوڑ علیحدہ کر کے یا اس کا پیٹ پھاڑ کر یا اسے زندہ جلا کر دی جاتی۔ اس عدالتی تحقیقات کا چرچ کو یہ فائدہ پہنچتا کہ بدعتیوں کی تمام جائداد چرچ (اور طارقمادا) کے خزانے میں جاتی۔

ملزم (جو اکثر اوقات معزز تاجر یا معتقد شہری ہوتا) کو اس کے گھر سے گھسیٹ ہوئے برآمد کیا جاتا اور اس کی تمام ملکیتی اشیا اس سے لے لی جاتیں۔ شرمناک حالت میں ایک چھوٹا سا زرد رنگ کا اعتراف گناہ اور عقوبت کا لباس پہنا کر گلیوں میں گھمایا جاتا۔ یہ لباس ملزم کی بمشکل ستر پوشی کر سکتا تھا۔ پھر اسے چرچ میں لے جا کر سر عام ڈنڈوں سے پیٹا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ مرنے کی حد تک پہنچ جاتا۔ ازاں بعد یا تو اسے زندہ جلا دیا جاتا یا جیل بھیج دیا جاتا اور پھر اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکتا۔

طارقمادا نے کچھ تعزیرات وضع کی تھیں جن کو قانونی تحفظ حاصل تھا۔ اسے چرچ کی طرف سے کسی ملزم کو چالیس سال یا عمر قید کی سزا دینے کے اختیارات حاصل تھے۔ وہ نہ صرف ملزموں کی جائداد ضبط کر سکتا تھا بلکہ ملزم کے پوتوں اور اس کے دیگر پسماندگان تک سے ان کی ملکیتی جائداد اور سامان ضبط کر سکتا تھا۔

طارقمادا کو بروں کی اس فہرست میں اونچا مقام چند وجوہات کی وجہ سے حاصل ہے جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ دو رنگے پن سے اپنی ناپاک قوتوں کو خدا کے پاک نام سے جائز قرار دیتا رہا۔ اپنی اودھم مچانے والی ہٹ دھرمی سے اور واضح طور پر ایذا رسانی کے عمل سے لطف حاصل کرنے کے لیے نت نئے طریقے عذاب دینے کے ایجاد کرتا رہا۔ ے وہ روحانی مشن قرار دیتا رہا جبکہ حقیقتاً وہ خود ایک شیطانی روح تھا۔

* * *

THE EVIL 100

تاریخ عالم کے

سو شیطان

ہولناک، خوفناک، دہشت ناک لوگوں کی روداد

(صرف بالغوں کے لیے)

مارٹن گلمین والکاٹ

ترجمہ: قاضی ذوالفقار

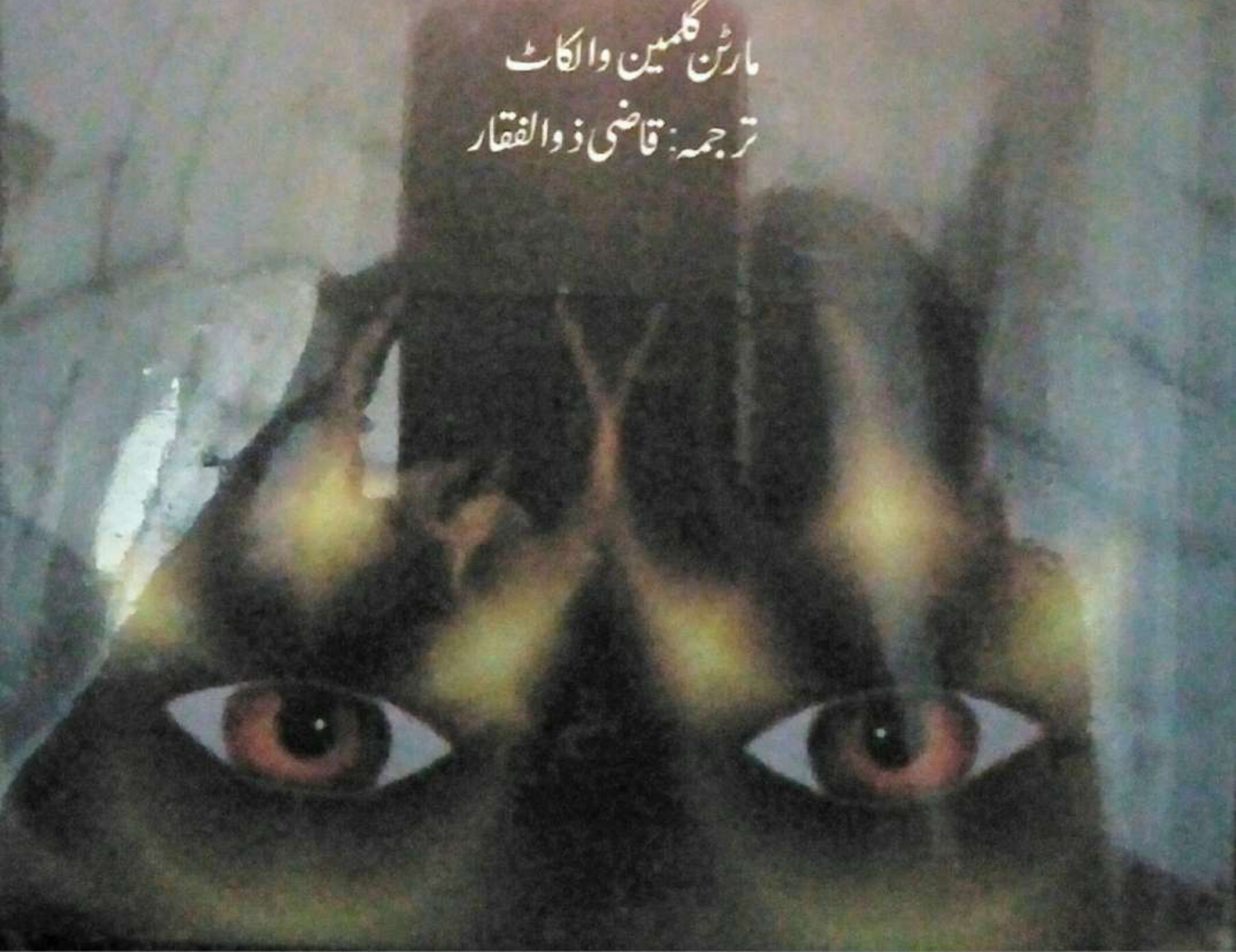

14

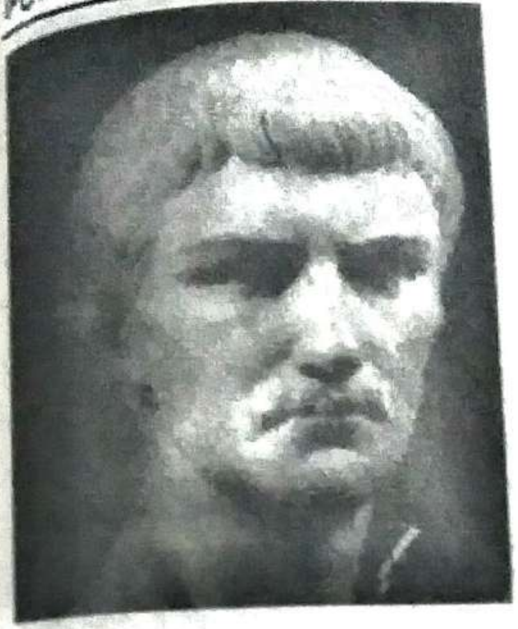

کالی گلا

(12ء تا 41ء)

"مارو' تاکہ وہ یہ محسوس کر سکے کہ وہ مر رہا ہے۔"
کالی گلا نے موت کا حکم دیتے ہوئے کہا۔

"جب بھی میں وعدہ کرتا ہوں' یہ خوبصورت سر سامنے آ جاتا ہے۔"
کالی گلا اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

"انہیں مجھ سے نفرت کرنے دو تاکہ وہ مجھ سے خوف کھاتے رہیں۔"
کالی گلا اکثر اس کا حوالہ دیتے ہوئے۔

سرعام تشدد' ضرورت سے زیادہ ظلم'

جنسی جرائم' محرمات سے ہم بستری' بے اصول قتل' من کی موج کے تحت شہریوں پر جبر و ستم' جائیدادوں کی ضبطی اور روپیہ پیسہ پر اس کے مالکوں کی مرضی کے خلاف تصرف' حسن پرستی کی خاطر عیاشی اور متواتر نفسیاتی تلون اور برائی کے خبط کو نفس پر سوار رکھنا۔ ایسے اعمال ہیں جو روم پر کالی گلا کے ظالمانہ دور حکومت 37ء تا 41ء پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

کالی گلا کے قابل الزام طرز عمل کو آج دنیا شیزوفرینیا (خیالات اور احساسات میں ہم آہنگی نہ ہونے کا مرض) کی بیماری قرار دیتے ہیں لیکن اس بہانے سے اس کے مظالم' اس کی برائیاں اور اس کے نانہجار کارناموں کا لعنت بھرا طوق اس کے گلے سے نہیں اتارا جاسکتا۔

کالی گلا سے متعلق ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ایک وفادار ملازم کے ناظم سے ناراض ہوگیا۔ وہ کالی گلا کے اکھاڑوں پیشہ ور جنگجوؤں کے مقابلوں میں حصہ لینے والے درندہ صفت جنگلی جانوروں کا نگران بھی تھا۔ ناراضگی کے بعد کالی گلا نے اس ملازم کو اپنے سامنے بلایا اور حکم دیا کہ اسے بھاری زنجیروں سے لگاتار پیٹا جائے۔ زنجیروں نے اس کے جسم سے گوشت اتار کر رکھ دیا۔ اس کی ہڈیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔ اس کا سر اور کھوپڑی تک کھل گئی لیکن کالی گلا نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے مرنا نہیں چاہیے بلکہ زندہ رہ کر سارا عذاب بھگتتا رہے۔ بدحالی سے جب اس مظلوم کے دماغ کی بو کالی گلا کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی تو تب کہیں جا کر اس نے اپنے ملازم کو اسے موت حوالے کرنے کا حکم دیا۔

جنگلی جانوروں سے لڑائی کے اکھاڑے میں وہ جانوروں کی مقدار اور توانائی کے حوالے سے خونی مقابلے میں انسانوں کی تعداد اتارتا۔ وہ اندازہ کر لیتا کہ کتنے آدمی جانوروں کے مقابلے میں آنا چاہئیں۔ اس تعداد سے کم غلام موجود ہوتے تو کالی گلا اپنے سپاہیوں کو حکم دیتا کہ وہ اس کی اس خونی عیاشی کے لیے ادھر ادھر کھڑے آدمیوں سے توانا آدمی پکڑ لائیں اور ان کو اکھاڑے میں پھینک دیں جہاں جنگلی شیر ان کی تکا بوٹی کر دیتے اور پھر ان کو کھا جاتے۔ کالی گلا کے اس پاگل پن کی برائی سے کوئی آدمی بھی محفوظ نہ تھا۔

کالی گلا کے ظلم کی دیگر مثالوں سے تاریخی اثاثہ داغ داغ ہے۔ کبھی کبھی وہ رعایا پر اپنا تسلط ثابت کرنے کے لیے غلے کے ذخیروں کی تالہ بندی کر دیتا اور لاتعداد انسانوں

کو فاقہ کشی کے ذریعے مرنے دیتا۔ وہ معذور اور دیگر جسمانی کمزوریاں رکھنے والے افراد ان کی موت کے وقت تک لڑوا کر خوش ہوتا۔ قیمتی اور زور آور مویشیوں کو اپنے درندوں کے اکھاڑے میں لڑانے کی بجائے وہ قیدیوں کو درندوں سے لڑاتا۔ ایسے قیدیوں کو اگرچہ وہ کھلا پلا کر توانا ضرور کرتا لیکن ان کی توانائی درندوں کے مقابلے میں بالآخر شکست کھاتی رہتی۔ کالی گلا کو اپنی نالائقی کی وجہ سے ایک شاعر کا ایک مصرعہ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے اپنی علمی کمزوری کے اعتراف کی بجائے شاعر کو زندہ جلوا دیا۔ وہ اپنے اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کو اپنے دستخطوں کی چھاپ لگاتا پھر ان کے ٹکڑے کروا ڈالتا یا انہیں جانوروں کی طرح آہنی پنجروں میں بند کر دیتا۔ وہ اپنی سینٹ کے ایک رکن سے ناراض ہوا اور اسے سینٹ کی عمارت کی سیڑھیوں پر قتل کروا ڈالا۔ محض قتل پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا پیٹ پھڑوایا اور اس کے جسم کے الگ الگ ٹکڑوں کی روم کی گلیوں میں گھسیٹ کر نمائش کی۔ چوری کرتے ہوئے پکڑے جانے پر کالی گلا نے ایک غلام کو سزا کے طور پر اس کے ہاتھ قطع کروائے اور ان کو ایک زنجیر میں باندھ کر اپنی سزا کی نمائش کرتے ہوئے لوگوں کو خبردار کیا کہ کالی گلا چوری کرنے والوں سے کیا سلوک کرتا ہے؟

کالی گلا قدیم روم کا بارھواں سیزر تھا اور اسے اپنے سوتیلے باپ کا تخت حاصل ہوا۔ روم میں سیزر کے خاندان کی ابتدا جولیس سیزر سے پہلی صدی قبل از مسیح میں ہوئی۔ کالی گلا کا سگا باپ جرمینیکس (15ء تا 19ء) تھا جو کہ نیرو کا دادا بھی تھا۔ کالی گلا کی ماں اگری پینا (14ق م تا 33ء) تھی۔

کالی گلا کو بچپن ہی سے اس کے باپ کے منظور نظر فوجی دستے پسند کرتے تھے۔ انہی فوجی دستوں نے اسے کالی گلا کا نام دیا جس کے معنی "چھوٹے بوٹ" کے ہیں۔ وہ لڑکپن سے چھوٹے بوٹوں کو پہننا بڑا پسند کرتا تھا۔ جب وہ بالغ ہوا تو وہ لمبا، دبلا اور سر کے بالوں سے فارغ تھا۔ بالوں کے بارے میں بڑا ہی حساس تھا اور کسی کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ کوئی اس کی بالوں اور روؤں سے فارغ چندھیا کو دیکھے۔ وہ بے خوابی، فریب خیالی اور وسوسوں کا مریض تھا۔ وہ اکثر سمندر کی روح کو اپنے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سنتا۔

کالی گلا کے دور حکومت کے ابتدائی مہینوں میں اس کے سادیت پرست اور ظالم ہونے کے کوئی آثار نہ تھے جو جلد ہی اس کے جبر و استبداد کا مظہر بن گئے۔ جب کالی گلا 25 برس کا تھا تو اس کی انتہائی رسوخ والی دادی انطونیہ انتقال کر گئی۔ جس کے غم میں کالی گلا سخت بیمار ہو گیا۔ بہت سے مورخین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کالی گلا کے دماغ کو سوجن ہو گئی تھی جو ایک وائرس یا سیسے کے زہر کے زیر اثر ہوتی ہے اور اس زمانے میں سیسے کے بہت سے برتن بنتے تھے جن میں خصوصیت سے شراب نوشی کے پیالے اور جام امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ان دنوں دماغ کو نقصان پہنچنے کے واقعات بھی عام تھے۔ اس بیماری سے بحالی کے باوجود کالی گلا کا پاگل پن کھلی حقیقت تھی۔ سادیت کی طرف اس کا رجحان اور بڑے ہونے کا خبط اس کو مکمل طور پر انسانیت سے دور بہا لے گیا۔

بحالی صحت کے بعد ہی اس کے اوٹ پٹانگ طرز عمل نے سر ابھارا جس میں اس کا عورتوں کے لباس میں ملبوس ہونا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر چہرے کو مضحکہ خیز یا بدصورت بنانے کی حرکات کرنا شامل تھا۔ وہ اپنی ان مشقوں کو عام لوگوں کے سامنے بھی دہراتا رہتا۔

اس کے دور حکومت کے تیسرے سال یعنی 40ء میں رومن لوگوں کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ 24 جنوری 41ء کو کالی گلا کے بارے میں ایک منصوبہ قتل کامیاب ہوا۔ پالا ٹائن کے کھیلوں میں اس کے اپنے ہی حفاظتی دستے کے دو محافظوں نے اسے، اس کی بیوی سیزونیا اور بیٹی سمیت قتل کر دیا۔ لوگوں کی نفرت اس کے خلاف اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ زخموں سے چور مرتے مرتے جب وہ زمین پر گرا تو بہت سے محافظین نے اس کے جسم میں اپنی تلواریں بھونک دیں۔ اس کی بیوی بھی تلوار سے قتل کی گئی لیکن اس کی بیٹی کو دیوار سے سر کے بل اتنی دیر تک ٹکرایا گیا جب تک اس کا بھیجا پھٹ کر ملیدہ نہ بن گیا۔ قدیم روم میں کالی گلا کی موت سیزروں کے خاتمے کی علامت بنی۔

☆

15

بیسل دوم

(بلغاریوں کا قاتل)

(957ء تا 1025ء)

"اگر آپ کسی کو جاننا چاہتے ہیں تو اسے اقتدار دے دیں۔"

بلغارین ضرب المثل

"آنکھ کے بدلے آنکھ ـــ اس طرح تو ہر شخص اندھا ہو جائے گا۔"

گاندھی

بیسل جانتا تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے بہت سے سپاہیوں کی ضرورت

ہے لیکن وہ یہ بھی یقین رکھتا تھا کہ آدمیوں اور وقت پر اخراجات اٹھانا درست بھی ہے اور ضروری بھی ـــ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ اپنے چودہ ہزار بلغارین قیدیوں کو چھوڑ دے گا۔ وہ انہیں نہ تو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی ان کو قید میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے حال ہی میں یعنی 1014ء میں بلغاریہ سے اپنی تیس سالہ لمبی جنگ دریائے سٹروما کی بالائی وادی میں خونریز معرکے کے بعد جیتی تھی لیکن ان چودہ ہزار قیدیوں کے باوجود ان کا بلغارین راہنما زار سموئیل بچ نکلا تھا۔ اسے اپنی فتح کا شعور تھا اور وہ ان چودہ ہزار قیدیوں پر مکمل دسترس بھی رکھتا تھا مگر وہ انہیں یونہی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا کہ کل کو وہ پھر اس کے لیے دردِ سر بنیں۔ انہیں اپنے راہنما زار سموئیل سے وفاداری کی قیمت ادا کرنا ہوگی ـــ قیمت کیا تھی؟ ـــ ان کی بینائی!

ایک ناقابل تصور ظلم اور سنگ دلی سے بیسل دوم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ہر قیدی کی آنکھیں پھوڑ دیں لیکن سو قیدیوں میں سے ایک قیدی کی صرف ایک آنکھ نکالی جائے۔ وہ خوش قسمت 140 قیدی جن کی ایک ایک آنکھ نہیں نکالی جائے گی وہ اپنے تمام اندھے سو ساتھیوں کی مقدونیہ میں زار سموئیل کے قلعے تک راہنمائی کریں گے اور جملہ اندھے قیدی ایک قطار میں اپنے سے آگے کے اندھے قیدی کی پیٹھ کو پکڑے ہوئے چلیں گے۔

ذرا اس ہولناک منظر کا تصور کیجئے۔

بیسل کے ہزاروں سپاہی جن کے ہاتھوں میں یا تو چھوٹے چھوٹے پھلوں والے چاقو یا سرخ کیے ہوئے آگ کریدنے والے سوے تھے قیدیوں کے ہجوم میں داخل ہوئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ بلغارین قیدی چیختے چلاتے اپنے ہاتھوں سے زخمی چہروں کو تھامے روتے پیٹتے اور اپنے اچانک اندھے ہو جانے پر بین کرتے گرتے پڑتے رہ گئے۔ اب وہ سپاہی نہ رہے تھے بلکہ بے یار و مددگار اندھے ہو چکے تھے۔ ان کا چلنا اب معذور لولے لنگڑے انسانوں جیسا تھا۔ یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ نکما ہو جانے والے بلغارین شہریوں میں سے اپنے وطن کو واپس جاتے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے گرتے پڑتے مر گئے۔ دو دن بعد جب زار سموئیل نے اپنی خستہ حال فوج کو حسرت ناک انداز میں ڈگمگاتے ہوئے قلعے تک پہنچتے دیکھا تو اسے اس قدر

شدید دلی صدمہ ہوا کہ وہ اس صدمے ہی سے مر گیا۔ زار سموئیل جو اپنے دشمن بازنطینی شہنشاہ، جو اب بلغاریوں کا قاتل پکارا جانے لگا تھا، سے تو بچ نکلا تھا لیکن اب اپنی گھناؤنی چال سے نہ صرف بلغاریہ کو شکست دی تھی بلکہ ان کے راہنما کو بھی لے ڈوبا تھا۔

یہ بے رحمانہ سلوک جو بیسل دوم نے بلغاریہ کے چودہ ہزار بے یار و مددگار قیدیوں سے کیا اسے آج کے دور کا بین الاقوامی جنگی مجرم قرار دیتا ہے۔ بے شک یہ ظلم تھا اور تشدد برائے تشدد کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا یہ واحد جرم اس قدر گھناؤنا اور ماورائے انسانیت ہے کہ بیسل دوم بازنطینی شہنشاہ کو باوجود اس کی قائدانہ صلاحیتوں اور تسلیم شدہ فوجی حکمت عملیوں کی فضیلت رکھنے کے اسے بروں میں شمار کرنے میں تاریخ حق بجانب ہے۔

اجتماعی طور پر اندھا کرنے کی یہ خباثت ہی بیسل دوم کو 100 برے لوگوں کی صف میں لانے کے لیے کافی تھی لیکن دو سال بعد یعنی 1016ء میں اسی خبیث بازنطینی بادشاہ نے مقدونیہ پر چڑھائی کے دوران یہی عمل دہرایا۔ اس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ راہ چلتے بلغاریوں کو اندھا کریں اور اس سفاکی کے عمل میں اس نے تمام شہریوں، ان کی بیویوں اور بچوں کو بھی شامل کیا۔ خدا کی لعنت ہو اس شیطان پر——

بیسل دوم، رومانس دوم اور تھیوفینو کا بیٹا تھا ابھی وہ تین سال ہی کا تھا کہ اسے بازنطینی سلطنت کا اپنے بھائی کانسٹینٹائن ہشتم کے شریک اقتدار بنایا گیا تاہم اسے مکمل اختیار حکومت اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے حاصل نہیں ہوا۔ اس نے اپنے بڑے چچا کو شکست دے کر بلقان کا قائد ہونے کی حیثیت بھی حاصل کی۔ اس کے چچا نے بیسل کے باپ کے انتقال کے بعد 963ء میں میں اقتدار سنبھالا۔

بلوغت کے بعد لیکن عمر کے بیسویں سال سے پہلے بازنطینی سلطنت میں اقتدار کے جملہ تمام اختیارات اسے حاصل تھے اور تمام شہری اور فوجی وسائل اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ ایک شہوت پرست مرد تھا۔ وہ مکمل عیاشی پر مبنی دعوتوں کا رسیا تھا اور جنسی تعلقات میں رضامندی سے شامل ہونے والی عورتوں کا اژدہام پسند کرتا تھا۔ زندگی کے بیسویں سال کے آخر میں اس نے اپنی دلچسپیاں سلطنت کی توسیع اور علاقائی ریاستیں قائم کرنے پر مبذول کر دیں۔ اسی سلسلے میں اس کی زار سموئیل سے دشمنی ہوئی وہ اپنی بلغارین حکومت

کا تحفظ چاہتا تھا مگر بیسل دوم ثابت قدمی سے اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے سال بسال بلغاریہ کے علاقوں سے راستے بناتے ہوئے گزرتا۔ وہ اپنی افواج سے کہتا کہ وہ سارا سال سردیوں اور گرمیوں میں آگے بڑھتے اور لڑتے رہیں اور ایسا وہ 1014ء تک کرتا رہا جب تک کہ اس نے سٹروما کی وادی میں بلغاریہ پر فتح حاصل نہیں کر لی اور بلغاریہ کو اپنی بازنطینی سلطنت کا حصہ نہیں بنا لیا۔

بیسل ایک غیر مہذب انسان تھا اور اسے علمیت سے کسی قسم کی کوئی دلچسپی یا لگاؤ نہیں تھا۔ اس کے باوجود جب وہ لوگوں سے خطاب کرتا تو مجمع کو قائل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حس مزاح بھی رکھتا تھا۔ وہ ساری عمر کنوارا رہا اور تاریخ سے کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ اس نے بچوں کی پرورش کی ہو۔ وہ ہمہ وقت سپاہی تھا اور اکثر اس کی شناخت بطور ایک ظالم، سخت مزاج اور کم حوصلہ شخص کے طور پر کی جاتی ہے۔

بیسل دوم قاتل بلغارین عوام 15 دسمبر 1025ء کو 67 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس نے کوئی اپنا قائم مقام اپنے نقش قدم پر چلنے کے لیے نہیں چھوڑا۔ جلد ہی اس کی روایات اور فتوحات تاریخ سے مٹ گئیں۔

☆

16

ایڈلف آئخ مان

(1906ء تا 1962ء)

”مجھے واضح طور پر یاد ہے جب پہلی مرتبہ آش وز کے کمانڈنٹ ہوئیس کی راہنمائی میں میں نے کیمپ کا دورہ کیا۔ اس نے مجھے ہر شے دکھائی اور آخر میں مجھے ایک قبر کے پاس لے گیا جہاں گیس سے ہلاک کیے گئے جرمنوں کی لاشیں ایک لوہے کی گرل پر رکھی گئیں تھیں۔ ہوئیس کے آدمیوں نے ان پر کوئی آگ پکڑنے والا محلول چھڑکا اور انہیں آگ لگا دی۔ ان کا گوشت دم پخت نظر آنے لگا۔ اس نظارے سے میں نے جو اثر قبول کیا وہ آج بھی لاشوں کا انبوہ میری نظروں کے سامنے لے آتا ہے۔ میں نے ہوئیس سے کہا۔ ” [illegible] میں تمہاری لاشیں دیکھتا ہوں تو مجھے ان جرمنوں کی یاد آتی ہے

جنہیں برلن کی ہوائی حملے کی پناہ گاہوں کے نیچے کوئلہ بنا دیا گیا تھا۔“

ایڈلف آئخ مان

”قصہ مختصر یہ کہ مجھے کسی بات پر افسوس نہیں ہے۔“

ایڈلف آئخ مان

نیورمبرگ میں جنگی جرائم کے بارے میں تحقیقات کے عالمی ٹریبونل کے سامنے آئخ مان پر مندرجہ ذیل الزامات عائد کیے گئے۔

-1 آخرالامر آئخ مان لاکھوں یہودیوں کے قتل کا ذمہ دار ہے۔

-2 اس نے ان یہودیوں کو قتل سے پہلے ایسی حالت میں زندہ رکھا جو ان کے قتل کے لیے وضع کی گئی تھی۔

-3 اس نے ان کو بدترین جسمانی اور ذہنی نقصان پہنچایا۔

-4 اس نے ایسے عمل کیے جن کے نتیجے میں یہودیوں کو بانجھ کر دیا گیا اور دیگر ذرائع سے بچوں کی پیدائش پر پابندی لگائی۔

-5 وہ لاکھوں یہودیوں کی غلامی' فاقہ کشی اور جلاوطنی کا سبب بنا۔

-6 اس نے یہودیوں کو قومی' نسلی' مذہبی اور سیاسی بنیادوں پر تشدد کا نشانہ بنایا۔

-7 اس نے غیر انسانی اقدامات یعنی جبر' لوٹ مار' تشدد اور ایذا رسانی کے ذریعے سے یہودیوں کی جائدادوں کو نقصان پہنچایا۔

-8 اس کے تمام متذکرہ جرائم قابل تعزیر جنگی جرائم ہیں۔

-9 اس نے تقریباً نصف لاکھ پولینڈ کے باشندوں کو جلاوطن کیا۔

-10 اس نے چودہ ہزار سلووینی (سٹریا' کارنتھیا اور کارنیولا کے رہائشی) باشندوں کو جلاوطن کیا۔

-11 اس نے لاکھوں خانہ بدوشوں کو جلاوطن کیا۔

-12 اس نے لڈائس کے ایک گاؤں کے ایک سو چیک بچوں کو قتل اور جلاوطن کیا۔

اوپر بیان کیے گئے آخری تین الزامات اس پر تین جرائم پیشہ تنظیموں کا ممبر ہونے کی وجہ سے نیورمبرگ کی عدالت نے عائد کیے۔ یہ تین تنظیمیں سائن ڈائی' گسٹاپو اور

ہٹلر کی خصوصی حفاظتی فورس پر مشتمل تھیں۔

جدید تاریخ اسرائیل میں 1962ء کا وہ دن سنجیدہ ترین اور تشکر آمیز دن تھا جب آئخ مان کو ساٹھ لاکھ یہودیوں اور ساٹھ لاکھ غیر یہودیوں کے قتل کے جرم میں مجرم اور جنگی مجرم ثابت ہونے پر سنائی گئی موت کی سزا پر اسرائیلی حکومت نے عملدر آمد کی خبر نشر کی۔

اسے جب ارجنٹائن میں بیونس آئیرس سے اسرائیلی خفیہ موساد نے گرفتار کیا تو اس نے جیل کی کوٹھڑی سے اپنی صفائی میں لکھا کہ وہ تو بس اوپر سے ملنے والے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا۔ آئخ مان نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ پچاس لاکھ یہودیوں کی موت اس کے ضمیر کے لیے غیر معمولی تسکین کا باعث ہے۔ یہ کسی حد تک سچ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ براہ راست ان لاکھوں اموات کا ذمہ دار نہیں تھا وہ تو ایک بیورو کریٹ تھا اور اپنی جان بچانے کے لیے وہ بے شرمی سے نازی پارٹی کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا۔ لیکن یہی وہ شخص بھی تھا جو اپنے بارے میں یہ بھی کہتا پایا جاتا تھا کہ وہ "یہودیت کا ماہر" ہے یعنی اسے یہودیوں کے خاتمہ میں خصوصی مہارت حاصل ہے۔ وہ جب یہودیوں سے بھری ریل گاڑیاں آش وز' ڈاشؤ برجن بیلسن' ٹریبلنکا اور دیگر دن رات کام کرنے والے گیس چیمبروں کی طرف جاتے دیکھتا تو وہ عبرانی زبان میں اپنے آپ کو شاباش دیتا جیسے یہ سب کچھ اسی کے ایماء پر ہو رہا تھا۔

کارل آئخ مان جرمنی میں 1906ء میں سولنجن نامی مقام پر ایک پروٹیسٹنٹ گھرانے میں پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے اسکے کالے بالوں کی وجہ سے چھیڑا جاتا اور تمسخرانہ انداز میں اسے "چھوٹا یہودی" پکارا جاتا۔ اس کے باپ کی ایک چھوٹی سی کان کنی کی کمپنی تھی لہذا آئخ مان کے لیے انجینئرنگ کی تعلیم کا انتخاب کیا گیا لیکن وہ یہ تعلیم حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے ایک امریکن کمپنی کے لیے گشتی سیلز مین کی حیثیت سے بھی کام کیا اور کچھ عرصہ عام مزدور بھی رہا لیکن اس کے اصل مستقبل کی ابتداء 1932ء میں ہوئی جب وہ آسٹریا کی نازی پارٹی میں شامل ہوا۔ اسی سال نومبر میں اس نے ہینرک ہملر کی خصوصی تنظیم محافظین ہٹلر یعنی ایس۔ ایس میں شمولیت اختیار کی۔

آئخ مان کی مصروفیات اگرچہ بڑھتی اور پھیلتی ہوئی نازی پارٹی میں زیادہ ہو گئیں لیکن وہ ویکیوم آئل کمپنی میں بطور سیلز مین بھی 1933ء کی ابتدا تک کام کرتا رہا۔ اسے کمپنی

کی ملازمت سے افرادی قوت میں کمی کرنے کی حکمت عملی کے تحت فارغ کر دیا گیا لیکن اس نے یہی مشہور کیا کہ اسے ملازمت سے صرف اس وجہ سے نکالا گیا ہے کہ اس کے نازی پارٹی سے تعلقات ہیں اور نیز اسے فارغ کرنے والا افسر ایک یہودی تھا۔

وسط 1930ء سے لے کر 1941ء تک آئخ مان نازی پارٹی میں ترقی پاتا چلا گیا۔ ابتدا میں تو یہودی مسئلے کو جلاوطنی' یہودی باڑوں میں یہودیوں کی منتقلی' گرفتاری اور قید اور ان کی جائدادوں پر قبضہ کرنے ہی سے حل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اب آئخ مان پارٹی کے اس پروگرام کو بڑھا رہا تھا جو "آخری حل" پر منتج ہوتا تھا۔ یہ اکتوبر' نومبر 1938ء کا دور تھا جب ہٹلر نے نازی پارٹی کے پروگرام کو مزید عمل دے کر یہودیوں کی نسل کی بیخ کنی کی طرف موڑ دیا۔

اکتوبر 1938ء میں پندرہ ہزار پولینڈ کے یہودی شہریوں کو جرمنی سے یہ بتائے بغیر کہ انہیں کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا ہے' ریل گاڑیوں کے ذریعے پولینڈ کی سرحد پر لے جا کر ایک کیمپ میں اتار دیا گیا۔ اسی سال نومبر میں "ٹوٹے شیشے کی رات" جرمنی اور آسٹریا میں آئی۔ یہ تباہی کی رات تھی جو صرف جرمنی سے بے دخل کیے گئے یہودیوں کے لیے تھی اسے جرمنی کی زبان میں "کرسٹلا نشٹ" کہتے ہیں۔

1939ء میں جب جنگ عظیم دوم کا آغاز ہوا تو آئخ مان "یہودی مسئلے" کا ذمہ دار تھا۔ اس نے اس مسئلے کو بے رحمی' سرد مہری اور بلا کسی جھجک اور مکمل ذمہ داری سے اپنے لیڈر فیوہرر اور نازی پارٹی کی خوشنودی کی خاطر حل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے اپنے ماتحت فوجی دستوں پر دباؤ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ انہیں ایک آدمی پر ایک گولی ضائع کرنا پڑتی تھی اور بوجہ جنگ زیادہ گولیاں چلانے پر پابندی تھی۔ وہ زیادہ گولیاں ضائع نہ کر سکتا تھا لہذا اس نے ایک میٹنگ بلائی کہ "یہودی مسئلے" کا گولیوں کے علاوہ کوئی اور حل بھی تلاش کیا جائے۔

انہی دنوں ہٹلر نے نیا حکم جاری کیا تھا کہ ریخ کے اندر تمام یہودیوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ فیوہرر جب کوئی حکم دیتا تھا تو اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہوتا تھا چنانچہ اس مسئلے کا حل کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آئے' زہریلی گیس زائی کولان۔ بی کا انتخاب کیا گیا جس کے ذریعے سینکڑوں یہودیوں کو آن واحد میں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔

زائی کولان- بی پہلے بھی جرمنی میں استعمال کی جا رہی تھی اور اسے جرمنی کی حکومت ذہنی معذوروں سے معاشرے کی صفائی کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا- آئخ مان نے اس گیس کا استعمال ''آخری حل'' کے طور پر بڑے پیمانے پر کیا- آئخ مان کو ہٹلر کے احکامات کی تعمیل کے لیے کھلا ہاتھ دیا گیا کہ وہ جہاں چاہے اور جیسے چاہے رئیش کے جلد یہودیوں کو ختم کرے- یہ آئخ مان ہی تھا جس نے اس ''بدکام'' کو بڑے احسن طریقے سے انجام کو پہنچایا-

ہٹلر کی خودکشی کے بعد آئخ مان جرمنی سے فرار ہوگیا اور حکام کی نظروں سے پندرہ برس تک پوشیدہ رہا- آخر اسرائیلی ایجنسی موساد نے اسے ارجنٹائن میں کھوج نکالا اور 1960ء میں اسے گرفتار کرلیا گیا- اس پر مقدمہ چلا اور اسے انسانیت کے خلاف کیے جانے والے جرائم کی پاداش میں سزائے موت سنائی گئی- اسے 1962ء میں پھانسی دے دی گئی-

========☆========

17

ڈاکٹر جوزف مینجیلی

(ملک الموت)

(1911ء تا 1979ء)

''میں نے ایک بہت بڑی مربع شکل کی چمنی دیکھی جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور اوپر یک سمت قدرے تنگ ہوتی چلی گئی تھی- مجھے خصوصی حیرانی شعلے کی اس لمبی زبان پر ہوئی جو دو آہنی سلاخوں کے درمیان لپک رہی تھی---- میں نے یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ اسے بڑے شعلے سے کیسا دوزخی کھانا تیار ہوگا---- ایک ہلکی سی ہوا تھوڑا سا دھواں میری طرف لائی- پہلے میری ناک اور پھر میرا گلا جلتے گوشت اور جلتے بالوں کی

تے ہوں تو وہ اس کے دفتر کی دیواروں کو نظر بھر کر دیکھتے بھی نہ ہوں۔ اس کی دیواروں
پنوں سے کئی آنکھیں نصب تھیں بالخصوص ان بچوں کی آنکھیں جو جڑواں تھے جو
کٹر مینجیلی کے تجربات میں مارے گئے تھے۔ وہ ان آنکھوں میں رنگوں کے انجکشن
تا تھا تاکہ دیکھے کہ ان کی آنکھیں رنگ بدلتی ہیں یا نہیں۔ ایک زندہ بچ جانے والی لڑکی
را کرمجل ایسی لڑکی تھی جس نے مینجیلی کی دیوار پر لگی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ بعد میں
ں نے بتایا: ''میں تو یہ سمجھی کہ میں مرچکی ہوں اور اب دوزخ میں رہ رہی ہوں۔ (پوزنر
ینجیلی کی ''مکمل کہانی'' سے)

ڈاکٹر مینجیلی صرف موت کی سزا ہی نہیں دیتا تھا بلکہ وہ بزعم خویش کچھ طبی
یت کے تجربات بھی موت کے امیدواروں پر کرتا تھا۔ جن کو وہ پیدائش عالم کے تجربات
ہتا تھا۔ ان تجربات میں وہ گھٹیا لوگوں کی تخلیق کی تحقیق کر کے ان کو ''زندگی کے ناقابل''
رار دیتا تھا۔ وہ انسانی ضابطہء پیدائش پر تحقیق ضابطے کی توڑ پھوڑ کے ذریعے کرتا ہے۔
ں نے اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل کرلی تھی اور اس پیدائشی فرق کو جانچ لیا تھا جو
ساں کو کمزور دماغ، خیالات اور محسوسات میں عدم ہم آہنگی، خبطی، مایوس، مرگی کا مریض،
دھا، بہرا، لولا لنگڑا اور شرابی وغیرہ بناتے ہیں۔ اس کے اس مطالعے کا سریع نتیجہ ایک
اعلیٰ نسل کے جرمن'' کی تخلیق پر منتج ہونا تھا جس میں مندرجہ بالا کمزوریاں اور بیماریاں راہ
پاسکتیں۔

مینجیلی کے تمام طبی تجربات بربریت لیے ہوئے اور غیر سائنسی تھے۔ وہ
ذارسانی کو طبی تحقیق کا لبادہ پہنائے ہوئے تھا۔ مثال کے طور پر

وہ بچوں کے آپریشن کرتا جن میں ان کو آختہ کرنا بھی شامل ہوتا۔ وہ اندرونی اعضا نکال کر بچوں کی صحت کا امتحان لیتا اور اینستھیزیا لگائے بغیر اعضائے جسمانی کی قطع و برید کرتا۔

وہ بچوں کو پنجروں میں بند کر کے ایذا رسانی کرتا اور دیکھتا کہ وہ کتنی دیر زندہ رہتے ہیں۔

وہ جڑواں بچوں کو جراثیمی امراض جیسے ٹائیفس وغیرہ کے ٹیکے لگاتا اور پھر علیحدہ علیحدہ ان کی موت کا جائزہ لیتا۔

4- وہ حاملہ خواتین کے پیٹوں پر بھاری بھرکم وزن رکھتا اور دیکھتا کہ ایسا کرنے نتیجے میں کیا ردعمل ہوتا ہے اور کس طرح حمل گرتا ہے؟

5- اس نے زندہ ایک سالہ بچے کو دو حصوں میں چیر کر رکھ دیا۔

6- اس نے پولینڈ کی ننوں کے ایک گروہ کو بانجھ کرنے کے لیے ایکس شعاعوں اور دیگر تکلیف دہ شعاعوں کے استعمال کے اثرات کے تجربات کیے۔

7- اس نے دو جڑواں بھائیوں جن میں سے ایک کبڑا تھا' کی کمروں اور کلائیوں کو باہم سی دیا اور ان کا ردعمل معلوم کرتا رہا۔

8- اس نے دو جڑواں بچوں کے بول چال کے نظام کا بغیر اینستھیزیا کے آپ کیا۔ ان بچوں میں سے ایک گا سکتا تھا اور ایک نہیں۔ اس نے دونوں کے آواز کو بگاڑ دیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ گانے والا بچہ اپنی آواز دوبارہ پا ہے۔

موت دینے کے احکام کی بجا آوری اور اپنے تجربات کے علاوہ مینجیلی شخصی ظلم و استبداد کے بارے میں بھی مطالعے کرتا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک بوڑھے شخص کو پکڑا اور سریے سے اس کی کھوپڑی کو دو حصوں میں توڑ ڈالا جبکہ موقع پر موجود شخص اس ظلم کو دیکھتا رہا۔

ایک یہودی خاتون قیدی جس کا نام رابی تھا آش وز کے گیس چیمبر کو لا ہوئے ٹرک سے چھلانگ لگا کر بھاگ نکلی۔ ڈاکٹر جیسلا پرل 1948ء میں اپنی کتاب "م آش وز میں ایک ڈاکٹر تھا" لکھتا ہے کہ اس خاتون قیدی کے ساتھ کیا ہوا:

"تم ابھی تک یہیں ہو؟ ڈاکٹر مینجیلی نے قطار کے سرے کو چھوڑا اور چند آہستہ قدم اٹھانے کے بعد اس سے آملا اور اس کو گردن سے ڈبوچتے ہوئے اسے سر پر مارنے لگا تاکہ اس کا سر پلپلا ہو جائے۔ اس نے اسے طمانچے مارے اُسے گھونسے مارے اور چیختے ہوئے اس سے کہا: "تم بھاگنے لگی تھیں۔ کیا تم نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اب تم بچ نہیں سکتیں۔ یہ ٹرک نہیں ہے کہ تم کود جاؤ۔ تم

دوسروں کی طرح اب جلائی جانے والی ہو۔ تم گندی یہودن! تم اب مینڈک کی طرح ٹرانے والی ہو۔" اور وہ اس کے غیر محفوظ سر کو مارتا رہا۔ جب میں اسے دیکھ رہا تھا تو اس کی دو ذہین اور خوبصورت آنکھیں خون کی ایک تہ کے نیچے چھپ چکی تھیں۔ اس کے کان زیادہ دیر اپنی جگہ پر نہیں رہے تھے شاید ڈاکٹر مینجیلی نے ان کو نوچ ڈالا تھا اور چند سیکنڈ میں اس کی نوک دار ناک چپٹی ہو چکی تھی یا ٹوٹ چکی تھی اور اس سے کافی خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اب زیادہ دیر تک یہ سب کچھ دیکھنا میرے بس میں نہیں رہا۔ میں نے جب اپنی آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر مینجیلی اسے مزید مارنے سے رک چکا تھا کیونکہ انسانی سر کی بجائے رابی کا لمبا اور دبلا جسم اپنے ہڈیوں سے بھرے ہوئے کندھے پر ایک گول سی خون میں نہائی خوفناک ناقابل شناخت شے اٹھائے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر نے اسے پھر سے قطار میں دھکیلا۔ آدھا گھنٹہ بعد ڈاکٹر واپس ہسپتال آیا۔ اس نے ایک خوشبودار صابن اپنے تھیلے سے نکالا اور خوشی سے سیٹی بجاتے اور چہرے پر گہرے اطمینان کی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنے ہاتھ دھونے شروع کر دیے۔"

ڈاکٹر جوزف مینجیلی 1945ء میں آش وز سے اس وقت فرار ہوا جب روسی افواج برلن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ وہ چار سال تک جرمنی میں رہا پھر 1949ء میں یہ جان کر کہ یورپ اب اس کے لیے محفوظ جگہ نہیں رہی ارجنٹائن چلا گیا۔

وہ 1979ء میں برازیل میں پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوا۔ وہ نہ تو اپنے گھناؤنے جرائم کی پاداش میں گرفتار ہو سکا اور نہ ہی اسے اس کے جرائم کی سزا مل سکی۔

* * *

18

دی نازی ڈاکٹرز

(1933ء تا 1945ء)

"میں اپنے علاج کو مریضوں کی مدد کے لیے استعمال کروں گا۔۔۔ لیکن کبھی اس ارادے سے نہیں کہ کسی کو نقصان پہنچاؤں یا غلط کام کروں۔۔۔ میں خواہ کیسے بھی گھروں میں جاؤں۔۔۔ میں ارادتاً کوئی غلط کام کرنے اور نقصان پہنچانے سے باز رہوں گا۔"

اوتھو ہپوکریٹس سے اقتباس

"تمام تجربات اینستھیزیا کے بغیر اور مریض کے مرض کی رتی بھر پرواہ کیے بغیر کیے جاتے تھے۔ ملزم کو انتہائی کڑے امتحان میں ہوا کے دباؤ کے ایسے عمل سے گزارا جا[illegible]ے پھٹ جاتے یا پھر اسے منجمد کر دیا

جاتا اور وہ مر جاتا۔ زہریلی گیس سے کسی اندرونی عضو کو زخمی کیا جاتا اور اس کی سڑاند سے عذاب ناک موت واقع ہوتی۔ ہڈیوں کو بدن سے نکال کر ایسے ایسے تجربات کیے جاتے جن کا مقصد سوائے نسل کشی اور بانجھ پن کے اور کچھ نہ ہوتا۔ مردوں کو نامرد کرنا اور عورتوں میں اسقاط حمل کے بھی نت نئے تجربات کیے جاتے۔ چیکوسلواکیہ کے ڈاشا نامی ایک کیمپ کے ڈاکٹر کے بیان کے مطابق جس نے ذاتی طور پر سات ہزار ایسی لاشوں کی چیر پھاڑ کی جن کی اموات مکمل طور پر لولا لنگڑا کرنے اور ذہنی توازن بگاڑنے کے تجربات سے ہوئیں۔"

ایلن بُلاک کی کتاب "اے سٹڈی آف ٹرنی" 1962ء سے

فرداً فرداً نازیوں کی درجہ بندی کتاب میں کسی اور جگہ کی گئی ہے لیکن یہاں نازی ڈاکٹروں کا ایک گروہ کے حوالے سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان ڈاکٹروں نے ایک ہی مقصد کے لیے ایک حاکمیت کے تحت کام کیا۔ انہوں نے اپنے "مریضوں" پر خوف و تشدد کے حوالے سے تجربات کیے اور اپنی طبی صلاحیتوں کو انسانیت سے بعید روش پر ڈالا اور اپنی تحقیقات سے عالمگیر بربادی و ابتری کے طریق وضع کیے تاکہ نازیوں کے علاوہ باقی انسانوں پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر اور تنگ تر سے تنگ ترین کیا جا سکے۔

نازی ڈاکٹر کون تھے؟

اس سوال کا جواب آش وِز سے بچ جانے والے ہرمان لینگ بین نے رابرٹ جے لفٹن کی کتاب "نازی ڈاکٹرز" 1986ء میں دیا گیا ہے۔ کتاب میں نازی ڈاکٹروں کی تین اقسام بتائی ہیں:

1- المستعد ڈاکٹرز۔۔۔ یہ وہ ڈاکٹر تھے جو تباہی و بربادی کے عمل میں جوش و جذبہ سے شامل ہوتے اور موت کے سائے پھیلانے میں غیر معمولی سرگرمی دکھاتے اور ضرورت سے زیادہ کام کرتے۔

2- فرض شناس ڈاکٹرز۔۔۔ یہ وہ ڈاکٹر تھے جو اپنی ذمہ داریاں پورے یقین اور ایمان سے نبھاتے۔ زیادہ کام کرتے نہ کم۔

3- مجبور ڈاکٹرز—— یہ تباہی و بربادی کے عمل میں مجبورا اور جھجکتے جھجکتے ہوتے۔

نازی ڈاکٹرز مکمل طور پر دوسروں کی شخصیت اور دوسروں کے تجربات تاثرات قبول کرنے سے عاری تھے۔ ایسے اشخاص جو دوسروں کی حالت' تجربات شخصیت سے متاثر نہیں ہوتے انہیں نفسیات کی زبان میں سائیکو پیتھک کہتے ہیں۔ کیا کا مطلب یہ ہے کہ تمام نازی ڈاکٹرز سائیکو پیتھ تھے کہ وہ اپنے مریضوں' قیدیوں موت سے نبرد آزما انسانوں کی ذہنی کیفیات کو نہیں سمجھ سکتے تھے؟ اگر ہم یہی تعریف ڈاکٹرز پر لاگو کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تمام کے تمام اپنے اعمال اور فیصلوں بدخصلت اور غیر اخلاقی تھے۔ ہاں وہ ایسے ہی تھے۔

رائے باؤ میسٹر اپنی کتاب "برائی' انسانی وحشت اور ظلم میں" (1999ء) لکھتے ہیں کہ "ایسے محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے انسان سائیکو پیتھ ہو جاتے ہیں اور جب ایسے ہو جاتے ہیں تو ان سے سوائے ظلم و جبر کے اور کسی خوبی کا اظہار نہیں ہو سکتا۔"

کیا وجہ تھی کہ نازی ڈاکٹرز اپنی کرتوتوں پر شرمسار نہیں ہوتے تھے؟ لفٹن مطابق آش وز کے ڈاکٹروں کا کردار "دوہرا" تھا۔ ان کی تحقیقات کی سائنسی اور عمل "اپنے آپ کی تقسیم" کرنے کے نتیجے تک لے گئے۔ اسی تقسیم کے باعث آش وز ڈاکٹروں نے ناگفتنی قسم کے ظلم اور برائی کے عمل کیے اور وہ قطعی طور پر جانتے تھے کہ معصوم لوگوں سے کیا کچھ کر رہے ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنی شخصیت سے مطمئن اور انہیں یقین تھا کہ ان سے ان کی ظالمانہ کرتوتوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

لفٹن کے مطابق ہر نازی ڈاکٹر کے دوہرے کردار کی پانچ خصوصیات تھیں:

1- ہر ڈاکٹر کو اپنا ایک خاص تشخص پیدا کرنا پڑتا تھا کہ وہ موت کے کیمپ کے نفسیاتی گرد و نواح میں کام کر سکے۔ یہ کیمپ ڈاکٹروں کی سابقہ خدمات کے مقابلے میں ایک علیحدہ ہی فضا اور نوعیت رکھتا تھا۔

2- آش وز کے ڈاکٹروں کو بغیر کسی تفریق کے سیکھنا پڑتا تھا کہ وہ موت کے کیمپ اور طبی لیبارٹری کی فضا میں کس طرح مکمل یکسوئی سے کام کر سکتے ہیں؟

3- ان کے ذہنوں میں اپنی بقا [illegible] بھی تھا اس لیے ان کو دوہرا کردار اختیار

کرنے کے سوا چارہ نہ تھا وہ ہر وقت "مارو یا مر جاؤ" کی کیفیت میں رہتے تھے۔

4- اپنی اصل ذات کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے وہ اپنے جرم اور جرم کے احساس کو اپنے ہی دوسرے کردار پر ڈال دیتے تھے اور خود کو پاک رکھتے تھے۔

5- تمام ڈاکٹرز ایک طاقتور احساس برتری میں مبتلا تھے کہ وہ اپنی فہم و ادراک سے ماورا کام کر رہے ہیں۔ (ہٹلر کے ذاتی معمار اور آلات حرب کے وزیر البرٹ سپیئر نے بتایا کہ: "اس نے احساس برتری اور اپنے آپ کو اس احساس سے وابستہ اس وقت پایا جب اس نے فیوہرر کو جرمن عوام کے سامنے تقریر کرتے سنا۔")

حقیقتاً نازی ڈاکٹروں کے جملہ کام تجربات اور علاج کے نام پر کالے کرتوت تھے اور ظلم و ستم ہی کی پیداوار تھے۔ طب کے نام پر کسی کی جان لینا اور پھر یہودیوں کو طب ہی کے ذریعے بانجھ بنانا کہاں کا علاج اور کہاں کی طبابت تھی؟ اس طرح کاسٹک کے محلول کو ہفتہ وار عورتوں کے رحم میں بذریعہ ٹیکہ داخل کرنا ان کی تولیدی زرخیزی کو ختم کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ ان کی اندرونی نالی کو بند کر کے بھی ان کو بانجھ بنایا جاتا تھا۔ جہاں تک مردوں کا تعلق تھا نقصان دہ شعاعوں کے ذریعے ان کے اعضائے نسلی کو دردناک طور پر جھلسا کر توڑ موڑ دیا جاتا تھا۔ پھر ان اعضا کو "طب" کے نام پر جسم سے بذریعہ آپریشن علیحدہ کر دیا جاتا تھا اور اس آپریشن میں اینستھیزیا یا تو استعمال ہی نہیں کیا جاتا تھا اور اگر کیا جاتا تھا تو معمولی تاکہ "مریض" تڑپے کلبلائے اور بالآخر مر جائے۔

"طبی آش وز" کی زندہ مثال ڈاکٹر مینجیلی سے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ وہ انتہائی ظالمانہ تجربات کا ذمہ دار تھا اور خصوصی طور پر جڑواں بچوں پر تجربات سے دلچسپی رکھتا تھا۔ کئی اور ڈاکٹروں کے نام بھی تاریخ میں ایک گونج بن کر رہ گئے ہیں۔

ایڈورتھ ایک ایسا ڈاکٹر تھا جس نے اپنی ہی کرتوتوں کی بازگشت سے خوفزدہ ہو کر خودکشی کر لی تھی اس نے چالیس لاکھ قیدیوں میں سے قتل عمد کے لیے انتخاب کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور پھر اس نے تمام قیدیوں کے قتل کی نگرانی بھی کی تھی۔

- جوہنز گوبل ہزاروں عورتوں کو بانجھ کرنے کا ذمہ دار تھا۔ وہ براہ راست ان
رحموں میں کاسٹک کے محلول کا ٹیکہ لگاتا تھا۔
- کارل کلابرگ نے مصنوعی مادہ تولید کے تجربات قیدی عورتوں پر کیے۔
- ہارسٹ شومان نے باہوش اور بغیر اینستھیزیا کے استعمال کے مردوں کو آ
اور انہیں پاگل بنانے کے اقدامات کیئے۔
- کارل برانڈ نے میڈیکل کلنگ یعنی 'علاج کے نام پر موت دینا' کے
فارمولے ایجاد کیئے اور ان پر عمل بھی کیا۔
- ورنر ہائڈ نے جرمن خفیہ گستاپو کے لیے ایذا دہی کے کئی طریقے مرتب کیے۔

اور بھی بہت، بہت لوگ ہیں اور یہ سب کے سب "آخری حل" میں فیوہرر
ہم سفر تھے اور وہ اپنی طبی مہارتوں کو غلط طور پر ظلم و بربریت کے فروغ' تشدد برائے
اور مرگِ انبوہ کے لیے رضا کارانہ طور پر استعمال کرنے میں پیش پیش تھے۔

========☆========

19

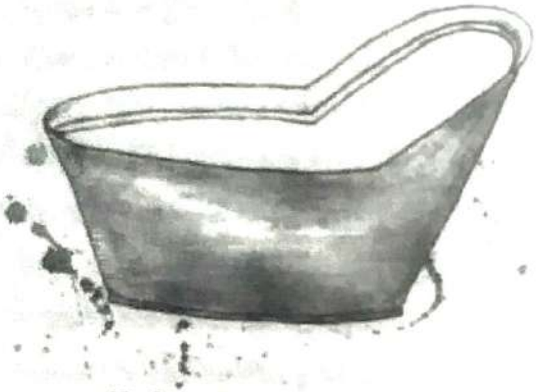

الزبتھ باتھوری

(1560ء تا 1614ء)

"اور زیادہ ــــ اور زور شور سے' اور سختی سے ــــ"

کونٹس الزبتھ باتھوری خواتین مجرموں
پر تشدد کرتے ہوئے اپنے خادموں سے کہتی۔

الزبتھ باتھوری نے اپنے نام کو ایک اور نام دیا جسے وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہوئے ہم الزبتھ باتھوری لفظ کو "بلڈ باتھ" (خون کا غسل) کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

کلاسیکی الفاظ "وحشی" اور "ناقابل فہم قتل عام" الزبتھ باتھوری کی ذات سے

وابستہ نظر آتے ہیں کیونکہ وہ بلا ناغہ درجنوں نوجوان لڑکیوں (عام طور پر کنواری) پر تشدد کر کے قتل کر دیتی۔ ان کلاسیکی الفاظ کا پھیلاؤ کونٹیس الزبتھ باتھوری کے حوالے سے مزید بڑھ جاتا ہے جب ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ وہ ان معصوم لڑکیوں کو قتل کرنے کے بعد کیا کرتی تھی۔ وہ ان دوشیزاؤں کا خون ان کے جسموں سے نچوڑ کر ایک ٹب میں اکٹھا کرتی اور اس خون میں ایک لمبا اور پرتکلف غسل کرتی۔ اس کا یقین تھا کہ اس غسل سے وہ نئے سرے سے جوان ہوگی اور اس کی جلد صحت مندی سے چمک اٹھے گی۔

دوشیزاؤں کے خون سے دوبارہ جوانی حاصل کرنے کا نسخہ الزبتھ باتھوری کے ہاتھ ایک خوشگوار اتفاق سے آیا۔ وہ اپنی ایک نوجوان خادمہ سے اپنے بالوں میں کنگھی کروا رہی تھی کہ اتفاق سے کنگھی نے اس کا ایک بال اس زور سے کھینچا کہ وہ اسے تکلیف دیتے ہوئے اس کے سر سے اکھڑ گیا۔ الزبتھ تکلیف سے غصے میں آ گئی اور اس نے خادمہ کی ناک پر اس زور سے گھونسہ مارا کہ ناک سے خون کا ایک فوارہ پھوٹ نکلا جو الزبتھ کے چہرا اور بازو پر گرا۔ جب الزبتھ نے خون صاف کیا تو اسے اپنی جلد نرم، خوبصورت اور حسین معلوم ہوئی۔ اس کا یہ وہم یقین کی حد تک پکا ہوگیا کہ خون نے اس کی جلد کو تازگی اور حسن بخشا ہے۔ اس واقعہ سے الزبتھ کو تحریک ملی اور اس نے کنواری نوجوان لڑکیوں کے خون سے غسل لینا شروع کر دیا۔

کچھ مورخ کہتے ہیں کہ الزبتھ کی خادمہ کی ناک کے خون کی کہانی الزبتھ باتھوری کے دوشیزاؤں کے خون سے نہانے اور خون میں دوبارہ جوانی عطا کرنے کی قوت ہونے پر یقین کے بعد گھڑی گئی ہے۔ اگر یہ سچ بھی ہے تو تھوڑے سے خون کی کرامت دیکھنے کے بعد ایک بااختیار کونٹیس کا ویسے ہی خون میں ڈوب کر نہانے کی تک تو بنتی ہے۔

الزبتھ اپنے ہاں ملازمت دینے کے بہانے پہلے تو اردگرد کے علاقوں سے لڑکیاں اغوا کراتی۔ پھر بہانے سے ان پر تشدد کرتی اور جان سے مار کر خون حاصل کرتی۔ بعض اوقات وہ لڑکیوں کو اپنی نگرانی میں ایک قسم کی قید میں رکھتی۔ ان کو کھلاتی پلاتی اور موٹا تازہ کرتی۔ اس کو یہ بھی یقین تھا کہ لڑکی جتنی زیادہ صحت مند ہوگی اتنا ہی زیادہ اور تندرست خون اس کے بدن سے حاصل کیا جا سکے گا۔ الزبتھ کی بدفطرتی کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہوگا کہ وہ ان بیچاری لڑکیوں کو اپنی شیطانی رسومات ادا

کرنے اور کاسمیٹکس کے طور پر ان کا خون استعمال کرنے اور جان سے مارنے سے پہلے اور کیا کیا کرتی؟ اس نے اپنے قلعے کی پہنائیوں میں ایک خصوصی کمرہ بنا رکھا تھا جس کا نام ”عزت مآب نواب زادی کا اذیت کدہ“ تھا۔ وہ اپنی خادم اور دیہاتی لڑکیوں کو روزانہ وہاں لاتی۔ وہ ان کو یہاں تربیت دینے یا سزا دینے کے لیے لاتی۔ کوئی دیا گیا کام نہ کرنے کے بہانے یا کوئی گھریلو کام سلیقے سے نہ کرنے کے عذر پر ان کو پیٹتی یا پٹواتی یہ ایذا رسانی وہ محض اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لیے کرتی کیونکہ اس کا مزاج اذیت پسند تھا۔

وہ اپنے شکار کو اذیت دینے کے لیے نئے نئے حربے استعمال کرتی۔ خاص طور پر وہ لڑکیوں کی چھاتیوں کے سروں اور انکے ہونٹوں میں سویاں چبھو کر خوش ہوتی۔ وہ پاؤں اور ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے بھی سویاں گھسیڑنا پسند کرتی اور جب لڑکیاں تکلیف سے شور مچاتیں تو وہ قہقہے لگا کر ہنستی۔ آہستہ آہستہ اذیت میں اسے خاصا لطف آتا۔ کبھی کبھی وہ کسی لڑکی کو عریاں حالت میں ایک فولادی پنجرے میں بند کر کے اس کے اوپر شہد انڈیل کر جنگل میں لے جاتی اور وہاں اسے درندوں اور کیڑے مکوڑوں کو کھاتے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ بعض اوقات وہ ایسے پنجروں کو چھوٹے چھوٹے استروں اور کانٹوں سے آراستہ کر کے لڑکی سمیت اپنے اذیت کدے کے اندر لٹکا دیتی۔ پھر وہ اپنے ہاتھ میں ایک آگ پر سرخ کی گئی تلوار لیتی اور لڑکی کو داغنے یا زخم لگانے کے لیے اسے بلند کرتی۔ لڑکی خوف سے کسی بھی سمت جھکتی یا سمٹتی تو استرے اور کانٹے اسے کاری زخم لگاتے جن سے اس کا خون ٹپکنا شروع ہو جاتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ عجلت میں کانٹے اس کے جسم میں پیوست ہو جاتے اور اس کی حالت میخیں ٹھونک کر ہلاک ہونے والوں جیسی ہو جاتی۔

ایک مرتبہ اس نے ایک لڑکی کے جسم کا خوبصورت گوشت کا بڑا سا ٹکڑا کاٹا۔ پھر اسی لڑکی کو اس ٹکڑے کو پکانے کو کہا۔ جب وہ مظلومہ اپنے ہی گوشت کو پکا چکی تو پھر اسے وہی گوشت کھانے کو بھی کہا۔ اس کا ٹیڑھا دماغ جو کچھ بھی اسے سجھاتا وہ اسے نبھاتی۔ وہ جلتی ہوئی موم بتی اٹھاتی اور اس سے اپنے شکار کو داغ دیتی۔ پگھلتی موم جسم کے سوراخوں کان ناک وغیرہ میں ٹپکاتی اور دوسروں کی ان اذیتوں سے چیخ و پکار سن کر کیف محسوس

کرتی۔ وہ سرخ چمٹوں سے بھی خوبصورت جسموں کو داغ داغ کر کے شادماں ہوتی۔ وہ ہر اس کام سے خوش ہوتی جس سے اس کی اپنی ہی صنف یعنی صنف نازک کی بے عزتی ہوتی۔ وہ اپنے دانتوں سے خواتین کے جسموں کو نوچنے میں بھی سرشاری محسوس کرتی۔ اس کا چہرہ اکثر ایسی حیوانی کارروائیوں سے خون آلود ہی نظر آتا۔

اسے چند مخصوص افراد کی خدمات حاصل تھیں جن میں بری عادات والے اشخاص، جادوگر، بونے اور خدمت گزار نرسیں شامل تھیں۔ اسے بلاوجہ ہی ”ٹرانسلوینیا کی خونی نواب زادی“ نہیں کہا جاتا تھا۔ بہت سے مورخین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ الزبتھ باتھوری کونٹ ڈریکولا سے متاثر تھی۔ اس کی اپنی تاریخ بھی ولاد سوم ڈریکولا (میخیں ٹھوکنے والا) سے ملتی جلتی تھیں۔

الزبتھ ہنگری کے شاہی خاندان سے تھی۔ اس خاندان کے تاج پر اژدھا بنا ہوا تھا جیسا کہ ولاد سوم ڈریکولا کے خاندان کا تھا۔ الزبتھ کے خاندان میں بچوں کی پرورش کے بارے میں ذمہ داری کا رویہ کافی عجیب اور ناگوار تھا اور الزبتھ باتھوری کی درندگی میں اس کی نامعقول پرورش کا حصہ تھا۔

وہ حیران کن طور پر خوبصورت تھی۔ وہ چمکدار سیاہ بال، مرمریں جلد، نرم بھوری آنکھیں اور خواہش نفس سے بھرا جسم رکھتی تھی۔ وہ ایک ہم جنس پرست تھی اور اس کی چچی نے اس سلسلے میں اس کی خاصی راہنمائی کی تھی جو کہ خود بھی ہم جنس پرست تھی۔ ہم جنسی کے علاوہ اذیت پسندی اور خونخوار فطرت اس کا طرہ امتیاز تھی۔ اس نے پندرہ سال کی عمر میں دیکھ بھال کر شادی کی تھی لیکن اپنی جنس پرستی اور سادیت کی وجہ سے وہ ایک خاوند پر قناعت نہ کر سکی۔ 1610ء میں وہ رنگ رلیاں مناتی پکڑی گئی تھی۔ اذیت پرستی اس کا دوسرا جرم تھا۔ ایک کونٹ کو اس کے جرائم کی تحقیقات پر مامور کیا گیا کیونکہ پورے علاقے سے بہت سی نوجوان لڑکیوں کے غائب ہو جانے کی اطلاعات مل رہی تھیں۔

اس کے ہمراہ اس کے بہت سے ساتھی بھی گرفتار کیے گئے۔ وہ اس لیے اس کا ساتھ دے رہے تھے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کی اپنی جانیں بھی انہیں طریقوں سے ضائع کر دی جاتیں جس طرح الزبتھ دوسروں کی کر رہی تھی۔ اس کی ساتھی دو جادوگرنیاں

الونا اور ڈوروٹا بھی الزبتھ کے ہاتھوں انجام کو پہنچیں تھیں۔ ان کی انگلیاں ان کے جسموں سے نوچ لی گئی تھیں اور انہیں زندہ جلا دیا گیا تھا۔

الزبتھ کو تاحیات قید کی سزا دی گئی وہ اپنی قید کی کوٹھڑی ہی میں 1614ء میں نامعلوم وجہ سے مردہ پائی گئی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس نے ایذا رسانی سے کم از کم 650 دوشیزاؤں کو ہلاک کیا تھا۔

☆

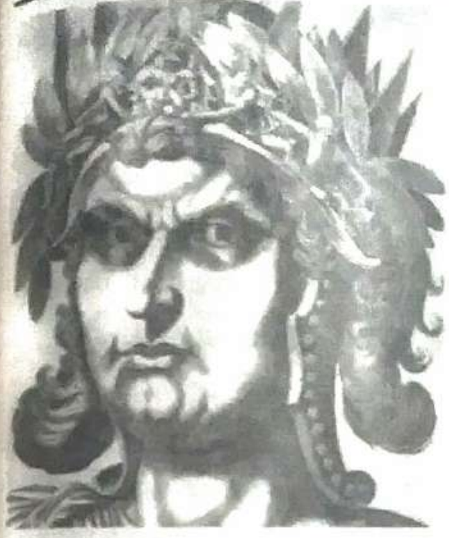

20

نیرو

(37ء تا 68ء)

’’میرے ساتھ ہی ایک فنکار مر گیا۔‘‘

’’لائف آف نیرو‘‘ سے

نیرو ہی کا جملہ

نیرو ایک ایذا پرست ظالم اور کجرو بادشاہ تھا۔ اس نے روم پر 54ء سے 68ء تک حکومت کی۔ وہ 37ء میں پیدا ہوا اس کا ابتدائی نام لوی اس ڈومیٹیس تھا۔

رومی مورخ ٹیسی ٹس اپنے تاریخی مواد 15 میں لکھتا ہے کہ کس طرح اس نے ’’کریٹیانی‘‘ لوگوں کو روم کی [illegible] کے حوالے سے قربانی کا بکرا بنایا اور اس نے ان لوگوں

کو گرفتار کیا اور کیا کیا اذیتیں دیں۔ وہ لکھتا ہے:

’’نہ ہی انسانی ذرائع اور نہ ہی شاہ کی فیاضی اور نہ ہی دیوتاؤں کی ڈھارس اس شک کو رفع کر سکتی ہے کہ روم کو آگ خود نیرو نے لگائی۔ اس افواہ کو دبانے کے لیے اس نے قربانی کے بکرے تراشے اور ان کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ یہ لوگ جنہیں ’’کریسٹیانی‘‘ کہا جاتا ہے اپنے جرائم کی وجہ سے نفرت کی آماجگاہ تھے۔ اس نام کا موجد کرائس ٹس تھا۔ جسے ٹیرائسس کے دور میں شہزادگی ہی کے ایام میں ناظم سلطنت روم پونٹی اس کے حکم سے موت کی سزا دی گئی۔ اگرچہ اس ظلم کے باوجود فوری طور پر نامعلوم خوف کی دہشت انگیز افواہیں نہ صرف جوڈیا میں پھیلیں بلکہ پورا شہر روم اس کی گرفت میں آ گیا کیونکہ روم میں اس وقت تمام حیا سوز اور نفس پرستانہ سرگرمیاں ساری دنیا سے زیادہ عروج پر تھیں اور خوب نشوونما پا رہی تھیں۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو جنہوں نے تسلیم کیا کہ وہ کریسٹیانی ہیں گرفتار کیا گیا اور ان کی نشاندہی پر بہت سارے لوگوں کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ انہیں آگ لگانے کے لیے دوسروں کو اکسانے کے جرم میں سزا نہیں دی گئی بلکہ انہیں نسل انسانی سے نفرت کی وجہ سے کچلا گیا۔ ان کی اموات کو جشن کا سامان بنایا گیا۔ انہیں جنگلی جانوروں کی کھالیں پہنائیں گئیں اور ان پر شکاری کتے چھوڑے گئے یا انہیں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا گیا۔ زندہ جلانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ دن کے بعد انہیں آتشبازی کے نمونے بنا دیا گیا۔ اس مقصد کے لیے نیرو نے اپنے باغات بھی دیئے اور انسانی قتال کو سرکس کی جزیات بھی بنا دیا۔ موت کی سزا سے پہلے ان کی نمائش رتھوں پر کی گئی۔ باوجود اس کے کہ ملزمان سخت سے سخت سزا کے مستحق تھے لیکن عامتہ الناس کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں کیونکہ سب لوگ جانتے تھے کہ ان کی قربانی محض ایک شخص نیرو کی خاطر دی جا رہی ہے۔

روایتی افسانہ یہ ہے کہ نیرو بخوبی سمجھتا تھا کہ جن رومیوں کا وہ حکمران ہے ان کی فطرت کیا تھی؟ ان کے اندر خون کی اشتہا عروج پر تھی اور اس امکان سے خوفزدہ تھا کہ اس پر روم کو آگ لگانے کا الزام لگایا جائے گا اور بے گھر، بھوکے اور غصے سے بھرے عوام پھر سنبھالے نہیں سنبھلیں گے۔ (اس نے جلتے روم کو دیکھ کر خوشی سے بنسی بجائی تھی کیونکہ پہلی صدی عیسوی میں ابھی دیگر آلات موسیقی ایجاد نہیں ہوئے تھے۔)

مسیحی اس کے اس مسئلے کا حل تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں مسیحیت کو ابھی پرستی ہی سمجھا جاتا تھا اور کفار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور مسیحوں "فلسفہء جسم اور خون" کو آدم خوری کے مترادف سمجھتے تھے۔

رومن لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ بچوں کو اغوا کر کے موت کے گھاٹ رہے ہیں تا کہ وہ اپنی رسومات میں جسم اور خون پیش کر سکیں' لہٰذا نیرو نے یہ اعلان کیا عیسائیوں نے ہی روم کو آگ لگائی جو مسلسل چھ دن جلتی رہی۔ اس اعلان سے ظالمانہ و غارت کی ابتدا ہوئی۔ نیرو تشدد اور حقارت کی وجہ سے وحشی اور بدچلن تھا اور اس احکام بھی عیسائی لوگوں کی مخالفت میں تھے۔

بادشاہ کی محبوب رتھ دوڑ رات کو شروع ہوئی۔ سڑکوں پر روشنی کے لیے سینکڑوں مشعلیں جلائی گئیں۔ ایمفی تھیٹر کو بھی خوب روشن کیا گیا۔ مسیحیوں پر ایک بھرپور حملے بعد نیرو کو ایک خیال سوجھا کہ جو لکڑیاں مشعلیں روشن کرنے کے لیے بچی پڑی ہیں ا مسیحیوں کو جلانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی دوڑ کی مشعلوں لکڑیوں کے ساتھ انسانی ڈھانچوں کو بھی استعمال کیا۔ بہت سے مسیحیوں کو گرفتار کر کے ان کو برہنہ کیا گیا۔ انہیں تارکول میں ڈبونے کے بعد انہیں کیل ٹھونک کر درختوں سے لٹکا گیا اور پھر انہیں چراغاں کرنے کے لیے آگ لگا دی گئی۔

مزید برآں نیرو نے یہ بھی حکم دیا کہ بوڑھے عیسائیوں اور بچوں کو عورتوں سمیت تماشا دیکھنے آنے والوں کے سامنے جنگلی درندوں کے سامنے اکھاڑوں میں پھینک دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے بہت سے لوگوں کو سرعام پھانسیاں دیں اور دیگر بیان نہ کئے جانے والے طریقوں سے لوگوں کو موت کے حوالے کیا گیا۔ بعض اوقات وہ دوسروں کو عبرت دلانے کے لیے روم کو آنے والی شاہراہوں کے کنارے اپنے گھناؤنے تشدد کے عبرتی نمونوں کی نمائش بھی کرتا۔ علاوہ ازیں دل کے لطیف جذبات سے عاری اس سادیت پرست بادشاہ نے اپنے لہو و لعب اور رنگ رلیوں کی خاطر ایک محل بھی تعمیر کیا اور عندیہ یہ دیا کہ اب وہ ایک عام انسان کی طرح باقی کی زندگی بسر کرے گا۔

عیسائیوں پر اس کا ظلم و تشدد اس کی اس زندگی کا حرف آخر تھا جس میں اس نے انتہائی انسانیت سوز ظلم کئے تھے۔ جبکہ اس کی عمر صرف 21 برس کی تھی تو اس نے اپنی ماں اگری پینا کو قتل کروا دیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد جب اس کی ماں کی لاش جلائی جا چکی تو اس نے اپنی حاملہ بیوی پوپائی سینا کو ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کر دیا کیونکہ اس نے اسے غصہ دلایا تھا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس نے حضرت مسیحؑ کے دو حواریوں پیٹر اور پال کو بھی ہلاک کروا دیا تھا۔

اس کی زندگی کا حقیر ورثہ یہ ہے کہ وہ ایک عذاب دہندہ' قاتل اور تباہی و بربادی لانے والا مسیحیت کا مخالف درندہ تھا۔ اس کی ایذا رسانی کا سلسلہ اس کی موت کے بعد بھی جاری رہا۔ جب کبھی کوئی قدرتی آفت آندھی' طوفان' گردباد یا شدید برف باری اہل روم کو آ لیتی تو اہل روم اس کا بوجھ عیسائیوں پر ڈال دیتے اور ان کی پکڑ دھکڑ شروع کر کے ان کو عذاب دہی کا ایک سلسلہ شروع کر دیتے۔ یہ سلسلہ 313ء تک چلتا رہا اور اس کے بعد میلان سے جاری ہونے والے فرمان کے تحت عیسائیت کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح عیسائیوں کو عذاب دہی اور ایذا رسانی سے نجات ملی لیکن نیرو کے دور کے مظلوموں کے لیے یہ بڑی تاخیر کی بات تھی۔

=======☆=======

21

بنی تو مسولینی

(1893ء تا 1945ء)

''یہاں دنیا کے ذہین ترین جانوروں میں سے ایک جانور جو اس کرہ ارض پر ظاہر ہوا، سو رہا ہے۔''

(مسولینی کا اپنا لکھا ہوا کتبہ قبر)

25 جون 2001ء کے لنڈن کے اخبار گارڈین کے شمارے میں مشہور و معروف صحافی روری کیرول نے ''اٹلی کا خونی راز'' کے عنوان سے ایک آرٹیکل لکھا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ بنی تو مسولینی کے حملہ آور سپاہیوں نے ہزاروں شہریوں کو قتل کیا، ریڈ کراس کے مراکز پر بم برسائے، زہریلی گیس پھینکی، کیمپوں میں دودھ پیتے بچوں کو بھوکے مارا اور

ایسے معاشروں کو تباہ کیا جو انہیں گھٹیا نظر آئے۔ ازاں بعد کیرول نے جیمز والسٹن امریکن یونیورسٹی آف روم کے ایک مورخ کا جملہ بھی لکھا ہے: ''مسولینی کے دور میں فاشزم کے جرائم کے حوالے سے عوام سے اور عوامی نمائندوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کیا جا سکا جس کا موازنہ فرانس کے وشے یا جاپانیوں کے جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد کی ذمہ داریوں سے کیا جا سکے۔

مسولینی کو ان جرائم کی وجہ سے اس کتاب میں جگہ دی گئی ہے کہ اس کے احکامات کی بنیاد پر ہی اس کی افواج نے استیصالی کارروائیاں کیں۔ اس کا اڈولف ہٹلر کے خطوط پر چلنا، 1938ء میں نازی جرمنی کی وضع کردہ قابل نفرت نسلی پالیسیوں پر عمل کرنا، اور اسی کی طرح اٹلی کے یہودیوں کو ایذا رسانی اور ظالمانہ کارروائیوں سے تباہ و برباد کرنا شامل ہے۔

بنی ٹو دوم (یعنی راہنما) مسولینی 29 جولائی 1893ء کو اٹلی کے شہر پری دا پیو کے مقام پر پیدا ہوا۔ وہ ایک تیکھا، ناقابل اصلاح اور مشکلات پیدا کرنے والا طالب علم تھا لہٰذا اسے مذہبی رہائشی سکول سے خارج کر دیا گیا کیونکہ اس نے اپنے ایک ہم جماعت کو بھی چاقو سے پشت پر زخم لگا کر زخمی کر دیا تھا۔ اپنے شباب کے اولین دور میں وہ سوشلسٹ اخبارات ''دی کلاس سٹرگل'' اور ''آونتی'' کے ادارتی عملے میں بھی شامل رہا۔ آہستہ آہستہ اس نے فاشزم کے فلسفہ کو اپنا لیا۔ فاشزم کا فلسفہ شدید قسم کی قوم پرستی کا حامل ہے اور قومی وحدت کے نام پر شخصی آزادیوں کے خلاف ہے، گویا فاشزم قومی تعصب کے اصولوں کا حامی ہے۔ کمیونزم کی طرح فاشزم ہر قومی تعمیر اور پیداوار کے ادارے کو ریاست کی ملکیت میں لینے اور تمام معیشت میں مساوات قائم کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

جنگ عظیم اول کے دوران مسولینی اخبار ''اٹلی کے عوام'' (پیپلی دی اٹالیہ) کی ادارت کر رہا تھا۔ اگرچہ یہ اخبار سوشلسٹ ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا اور سوشلزم کے خیالات و نظریات کا پرچار کرتا تھا لیکن جلد ہی مسولینی اٹلی کو جنگ کی طرف راغب کرنے لگا اور وہ بھی اتحادیوں کی حمایت میں ــــ یہ اس کی ذہانت تھی کہ اس نے اس مقصد کے لیے اٹلی کے عوام کی قوم پرستی کے رجحانات سے کام لیا اور اس مقصد کے لیے اس نے اٹلی کے عام

کارکن لوگوں کو خوب اکسایا۔ خود مسولینی نے اپنی خدمات فوج کے سپرد کر دیں کے اختتام سے ایک سال قبل 1917ء میں وہ زخمی ہو کر فوج سے فارغ ہوا۔

ڈینس میک سمتھ مشہور مورخ نے اپنی کتاب ''مسولینی'' جو 1982ء ہوئی میں لکھا: ''ہر اس آدمی کے لیے جو مسولینی کی تحریریں پڑھتا رہا ہے اس کی تقر تھا یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ قوم پرست بنتا جا رہا تھا اور اس کا یہ اقدام کی بہبودی و بہتری کے لیے تھا۔۔۔'' تاہم یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ کے خطے میں امپیریل ازم یعنی سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا تھا اور وہ ایک بار پھر یورپی تہذیب کا مرکز بنا دینا چاہتا تھا۔ جنگ کے اختتام کے ساتھ ہی اس نے عقیدہ لوگوں کی ایک نیم فوجی تنظیم کالی قمیصیں پہننے والے ''فیشی ڈی کمبیٹ'' تنظیم کے کارکنوں نے سوشلسٹ اور کمیونسٹ مخالفین سے پرتشدد جھگڑے بھی فاشسٹوں نے 28 اکتوبر 1922ء کو روم میں پریڈ بھی کی۔ یہی جرات مندانہ اقدام مسولینی کے اقتدار حاصل کرنے کا سبب بنا۔ اس نے اٹلی کے آمر کے طور پر کام آغاز جمعہ کے دن 31 اکتوبر 1922ء سے کیا۔

اقتدار سنبھالتے وقت مسولینی کی عمر 39 برس تھی۔ وہ اٹلی کی تاریخ میں سے کم عمر وزیر اعظم شمار کیا جاتا ہے۔ اٹلی کے بادشاہ وکٹر ایمانوئیل' مسولینی کی ان سے مرعوب ہو کر کہ اس سے اقتدار زبردستی چھین لیا جائے گا نوجوان فاشسٹ اختیارات منتقل کر دیئے اور ایک سال کے اندر اندر اس نے اٹلی پر مکمل تصرف کر لیا۔ 1928ء میں مسولینی نے کہا: ''اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جمہوریت تجربات کیے گئے جبکہ بیسویں صدی فاشزم کی صدی ہوگی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حیثیت سے جمہوریت خوبصورت ہے لیکن عملی حیثیت سے محض فریب کاری ہے۔''

یہ مسولینی کی خوش قسمتی تھی کہ اٹلی کے عوام نے اسے ایک نجات دہندہ کے پر خوش دلی سے قبول کیا۔ مسولینی کے اندر یہ صفت تھی کہ وہ لوگوں کو متاثر کرنے ڈرامائی انداز کی تقریریں کر سکتا تھا۔ تشبیہات و استعارات کے علاوہ تاریخی حوالے بھی تھا اور لوگوں سے کام لے سکتا تھا۔ اس کے دور میں کچی سڑکوں پر اینٹیں لگائی مزدوروں نے ہڑتالیں بند کر دیں' پل اور پبلک عمارات بنائی گئیں۔ اس کے دور

کارنامہ بڑا عظیم خیال کیا جاتا ہے کہ ریل گاڑیوں کی آمدورفت وقت پر ہونے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ مسولینی نے ایک سٹیشن ماسٹر کو کہا: ''ہمیں وقت پر اپنے کاموں کو جانا ہے—— آج سے سب کچھ وقت پر اور مکمل طور پر ہوگا۔''

1929ء میں انفانتا یولیلیا چینی انسل نے ''جنگ عظیم کے بعد عدالتیں اور مملکتیں'' ایک کتاب لکھی۔ جس میں اس نے لکھا کہ جب اٹلی کے علاقے میں سے گزرا جاتا ہے تو مسولینی کے عہد حکومت کی اولین بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریل گاڑیاں اوقات کے مطابق چل رہی ہیں۔'' تاہم مورخ والیر ولنٹر لکھتا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ''فاشزم نے ریل گاڑیوں کو وقت پر چلا لیا ہو لیکن اس اٹلی کو بھی تو ایک غیر مہذب' راشی' روکھا پھیکا اور کنگال مسائل کا معاشرہ بنا دیا جہاں خوف اور ذہنی افلاس کی حکمرانی ہے۔''

مسولینی کی انتظامی صلاحیت بھی محض دھوکہ فریب ہی تھی۔ لوئی جی بارزینی جو اس آتشیں آمر کو خوب جانتا تھا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ وہ (مسولینی) سراب کو پانی ثابت کر دکھانے والا شخص تھا۔ جدیدیت اور صنعتی سرمایہ کاری کے مناظر کے پیچھے لاکھوں اطالوی ابھی تک زمانہ قبل از تاریخ کی عفونت بھری زندگی گزار رہے ہیں جبکہ عوام کے بہت سے بنیادی مسائل کو عملی طور پر چھوا بھی نہیں گیا۔

اکتوبر 1935ء میں مسولینی نے جمع تفریق کی ایک عظیم غلطی کی۔ یہ غلطی اس کے بڑے کاموں کے کرنے کے واہمہ کا اور کچھ ان آمریت پرستوں جو اٹلی میں بھی اور اٹلی سے باہر کی دنیا میں بھی مسولینی کی خوشامد اور چاپلوسی کر رہے تھے کی نامعقول تحریکات کا نتیجہ تھی کہ اس نے اپنے ایک یورپی کامریڈ اڈولف ہٹلر کی اعانت کے بل پر ابی سینیا (ایتھوپیا) پر 9 مئی 1936ء کو حملہ کر دیا اور چار لاکھ نفوس کے ایک مجمع میں اعلان کیا کہ نے دنیا میں ''اطالوی سلطنت'' کے قیام کی بنیاد رکھ دی ہے۔

اس اودھم مچانے والی توسیع پسندی کے خلاف دنیا بلبلا اٹھی۔ لیگ آف نیشنز نے مسولینی کے خلاف معاشی پابندیاں عائد کر دیں لیکن اس نے ابی سینیا کے تیل کی درآمد پر کوئی پابندی عائد نہ کی اس لیے اطالوی قبضہ جاری رہا۔ اسی سال ہٹلر اور مسولینی نے ایک معاہدہ کیا جس کا نام محور (Axis) تھا۔ اس معاہدے میں اولین حیثیت جرمنی کو حاصل تھی جبکہ اٹلی کی حیثیت دوسرے درجے پر تھی۔ جاپان اس معاہدے میں 1940ء

میں شامل ہوا۔ 1938ء میں مسولینی نے جرمنی کی نسل کشی کی پالیسی اختیار کی اور یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔

اپریل 1939ء میں غلط راہنمائی کے نتیجے میں البانیہ پر حملہ کر دیا اور جر زور دیا کہ وہ وہاں سے اس کی فوجوں کی خلاصی کرانے میں اس کی مدد کرے۔ 10 1940ء کو اٹلی باضابطہ طور پر جنگ عظیم دوم میں شامل ہوگیا۔ 1943ء میں اتحادی اف کی سسلی میں فوجیں اتارنے کی کامیابی پر مسولینی کے مخالفین نے اس سے اقتدار چھین اور اسے روم میں نظر بند کر دیا۔ اسی سال ستمبر میں جرمن افواج نے مسولینی کو رہائی دلا اور ہٹلر نے اسے ایک کٹھ پتلی حکومت کا سربراہ بنا دیا جس کا نام ''شمالی اٹلی کی سو جمہوریہ'' تھا۔ دو سال بعد جرمنی نے مسولینی کو مخالف سیاسی فریق فاشزم کے مخالفین کے وکرم پر چھوڑ دیا۔ وہ جرمن وردی میں سوئٹزرلینڈ فرار ہوتا ہوا گرفتار کر لیا گیا۔ اتوار کے 28 اپریل 1945ء کو مسولینی، جو ڈیوس دوم رہا اور اس کی محبوبہ کو گولی مار دی گئی اور ان دونوں کی لاشوں کو دیگر فاشسٹوں کی لاشوں کے ساتھ میلان شہر کے ریلوے اسٹیشن پر نمائش کے لیے الٹا لٹکا دیا گیا۔

1932ء میں مسولینی نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا کہ ''ہر شخص اس موت مرتا ہے جو اس کے کردار سے مطابقت رکھتی ہے۔''

========☆========

22

ہینزک ہملر

(1900ء تا 1945ء)

''ہمارے سامنے ایک بڑا سوال یہ تھا کہ عورتوں اور بچوں کا کیا کیا جائے؟ میں نے اس سوال کا بھی واضح حل تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں آدمیوں کو نابود کرنے میں خود کو انصاف پر نہ پاتا تھا۔۔۔ یہ کہ ان کو مار دیا جائے یا مروا دیا جائے۔۔۔ اور کل کو ہمارے بیٹوں اور پوتوں سے بدلہ لینے والوں کو بچوں کی شکل میں پھلنے پھولنے دیا جائے۔ یہ ایک مشکل فیصلہ تھا کہ ان لوگوں کو بھی صفحہ ہستی سے غائب کر دیا جائے۔''

ہیزک ہملر اکتوبر 1943ء

ہیزک ہملر 1900ء میں میونخ شہر میں ایک کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا۔ تیسری ریکش (ریکش کے معنی "سلطنت" کے ہیں۔ ہٹلر نے اپنی حکومت کو یہی نام دیا تھا۔ وہ یہ عظیم سلطنت قدیم رومن سلطنت کے انداز میں قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا پیشرو اس صدی کے چانسلر آتو وون بسمارک کی حکومت کو خیال کرتا تھا۔) میں گستاپو کا سربراہ تھا۔ وہ 1943ء سے 1945ء تک جرمنی کا وزیر داخلہ رہا۔ اس نے یہودیوں کے اجتماعی قتل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس نے 1945 میں سائی نائیڈ کا کیپسول کھا کر اپنی زندگی کو اس وقت ختم کیا جب اس کو جنگی جرائم کے نیورمبرگ کے مقدمات میں پیش کیا جانے والا تھا اور اس نے اپنے فرار کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔

اڈولف ہٹلر کے بعد ہنرک ہملر ادوسرا بڑا نازی لیڈر تھا۔ وہ گھٹیا لوگوں کے خ کرنے کے لیے تشکیل دیئے گئے کیمپوں اور دنیا کو گھٹیا نسلوں سے پاک کرنے' تاکہ عظیم جرمن نسل پھل پھول سکے' کے "عظیم" اور بے مثل کام کا نگران اعظم تھا۔ جنوری 1937ء میں اپنی تقریر کے اندر اس نے زہر کے استعمال سے گھٹیا نسلوں کی صفائی کرنے کے منطق سے انحراف کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ وراثت کا کوئی زندہ ثبوت موجود نہیں اور نسلی قوانین کا کوئی نمونہ ان مرکزی کیمپوں میں موجود نہیں۔ وہاں ایسے لوگ ہیں جن کے سروں میں پانی اور پیپ بھری ہوئی ہے' آنکھیں ہیں کہ بار بار جھپکی جا رہی ہیں' بگڑی ہوئی شکلوں والے نیم یہودی۔۔۔ اور بے شمار گھٹیا اور کمینے لوگ ہیں۔

ہملر کو یقین تھا کہ ایسے لوگ جنہیں کوئی بھی جسمانی نقص ہے یہاں تک کہ ایسے لوگ بھی جن کو بینائی کی کمزوری کے باعث آنکھیں سکیڑ کر اشیا کو دیکھنا پڑتا ہے نسلی طور پر گھٹیا لوگ ہیں۔ اس قسم کی الٹی سیدھی دلائل کی بنا پر اس نے زندگی کا چشمہ نامی ایک تربیتی درس گاہ قائم کی جس میں ہٹلر اور نازی پارٹی کے نسلی تعصب کی بنا پر بہترین نسل کی پرورش کی جاتی تھی۔

شمال مغربی یورپ کی خوبصورت عورتوں کو اس تربیتی درس گاہ میں بہترین نسل حاصل کرنے کے لیے رکھا گیا جہاں جرمن فوجی اور افسران ان سے ملتے تھے۔ اس میل جول کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے جینن کی حیثیت سے بھی جسمانی اور ذہنی طور پر بہترین نسل شمار کیے جاتے تھے اور ان کی پرورش ریاست کے اخراجات پر ہوتی تھی۔ لیبنز

بارن (زندگی کا چشمہ) کی سائنسی حیثیت سے قطع نظر یہ ایک انسانی (گھوڑوں کی نسل کشی کی طرح کا) نسل کشی کا فارم تھا۔ جہاں جرمن آدمیوں کے انبوہ کے انبوہ ان عورتوں سے ملتے تھے جو ملاقاتوں پر دلی طور پر راضی تو نہ ہوتی تھیں لیکن ان کو جرمن قوم پرستی کی خاطر ملنا پڑتا تھا۔

ہملر جرمن لوگوں کا مقصد حیات تعین کرنے میں کامیاب ہوا۔۔۔ یہ مقصد حیات اس کے اپنے الفاظ میں یوں تھا: "ایسے تمام "نیم انسانوں" کو دنیا بھر سے ختم کرنا جو دوسروں کے ساتھ مل کر جرمنی کی مخالفت کر رہے تھے جو (جرمنی) کہ شمالی مغربی یورپ کی نسلوں کا نیوکلیائی مرکز ہے۔ اور جرمن انسانی تہذیب و تمدن کا نیوکلیئس ہیں اور جنہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ سفید فام نسلوں میں سے جس کو چاہیں زندہ رہنے دیں جس کو چاہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیں گویا وہ ان کی تقدیروں کے مالک ہیں۔"

ہملر کو یہ بھی یقین تھا کہ تیسری ریکش یہودیوں کی نسل کشی میں کامیاب رہے گی اور ان کا یہ کارنامہ ان کی حکومت کی راست بازی کی شہادت ہوگا۔ ہنرک ہملر کے ایک بہت بڑی "برائی" ہونے کی خصوصی وجہ یہ ہے کہ لاکھوں افراد کا قاتل ہونے کے باوجود اس نے انسانی قتال کو فرد کی ذمہ داری نہیں بننے دیا بلکہ اسے جرمنوں کا عظیم کارنامہ قرار دیا اور اس حقارت آمیز جرم کو ایک عظیم المرتبت نسل کا برتر اقوام عالم کو تحفہ قرار دیا۔ لفظ "بے ضمیر" کے تاثراتی اور لغوی معنی جتنے موزوں ہملر کے لیے معلوم ہوتے ہیں 1930ء سے لے کر آج تک کسی اور پر اس لفظ کے معانی درست طور پر منطبق نہیں ہوئے۔

ہملر نے تین سو افراد کی سربراہی سے اپنے مستقبل کا آغاز کیا۔ یہ تین سو افراد ہٹلر کے ذاتی محافظ ایس۔ ایس۔ قرار دیئے گئے۔ ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے پچاس ہزار ہوگئی۔ پھر ہملر اپنی زندگی کے 36 ویں سال میں جرمن پولیس کا چیف بنا دیا گیا۔ اس عہدہ میں جرمن حکومت کے جملہ اختیارات شامل تھے۔ خفیہ پولیس گستاپو بھی ہملر ہی کے ماتحت تھی اور جس پر بھی یہ خفیہ ہاتھ ڈالتی وہ اجل ہی کے سپرد ہو کر رہتا۔

جب ہٹلر کے "آخری حل" کو بجا لانے کا وقت آیا تو ہملر ہی نے انسانی قتال کے لیے زہریلی گیس کے استعمال کا سوچا۔ اس گیس کو استعمال کرنے کی سوچ ساٹھ لاکھ یہودیوں کی موت کا باعث بنی۔ یہودیوں کے علاوہ اتنی ہی تعداد یعنی ساٹھ لاکھ دیگر افراد

کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہ قتل جنگ عظیم دوم کے اختتام سے پہلے عمل میں آیا کیونکہ

اور ہٹلر نے 1945ء میں خودکشی کر لی تھی۔

اگر ہٹلر نیورمبرگ کے مقدمے کا سامنا کرتا تو اس کا وقار بھی مجروح ہوتا کیونکہ وہ

حکمت عملی کی حمایت کرتا تھا۔ اس مقدمے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں ہٹلر نے تشکیل دی

حکمت عملی تشکیل دی اور اس نے کبھی بھی اس حکمت عملی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور

شہادتوں سے تیسری ریخ کے قیام کے خواب کی تعبیر میں مدد ملی

☆

24

عدی امین

(1925ء تا 2003ء)

"جرمنی وہ ملک ہے جس میں جب ہٹلر وزیراعظم اور افواج کا سپریم کمانڈر تھا تو اس نے ساٹھ لاکھ سے زیادہ یہودیوں کو زندہ جلایا۔ یہ اس لیے ہوا کہ ہٹلر اور دوسرے جرمن یہ سمجھتے تھے کہ اسرائیلی ایسے لوگ ہیں جو دنیا کی بہتری کے لیے کوئی کام نہیں کر رہے اور اس لیے یہودیوں کو گیس کے ذریعے جرمنی کی سرزمین میں زندہ جلایا گیا۔"

کرٹ والڈ ہیم اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری
اور اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کے نام
عدی امین کا تار۔۔۔
12 ستمبر 1972ء

تھامس میلاڈی سابقہ امریکن سفیر برائے یوگنڈا نے اپنی کتاب "عدی امین دادا" جو 1977ء میں شائع ہوئی، میں عدی امین کو "نیا ہٹلر" اور "ہٹلر آف افریقہ" جیسے خطابوں سے نوازا ہے اور عدی امین کے دور حکومت کو "افریقہ میں انسانی قربانی" کا دور شمار کیا ہے۔

میلاڈی نے عدی امین کے دور حکومت کو نازی دور حکومت کے مماثل قرار دیتے ہوئے بہت سی ظالمانہ سزاؤں، مجرموں کو گولیوں سے اڑانے والے فوجی دستوں، ذہین اور نابغہ افراد کے خلاف پابندیوں، انتقامی کارروائیوں، جارحانہ فوجی کارروائیوں اور سب سے بڑھ کر نسل پرستی کے مجرمانہ واقعات کا ذکر کیا ہے۔

1999ء میں افریقہ کے لوگوں نے عدی امین سے نجات کی بیسویں سالگرہ منائی اور "پھر کبھی نہیں" کا ادھورا جملہ اسی طرح گایا جس طرح یہودی "انسانی بربادی" کے حوالے سے گاتے ہیں۔ ایک بار عدی امین نے اڈولف ہٹلر سے متعلق کہا تھا: "اگرچہ کچھ لوگ ہٹلر سے متعلق یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بڑا انسان تھا اور حقیقی فاتح تھا۔ وہ بھی بھلایا نہیں جائے گا۔" اپنے دور اقتدار میں، عدی امین سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک یہودی سے کہا: "میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تم میرے دوست ہو ـــ اور پھر اسے مار ڈالا۔"

(اس تحریر کے وقت عدی امین زندہ تھا اور جب یوگنڈا کے لوگ انصاف انصاف پکار رہے تھے وہ جلاوطنی کی زندگی محفوظ طور پر سعودی عرب میں گزار رہا تھا۔)

1962ء تک یوگنڈا میں برطانوی حکومت رہی۔ اس کی آبادی تقریباً ایک کروڑ تیس لاکھ تھی۔ عوامی کوششوں کے نتیجے میں یوگنڈا کو آزادی ملی تو ملٹن اوبوٹے پہلا وزیراعظم بنا۔ اوبوٹے 1966ء میں یوگنڈا کا صدر بن گیا۔ 25 جنوری 1971ء کو عدی امین جو برطانوی نو آبادیاتی فوج میں سارجنٹ اور ہیوی ویٹ باکسر تھا، نے فوجی بغاوت کے ذریعے یوگنڈا پر تسلط حاصل کیا اور اوبوٹے کو معزول کر دیا۔ یہ عدی امین کے آٹھ سالہ دور جبر و استبداد کی ابتدا تھی۔

عدی امین بطور ایک آمر کے مکمل "برائی" تھا۔ وہ سادیت پرست اور ظالم تھا۔ اس کے ظلم و تشدد کا یہ عالم تھا کہ کچھ لوگوں سے متعلق اس نے یہ فیصلہ دیدیا تھا کہ ان کو

بھوکوں مرتا ہے۔ ان چیختے چلاتے وحشت زدہ افراد کو اس کے سامنے لایا گیا۔ وہ اس سے اپنی جانوں کی خیرات اور زندگی کی بھیک مانگتے رہے لیکن اس نے ان کا تمسخر اڑایا۔ جب وہ ان کی آہ و پکار اور رحم کی التجاؤں کو سن سن کر لطف اندوز ہو چکا تو انہیں قاتلوں کے سپرد کر دیا۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے فوجی دستے کو حکم دیا کہ ماساکا کے سابقہ میئر فرانسس والوجے کو گرفتار کر کے اسے ختم کیا جائے۔ چنانچہ فوجی اسے گرفتار کر کے ٹرائیل ان نامی ریسٹورانٹ میں لے گئے۔ وہاں فوجیوں نے شراب وغیرہ پی اور پھر والوجے کو ہوٹل سے باہر لا کر اسے مکمل طور پر برہنہ کر دیا۔ سیاحوں اور دیگر راہگیروں کے سامنے اس کی کلائیوں اور ٹخنوں کو باندھ کر ایک چاقو کے ساتھ اس کے عضو خاص کو کاٹ دیا گیا۔ وہ چیختا اور چلاتا رہا جبکہ سپاہی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا کٹا ہوا عضو لہراتے رہے۔ اسی حالت میں انہوں نے ماساکا کے سابقہ میئر کو ایک ٹرک میں ڈالا اور نہ جانے اسے کہاں پھینک آئے۔ پھر فرانسس والوجے کا کہیں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب اور کہاں مرا!

1976ء میں کچھ فلسطینیوں نے یوگنڈا سے یاک فرانسیسی طیارہ اغوا کر لیا۔ عدی امین نے کھلے عام اس کارروائی کی تعریف کی بلکہ اغوا کنندگان کو سینے سے لگایا کیونکہ تمام مسافر یہودی تھے۔ انہیں این ٹیبے کے ٹرمینل پر بند رکھا گیا۔ وہاں ان کی نگرانی ہائی جیکروں کے ساتھ یوگنڈا کے فوجی بھی کرتے رہے۔ جلد ہی اسرائیل کی فوج نے ٹرمینل پر چھاپہ مارا اور ڈیڑھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد مغویان کو رہائی دلائی اور ہائی جیکروں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ ان کے فوٹو اور انگلیوں کے نشانات حاصل کئے اور کچھ روسی جہازوں کو بھی تباہ کیا۔ عدی امین کی اس واقعہ سے دنیا بھر میں سبکی ہوئی۔

عدی امین کے دور میں اکثر صحافیوں، امن فوج کے رضاکاروں اور سیاحوں تک کو بلاوجہ گرفتار کیا گیا اور ان کو ناگفتہ بہ حالات میں بند رکھا گیا۔ عدی امین اپنی ایک خصوصی "استیصالی حکمت عملی" رکھتا جن پر وہ خود ہی بغیر کسی دوسرے کے مشورے کے عمل کرتا تھا۔ اس حکمت عملی کے تحت بھی اس نے کئی لوگوں کی جانیں تلف کیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے آٹھ سالہ دور اقتدار میں عدی امین نے کم از کم پانچ لاکھ یوگنڈا کے باشندوں کو موت کی نیند سلایا۔

عدی امین جاہل اور کوتاہ اندیش بھی تھا۔ یہودیوں اور ایشیائی لوگوں سے نفرت کی وجہ سے اس نے ایشیائیوں کے خلاف ایک معاشی جنگ بھی شروع کر رکھی تھی۔ ایشیا لوگوں کے خلاف اس معاشی جنگ کے نتیجے میں اس نے ملک کو ماہر کاریگروں اور کارکنو سے محروم کر دیا۔ جب ایشیائی لوگ نقل مکانی کر کے اپنے اپنے وطن جانے پر مجبور کر دیے جاتے تو ان کو یوگنڈا کے بالخصوص عدی امین کے فوجی دستے لوٹ لیتے۔ تلاشی کے بہا سے خواتین کو بے پردہ اور بے آبرو کیا جاتا۔ مردوں اور عورتوں کو بلاوجہ مارا پیٹا بھی جاتا ایشیائی باشندوں سے یوگنڈا چھوڑنے کی بھاری فیس لی جاتی اسکے باوجود انہیں مسافر خانو اور دیگر دفاتر میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر کاغذات تیار کروانے پڑتے۔ 1972ء میں ایشیائی لوگوں کو یوگنڈا سے نکالنے کے بعد یوگنڈا کی معیشت کو استوار رکھنے کے لی بعض لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ مل پستی میں ڈوبتا چلا گیا۔ غربت اور ناگفتہ بہ حالات نے غیر یقینی صورت حال پیدا کر د تھی۔

عدی امین چونکہ انسانیت کے خلاف مجرمانہ اقدامات کر رہا تھا لہذا بیرونی د نے پرواہ نہ کی کہ یوگنڈا میں کیا ہو رہا ہے؟ یوگنڈا کے سابق سفیر میلاڈی نے لکھا ہے ک ''خود مختار آمریت کے پیدا کردہ ظالمانہ' خونخوار اور نسلی مظالم کے واقعات کے یکے بعد دیگرے ظہور کے نتیجے میں یوگنڈا سے کئی سفارت کار اور دیگر غیر ملکی سرکاری عہدیدار بھاگ نکلے یا پھر زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت کے حالات کی روشنی میں ی تصور کرنا مشکل ہے کہ اگر تنزانیہ کی افواج نے 1979ء میں عدی امین کی حکومت کا خات نہ کیا ہوتا تو کیا ہوتا؟

اب جبکہ یوگنڈا کے حالات پہلے کی نسبت کافی بہتر ہیں پھر بھی یوگنڈا ایک غریب ملک شمار ہو رہا ہے۔ یوگنڈا ہی کے لوگ نہیں بلکہ پورے افریقہ کے لوگ یوگنڈا کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں اور عدی امین کے دور کے حوالے سے ''پھر کبھی نہیں'' کا ادھورا جملہ دھرا کر اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ عدی امین جیسے کسی بھی ''درندے'' کو اقتدا میں نہیں آنے دیں گے۔

☆

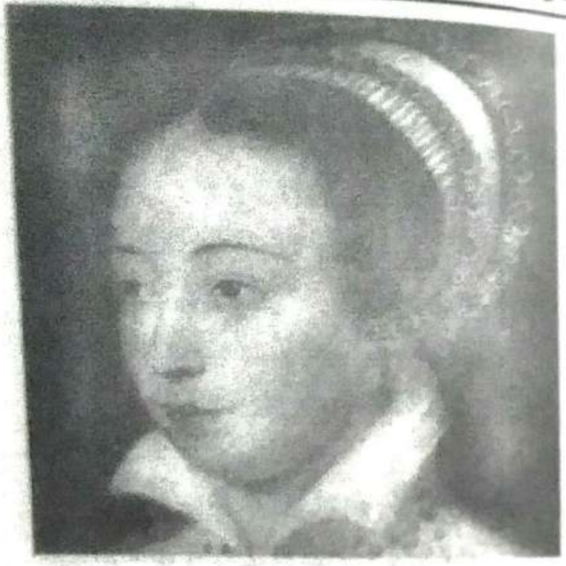

25

کیتھرائن ڈی میڈیسی

(1519ء تا 1589ء)

''ان سب کو مار دو' ان میں سے ہر ایک کو۔۔۔ ایک بھی ہیوگوناٹ (فرانسیسی پروٹسٹنٹ) مجھے گالی دینے کے لیے زندہ نہ رہے۔''

چارلس نہم ڈی میڈیسی

اپنی ماں کیتھرائن کے یہ یقین دلانے پر کہ ہیوگوناٹس اس کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں' سینٹ بارتھولومیوز ایو کے خلاف قتل عام کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے۔

کیتھرائن ڈی میڈیسی نے گوبھی کے علاوہ اور بھی دو قسم کی کھانے والی سبزیوں کا تعارف فرانس میں کروایا لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ صلح نامہ ایمبوئسے ہے جس

سے فرانس میں کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کی دیرینہ کشمکش ختم ہوئی۔

ان مثبت کاموں کے باوجود کیتھرائن ڈی میڈیکی کے ورثے میں سینٹ بارتھولومیوز ایو کے قتل عام کے داغ بھی ہیں جن کی وہ براہ راست ذمہ دار ہے۔ 1572ء میں کیتھرائن نے اپنے کمزور ارادوں والے بیٹے شاہ چارلس نہم کو بادشاہی کی خاطر اور کیتھولک عقیدے کی خاطر ہیوگوناٹس کی سازشوں کو ختم کرنے کے لیے ان ہی کو ختم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ چارلس نہم نے ماں کی یہ فہمائش (بادل نخواستہ) منظور کر لی اور 24 اگست 1572ء سے ابتدا کر کے چند دنوں کے اندر اندر کم از کم دس ہزار فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کو قتل کرا دیا۔ بعض مورخین اس تعداد کو زیادہ بتاتے ہیں۔ چارلس نہم نے یہ قبیح کام اپنی ماں کیتھرائن کے حکم سے کرایا۔

ہیوگوناٹس اور کیتھولکوں کی باہمی چپقلش کے نتیجے میں دو جنگیں ہو چکی تھیں' اس کے باوجود سینٹ بارتھولومیوز ایو کے قتل و غارت کو بڑے پیمانے پر خوفناک بدمعاشی اور ابتری کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جنگ کے دوران بھی بدمعاشی اور غارت گری ہوتی ہے لیکن جس قسم کی لوٹ مار اور قتل عام پیرس کے اندر عام شہریوں جن میں گھریلو خواتین بچے اور ادنیٰ ملازمین شامل تھے خالصتاً پاگل پن تھا۔

23 اگست 1572ء کی رات کو شہر سے باہر جانے کے تمام راستے چارلس کے بارہ سو معتقدین نے بند کر دیے اور ہیوگوناٹس کے گھر پر یہ (X) نشان روغن سے بنایا۔ 24 اگست 1572ء کو صبح کے دو بجے لوور گرجے کے گھڑیال بجنے شروع ہوئے جو قتل عام شروع کرنے کا اشارہ تھے۔

چارلس کے وفادار جو اس وقت تک خوب شراب نوشی کر چکے تھے نے نشان زدہ گھروں کے دروازوں کو توڑ ڈالا اور گھر کے مکینوں کو باہر گلیوں میں گھسیٹ کر انہیں لاٹھیوں' تلواروں سے نیم مردہ کر کے ان کے ٹکڑے کیے۔ ایسے لوگ جو خوف کے مارے گھروں سے نہیں نکلے تھے انہیں کھڑکیوں کی راہ سڑکوں اور گلیوں میں پھینکا گیا جہاں ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے پھینکنے والوں کے ساتھی موجود تھے۔ چارلس کے وفاداروں نے بچوں کو پہلے تو دریائے سین میں پھینکا اور کناروں پر کھڑے ہو کر ان کو نشانہ بنایا۔ جلد ہی پورا دریا لاتعداد تیرتی لاشوں کا منظر پیش کرنے لگا۔ چند گھنٹوں کے بعد چارلس کے قاتلوں نے

ہیوگوناٹس کے علاوہ بھی شہریوں کو لوٹنے اور جان سے مارنے کا کام شروع کر دیا۔ انہیں اگر کوئی کھاتا پیتا مالدار گھر نظر آیا خواہ وہ ہیوگوناٹس کا تھا یا نہیں' انہوں نے بلا تامل اس کو لوٹا اور مکان کو قتل کیا۔

کوگنی کے لارڈ کیمپر ڈ ڈی چیٹیلان (جس کے قتل کا منصوبہ کیتھرائن نے بنایا تھا) کا سر تن سے جدا کیا اور دھڑ کو سڑکوں پر گھسیٹنے کے بعد لوگوں کو دکھانے کے لیے لٹکا دیا گیا۔ چارلس نہم کیمپر ڈ کا گہرا دوست تھا لیکن جب اس کی ماں کیتھرائن نے اسے یقین دلایا کہ ہیوگوناٹس کا کپتان اس کے خلاف سازش کر رہا ہے (جبکہ یہ جھوٹ تھا) تو چارلس کے تعلقات کیمپر ڈ سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ کیتھرائن نے آدھے جھوٹ اور آدھے سچ سے کام لے کر چارلس کو یقین دلایا تھا کہ ہیوگوناٹس کے ذریعے' اس کو تخت سے محروم کرنے کی سازش کا سرغنہ اس کا دوست ہی ہے۔ ہزاروں ہیوگوناٹس کا احمقانہ قتل عام کیتھرائن کی فتنہ پردازی کا شاخسانہ تھا۔

قتل عام شروع ہونے کے چند ہی گھنٹوں بعد شاہی محل کے باہر ننگی لاشوں کے اونچے اونچے ڈھیر لگ گئے۔ چارلس اس منظر کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور اس نے قتل عام کو روکنے کا حکم دیا۔ لیکن قتل عام کا سلسلہ مزید کئی گھنٹوں تک چلتا رہا' جو شاہ کی ماں کی دلی خواہش کے عین مطابق تھا۔ وہ قتل عام کا مکمل طور پر شعور رکھتی تھی اور ایسا ہی چاہتی تھی لیکن بعد میں اس نے اس خونریزی کو کلرک کی غلطی کہا۔ اس نے بتایا کہ اس کا ارادہ تو صرف نصف درجن ہیوگوناٹس کو ختم کرنے کا تھا جبکہ اس کے احکامات کو سمجھنے میں کہیں نہ کہیں غلطی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہیوگوناٹس کے قتل عام کے بارے میں کیتھرائن کا یہ عذر لنگ سن کر فلپ آف سپین جو مسکرانے میں بھی بخل سے کام لیتا تھا نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا کہ کیتھرائن نے کیسی کہانی گھڑی ہے اور وہ یہ یقین بھی رکھتی ہے کہ لوگ اس کی کہانی کو سچ سمجھ لیں گے۔

چارلس نہم کو اس قتل عام اور بربادی کا ساری عمر دکھ رہا جو اس کی ماں کی منافقت اور ریاکاری سے وقوع پذیر ہوا۔ اس نے مرتے وقت بھی کہا: "اس قدر خون!"۔

26

آگسٹو پینوشے

(1915ء تا)

"اس اپیل میں مدعا علیہ پر الزام ہے کہ اس نے انتہائی سنجیدہ جرائم خود کیے یا پھر ان جرائم کو کرنے کے احکامات صادر کیے۔ اور یہ الزامات جان بوجھ کر کسی نسل یا قوم کو ختم کرنے بڑے پیمانے پر قتل و غارت کرنے، تشدد کرنے اور یرغمال بنانے کے ہیں۔"

برطانوی استغاثہ بخلاف پنوشے نومبر 1998ء — کا ابتدائی بیان

جنرل آگسٹو پنوشے کی صفائی میں اس کے وکلا کہتے ہیں کہ ان کے موکل کو ظلم سے محبت کرنے والا مطلق العنان حاکم کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دور حکومت میں 1973ء سے 1990ء تک براعظم جنوبی امریکہ کے ملک چلی کے ہزاروں

شمنوں کو نہ صرف جبر و تشدد کا نشانہ بنایا بلکہ ان کو عمداً قتل بھی کیا۔ جنوبی امریکہ کے حول میں اس نے چلی کے مفادات کے لیے جو کچھ بطور ایک آمر کے کیا وہ بھی ناقابل فراموش ہے۔ اس نے چلی میں آزاد منڈی قائم کی جس کی وجہ سے چلی کی معیشت استوار ہوئی۔ اس نے وہ اراضی بھی حقداروں کو واپس کی جو اس سے پہلے کی سوشلسٹ حکومت نے لوگوں سے چھینی تھی۔ اس نے چلی میں افراط زر کی شرح کو 85 فیصد کم کیا۔ صدر ہیری ٹرومین نے 1959 میں کہا تھا: "جب آپ کو ایک کارکردگی دکھانے والی حکومت ملتی ہے تو آپ کو آمریت ملتی ہے۔" تاہم آمریت سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اس سے متعلق صدر روز ویلٹ نے 1937ء میں کہا تھا: "آمریت کی آخر الامر ناکامی سے انسانیت کو نقصان پہنچتا ہے وہ جمہوریت کی وقتی ناکامی سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔"

"برائی" کی بدترین صورت یہ ہوتی ہے کہ انسانی بنیادی حقوق اور شہری آزادی کو پامال کیا جائے۔ یہ برائی جنرل آگسٹو کے دور حکومت میں عام تھی بلکہ اس دور میں جسمانی تشدد، قید و بند کی حکمت عملی، حکومت کے ایماء پر قتل و غارت اور ناقابل گرفت رشوت ستانی کا دور — الغرض تمام برائیاں عروج پر تھیں جو دنیا کی تاریخ میں حکومت کی برائیاں شمار کی گئی ہیں۔

جنرل آگسٹو کی فوجی پولیس نے چلی کے ان تمام لوگوں پر تشدد روا رکھا جو انہیں حکومت کے مخالف نظر آئے یا ان پر یہ شبہ ہوا کہ وہ حکومت کے خلاف کسی تحریک کا حصہ ہیں۔ تشدد اور قید و بند کے لیے "مشکوک" کا لفظ ہی کافی ثبوت تھا۔ بہت سے افراد کے لیے کسی قسم کی شہادت کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی بلکہ آمر جنرل کے سپاہی ان کو گھروں سے اچک لیتے، نامعلوم مقامات پر لے جاتے اور ان کی موت تک ان پر تشدد روا رکھتے۔

جنوری 1974ء میں ایک سترہ سال مزاحمت کرنے والے نوجوان کی لاش دارالحکومت سانتیاگو کے جنوب میں واقع چھوٹے سے قصبے کے قریب سے دریافت ہوئی۔ جب وہ زندہ تھا تو اس کے پیٹ کو چاک کر کے اس کے بعض اعضا نکال لیے گئے تھے۔ اس کی دونوں ٹانگیں بری طرح توڑ دی گئی تھیں اور جلتے سگریٹ کے داغوں سے اس کے جسم کو پتلا بنانے اور نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس نوجوان کی موت کے اسباب کی تصدیق کرنے والے جو ثبوت ہیں

کی حکومت کا ملازم تھا' نے لڑکے کی موت کو توکیلا انیما قرار دیا جس سے یہ بھی امکا کہ لڑکے کو اگر فولاد پر مبنی ادویات دی جاتیں تو شاید وہ زندگی کی بازی نہ ہارتا۔

پنوشے نے 1973ء میں فوجی بغاوت کے ذریعے کیمونسٹ لیڈر سلواڈور ایلن کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار حاصل کیا۔ فوری طور پر اس نے چلی کی کانگریس کو قانونی قرار دیا۔ آمروں کو قانون سازی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ امریکی سی آئی ا نے کیمونسٹ حکومت کا تختہ الٹنے میں جنرل پنوشے کی دامے' درمے اور سخنے مدد کی' یہ با ریکارڈ میں موجود ہے۔ معزول صدر کی بیوہ ہارٹینشیا بسی نے کہا: "فوجی بغاوت میں امر حکومت کی امداد فیصلہ کن تھی اور فوجی جرنیلوں سے سی آئی اے کے گہرے تعلقات تھ

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق پنوشے کی حکومت نے اپنے عنفوان شباب آمریت کے پہلے سال میں ایک لاکھ اسی ہزار چلی کے لوگوں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا یہاں تک کہ بہت سے لوگ مر گئے اور ان کو ناقابل شناخت بنانے کے لیے گھنا اقدامات کیے گئے۔ یہ سب کچھ پنوشے کے احکامات اور اس کی بطور آمر کے منظوری ہوا۔ چلی کی فوجی پولس کے ظلم وتشدد میں عورتوں سے زیادتی' آنکھوں کے پپوٹوں' ہونٹو زبان پر بے مقصد پوچھ گچھ کے دوران بجلی کے کلپ لگا کر جھٹکے دینا' جلتے سگریٹوں سے جس پر نشانات بنانا' ہڈیاں توڑنا' بجلی کے جھٹکوں سے ہلاک کرنا' پانی اور گار میں ڈبونا' ادویات کے ذریعے نابینا کرنا' ڈنڈوں سے زدوکوب کرنا اور تیز دھار آلات سے کاٹ لگانا وغیر شامل تھے۔ ظلم وزیادتی کے بعد جان سے مار دیے جانے والے افراد کے سر کاٹ دیے جاتے کہ دھڑوں سے ان کی شناخت ہی نہ ہو سکے۔ بدنصیب لوگوں کے دھڑ پشت باندھے گئے ہاتھوں کے ساتھ دریا میں پڑے پائے گئے۔ ان دھڑوں کو دیکھنے والوں س فوجیوں نے بار بار کہا: "تم نے کچھ نہیں دیکھا— اگر تم نے کسی سے ان بے سر لاشوں کو دیکھنے کی بات کی تو ہم تمہیں بھی گرفتار کر کے انہی دھڑوں کے ساتھ ملا دیں گے۔"

پنوشے کی آمریت کے دور میں اگرچہ چلی کی دیر سے بحران کا شکار چلی آنے والی معیشت بحال ہوئی لیکن 1980ء سے 1983ء تک پھر یہی کیفیت دوبارہ عود کر آئی۔ اس دوران میں پنوشے نے اپنی فوج اور پولیس کو ایسے اختیارات دیے جنکی ماضی میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے اردگرد پر قبضہ کر سکتے ہیں' جس کو چاہیں

بلاوجہ نظر بند' قید' سوال و جواب اور تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اس دور میں جو تھوڑی بہت شخصی آزادی یا انسانی حقوق موجود تھے ہنگامی حالت کا اعلان کر کے ان کو بھی اپنے جملہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے ختم کر دیا۔ انگریزی کا لفظ "ایریز" جس کے معنی نام ونشان مٹانا ہوتے ہیں پنوشے نے چلی کے لوگوں کے لیے استعمال کیا۔ ان کو گھروں اور قصبوں سے "ایریز" کر دیا جائے۔ اس حکم کے تحت ہزاروں کی تعداد میں چلی کے افراد غائب کر دیے گئے اور پھر سرکاری طور پر ان کو مردہ تصور کر لیا گیا۔

یہ علم بہت بعد میں ہوا کہ پنوشے دراصل تیسری ریخ کے روایتی ظلم وستم اور موت کے ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا۔ اس کی حکومت کے دور میں اور اس کے احکامات کے تحت چلی نے بھی سارن نامی مہلک گیس کے تجربات کیے کہ وہ اسے حیاتیاتی ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکے۔

آگسٹو پنوشے نے اٹھارہ سال کی عمر میں چلین نیشنل ملٹری کالج میں داخلہ لیا اور ایک فرض شناس مضبوط فوجی افسر قرار دیا گیا۔ اپنے شباب میں اس نے لکھا کہ ایک فوجی کو ملکی تقاضوں کے پیش نظر زندگی اور زندگی کے ساز و سامان سے محبت نہیں ہونی چاہیے مگر اس نے یہ انداز فکر قوت اور اقتدار حاصل کرنے کے ساتھ ہی 1973ء میں قطعی بھلا دیا۔ ملکی تقاضوں کی بجائے بڑا بننے کی ہوس اور اپنے ہم وطنوں کو زیر کرنے کی تمنا نے اس کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

1998ء میں پنوشے برطانیہ میں علاج کے لیے آیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا اور پھر اسے قانونی کارروائی کے لیے چلی کی حکومت کے سپرد کر دیا گیا۔ نومبر 2000ء میں اس نے کہا کہ وہ تمام جرائم جو اس کے کھاتے میں ڈالے جا رہے ہیں ان کے احکامات اس نے جاری نہیں کیے۔ وہ چلی ہی میں نظر بند مقدمات بھگت رہا ہے۔

* * *

28

جم جونز

(1931ء تا 1978)

"ہم انقلابی خودکشی میں مرنے والے ہیں۔۔۔ عزت اور آبرو کے ساتھ۔۔۔ ہر ایک ہی نے مرنا ہے۔ اگر تم مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہو جتنی میں تم سے کرتا ہوں تو ہم سب کو مرنا چاہیے پیشتر اس کے کہ کوئی باہر سے ہمیں ہلاک کر دے۔"

جم جونز

"میں نے اس خیال پر نفریں بھیجی ہیں لازمی طور پر میں ایک شیطان سے ہم کلام تھا۔"

جونز ٹاؤن میں بچ جانے والا اوڈل رہوڈ

جاننے کی ہوس ایک نفسیاتی کیفیت (بیماری) ہے جس میں خام خیالی اور قوت غلبہ پاتی ہیں کہ انسان خود کو "قادر مطلق" سمجھنے لگتا ہے۔ جم جونز پر بھی یہ خبطی پن طاری تھی۔ وہ اپنے آپ کو انسانی شکل میں مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) خیال کرتا تھا نہیں وہ یہ توقع بھی رکھتا کہ اس کے پیروکار اس کی خاطر موت کو بھی گلے لگا لیں۔ اگر وہ اس کی حکم عدولی کرتے تو وہ ان کی جان لینا "مقدس" کام سمجھتا۔

جم جونز کے حکم پر اس کے معبد یا فرقے "عوامی گرجا" کے 913 ممبران تھے جن میں سے 637 بالغ اور 276 بچے تھے۔ ممبران نے 18 نومبر 1978ء کو گی آنا میں اجتماعی خودکشی کی یا ان کو سرد مہری سے کسی مشروب کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا۔ جن لوگوں نے جم جونز کا حکم ماننے سے انکار کیا ان کو یا تو گولی مار دی گئی یا پھر مہلک زہر سائنائیڈ کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ماؤں نے اپنے بچے خود موت کے حوالے کیے۔

جم جونز نے اپنے پیروکاروں کا محرومیوں کے ملغوبے کی بجائے پرفریب انعامات سے ایسا ذہن بدلا کہ ان کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ خودکشی زندگی کے خاتمے کا ایک شریفانہ اور باعزت طریقہ ہے۔ اگر وہ یہ طریقہ اختیار نہ کریں گے تو وہ "دشمن" کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ جونز کے دشمنوں میں ایک تو امریکی حکومت تھی۔ دوسرے تمام مذاہب تھے اور تیسرے وہ سماجی تنظیمیں تھیں جو "عوامی گرجا" نامی تحریک ہی کے خلاف تھیں۔ ان تینوں کے علاوہ ایک اور دشمن گروہ بھی تھا جو جونز کے پیروکاروں کے رشتہ داروں اور عزیزوں پر مشتمل تھا اور وہ اپنے پیاروں کو جم جونز کے سحر سے بچانے کے لیے ان کو "عوامی گرجا" سے علیحدہ ہونے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔

"عوامی گرجے" کو چھوڑنا بہت مشکل تھا۔ متعلقہ عزیز و اقارب کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا وہ یہ تھے کہ جم جونز کے پیروکار عوامی گرجے کو چھوڑنے والوں کو غدار قرار دیتے اور غداروں سے نفرت بھی کرتے۔ بعض غداروں کے دوست اور کنبے جو عوامی گرجے سے وابستہ رہتے ان کا جینا ہی دوبھر کر دیتے۔ سب سے بڑا مسئلہ جم جونز سے روگردانی کا یہ تھا کہ اس کے پیروکار کنگال ہو کر رہ جاتے کیونکہ انہوں نے انسانی شکل میں مسیح (جم جونز) کے نام اپنی تمام جائدادیں اور اثاثے لکھ دیے تھے۔ ایسا کرنا بھی عوامی گرجے میں شامل ہونے کی شرائط میں سے تھا۔

سی این این کے نمائندے الہن مان کو انٹرویو دیتے ہوئے مشہور ماہر نف اور چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقوں کے ماہر جیرولڈ پوسٹ نے بتایا کہ ایسے لوگ جو کسی کے بتائے ہوئے مذہبی فرقے میں شامل ہوتے ہیں اپنے لیڈر کے کہنے پر خودکشی کر میں ذرہ بھر بھی نہیں ہچکچاتے۔

> جم جونز نے سولہ سال ہی کی عمر میں تبلیغ کا آغاز کیا۔ وہ ابتداء میں ہمہ گیر انسانی برادری پر یقین رکھتا تھا۔ اس عمر میں بھی جونز اپنے آپ کو لیڈر خیال کرتا تھا اور اگر کوئی اس سے اختلاف کرتا تو اس سے وہ جارحانہ ردعمل کا اظہار کرتا۔ نوجوانی کے عالم ہی میں ٹوٹی پھوٹی خودی اور ہیچ ہونے کے فریب میں مبتلا تھا اور اس کیفیت کے خلاف ردعمل کو غداری تصور کرتا تھا۔ لڑکپن ہی میں وہ ایسی باتیں کرتا جن سے اس کی اڈولف ہٹلر اور جوزف سٹالن کی زندگیوں سے متاثر ہونے کی نشاندہی ہوتی تھی۔"

جونز دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانے اور قائل کرنے کے لیے کہتا کہ وہ کینسر کا کرسکتا ہے۔ اندھے کو بینائی دے سکتا ہے اور مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنے اہلیت رکھتا ہے۔ وہ گرجا کے ادنیٰ ملازمین کو جادو اور جراحی سے بھی فائدہ پہنچاتا۔ وہ صرف اپنے ہاتھ استعمال کرتا اور کوئی گاؤ یا شگاف نظر نہ آتا۔ وہ خدائی طاقت کے استعمال لوگوں کے اجسام سے ابھار ختم کر دیتا اور مایوس اور ناامید مریضوں کو یقین دلاتا کہ ان علاج ہو چکا ہے اور وہ شفا پا چکے ہیں۔ یہ ابھار عموماً کسی چوزے کے وہ حصے ہوتے پکانے کھانے سے پہلے علیحدہ کر کے پھینک دیے جاتے ہیں۔ ان کو وہ اپنے ہاتھوں مسل کر یا بیسن میں پانی کا رنگ خون آمیز کر کے بتاتا کہ ابھار ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا۔ پُرفریب معالج آج کل بھی یہ ڈرامے کرتے نظر آتے ہیں۔

1963ء میں جونز کی عمر 32 سال تھی جب اس نے "عوامی گرجا" کی بنیاد جبکہ وہ عوامی گرجا کا نام 1950ء کے وسط سے استعمال کرتا چلا آیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ گرجا کی فضیلت کا انتہائی عقیدت سے معترف ہے لہذا اس کے پیروکار اپنی ذاتی ملکیتیں، جائدادیں، بچتیں اور بانڈز وغیرہ اس کے نام منتقل کر دیں۔ اس کا یقین تھا کہ کمیونزم

خلاف فرقہ وارانہ خودمختاری کے ذریعے لڑا جا سکتا ہے۔ فرقہ وارانہ خودمختاری سے مراد یہ ہے کہ کمیونزم کو گرجا کی سطح پر بجائے مرکزی حکومت کے نافذ کیا جائے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ بائبل کے پیراگراف حوالے کے طور پر استعمال کرتا اور لوگوں کو اکساتا کہ وہ اپنا سب کچھ گرجا کی تحویل میں دے دیں۔

جم جونز اپنے عوامی گرجا میں عبادت گزاروں کے اجتماع پر مکمل گرفت رکھتا۔ شوہروں اور بیویوں کی حوصلہ افزائی کرتا کہ وہ اس کے وضع کردہ قوانین کی خلاف ورزی کی اسے رپورٹ دیں۔ ماں باپ کو اپنے بچوں کو پیٹنے کی ترغیب دیتا جو درحقیقت ایک حکم ہی ہوتا۔ اجتماع کے سامنے جنگی قیدیوں کی طرح جونز اپنے پیروکاروں کو سزا بھی دیتا اور اصولوں پر عمل بھی کراتا۔ عوامی گرجا کے جو ممبران کسی اصول کے خلاف چلتے تو انہیں 4x6 کے صندوق میں بند کیا جاتا اور صندوق کو انتہائی دھوپ میں رکھ دیا جاتا۔ ضدی اور اڑیل بچوں کو آدھی رات کے وقت نیند سے بیدار کر دیا جاتا۔ انہیں گھسیٹا جاتا اور پھر انہیں کسی اندھیرے کنویں میں سزا کے طور پر الٹا لٹکا دیا جاتا۔ دن رات عوامی گرجا کے گرد و نواح میں جونز کی آواز لاؤڈ سپیکروں پر نشر کی جاتی۔ یہ مذہبی ریاکاری کی ایک کلاسیکی مثال تھی۔ وہ کہتا کہ اس کے تمام قوانین، سزائیں اور تشدد سب کچھ کتاب مقدس یعنی بائبل کے فرمودات کے عین مطابق ہیں اور ان سے عوامی گرجا کے تمام پیروکاروں کو روحانی بالیدگی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

1974ء میں جونز نے گی آنا میں جونز ٹاؤن کے احاطے کی تعمیر شروع کی۔ اس نے اس ٹاؤن کو "جائے امن" سمجھا کیونکہ یہ نہ صرف جدید امریکہ کی لامذہبیت کی برائیوں سے دور تھا بلکہ حکومت اور دیگر گرجا گھروں کی متجسس نظروں سے بھی اوجھل تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عوامی گرجا کے ممبران کے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کی پہنچ سے بھی باہر تھا۔ جونز ٹاؤن کی زندگی جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے پابندیوں اور سخت کوشی کی زندگی تھی کیونکہ یہ احاطہ ہر طرف سے جنگلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہاں جونز کے پیروکاروں اور ممبران کی آمد و رفت کا انحصار ملازمین یا خود جونز ہی کے ایماء پر ہوتا۔ اس تنہائی اور علیحدگی کے باوجود وہاں ضروریات کی جملہ اشیاء موجود تھیں۔ ہر شخص اور ہر چیز پر مکمل کنٹرول جونز ہی کا تھا، اس کی حکم عدولی کی سزا موت تھی۔ 1978ء میں جونز نے اپنے

جونز ٹاؤن کے بارے میں کہا: "یہ امریکہ کی کیمونسٹ سوسائٹی ہے اور ہمیں
کوئی بھی اس کو نیچا نہیں دکھا سکے گا۔"

جونز کے پیروکاروں کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے احتجاج اور
اپیلوں کے جواب میں امریکی نمائندے لیو ریان نے 17 نومبر 1978ء کو
دورہ کیا۔ اگلے روز لیو ریان اور اس کے ساتھیوں نے واپسی کی ٹھانی تو گھات میں
قاتلوں نے لیو ریان کو بمعہ اس کے چار ساتھیوں کے ہلاک کر دیا گیا۔ تب جونز نے
احاطے میں باقی رہ جانے والوں کو اجتماعی خودکشی کا حکم دیا۔ صرف چند لوگ وہاں سے
نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان میں سے ایک ایجوہ لیٹن بھی تھی جو جونز کی
تھی۔ اس نے بعد میں بتایا کہ جونز اپنی عبادات کے اجتماع میں اجتماعی خودکشی کی
کیا کرتا تھا۔

خودکشی کرنے والوں میں کئی لوگوں کو سائنائیڈ زہر کا ٹیکہ لگایا ہوا پھل کھانے
دیا گیا۔ جونز کے محافظوں نے خودکشی سے انکار کرنے والوں کو گولیوں سے اڑا دیا جبکہ
مرنے والوں میں سے آخری فرد تھا۔

☆

29

ہائی ڈے کی ٹوجو

(1884ء تا 1948)

"ہم جنگی قیدیوں کے بارے میں اپنا علیحدہ نظریہ رکھتے ہیں جو قدرتی طور پر اس سلوک سے تھوڑا بہت مختلف ہے جو یورپ اور امریکہ جنگی قیدیوں سے کرتے ہیں۔"

ہائیڈکی ٹوجو

جب فوجی پولیس ہائیڈے کی ٹوجو کو جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم کی پاداش میں گرفتار کرنے پہنچی تو اس نے پولیس کو ایک لمحہ انتظار کرنے کو کہا اور پھر اپنی چھاتی

پر ناکام خودکشی کی کوشش میں گولی مار لی۔ شاید وہ اس ذمہ داری سے آگاہ تھا جو 1937ء سے 1945ء کے عرصہ میں چالیس لاکھ انسانوں کی عمداً اموات کی وجہ سے اس پر عائد ہوتی تھی اور جس کے نتائج بھگتنے کی بجائے اسے موت آسان نظر آتی تھی۔

ونسٹن چرچل نے ٹوجو کے ماتحت جاپانی فوجی دستوں کو "وحشی" قرار دیا تھا اور بات تو یہ سب پر عیاں ہے کہ ٹوجو نے جنگی قیدیوں پر نہ صرف اپنے فوجی دستوں کو اذیت دینے کی اجازت دی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

ٹوجو' جنگ عظیم دوم کے دوران 1941ء سے لے کر 1944ء تک جاپان کا آمر رہا۔ وہ جاپان کا فوجی افسر اور سیاستدان تھا۔ اس نے نہ صرف حکم جاری کیے بلکہ تجاویز کی منظوریاں دیں اور ایسی کراہت آمیز جرائم کی حوصلہ افزائی کی جن میں بے رحمانہ قتل' زندہ افراد کی چیر پھاڑ' جبر و تشدد' جبری عصمت دریاں اور آدم خوری وغیرہ شامل تھے۔

جنگ عظیم دوم میں امریکہ کی شمولیت کے بعد امریکہ اور فلپائن کے دستوں نے جزیرہ نما بٹان جو خلیج منیلا اور جنوبی چین کے سمندر کے درمیان واقع ہے' کو بچانے کی ایک ناکام جنگ لڑی۔ جاپانی ہوائی حملوں کی وجہ سے امریکی طیارے غیر کارآمد ہو گئے تھے اور مقابلہ کرنے کے بالکل قابل نہ تھے۔ ساتھ ہی اسلحہ' خوراک اور ادویات کی کمی کی وجہ سے مشترکہ دستوں کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ جنرل میکارتھر آسٹریلیا فرار ہو گیا' جہاں اس نے اپنی مشہور تقریر "میں واپس آؤں گا" کی۔ (میکارتھر نے اپنے کمانڈر ان چیف' صدر فرینکلن ڈیلانو روز ویلٹ کے احکامات کی تعمیل میں بٹان کو چھوڑا تھا۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ہی امریکہ اور اس کے امدادی دستوں کو جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

ہتھیار ڈالنے کے بعد ہزاروں امریکن' فلپائنی' آسٹریلوی اور برطانوی سپاہیوں کو جاپانی جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں لے جایا گیا۔ سپاہیوں کا یہ سفر ایک جیتا جاگتا "موت کا منظر" تھا۔ جاپانی سپاہی تھوڑی سی خوراک اور محدود پانی کے ساتھ مارتے پیٹتے اور ہانکتے ہوئے قیدی سپاہیوں کو روزانہ 75 میل پیدل سفر کراتے۔ قیدیوں میں بہت سے بیمار اور زخمی تھے۔ اگر کوئی قیدی تھک کر یا درد کی وجہ سے زمین پر گر جاتا تو اسے وہیں سب کے سامنے زندگی سے فارغ کر دیا جاتا۔ مذکورہ چاروں اقوام کے تقریباً ایک ہزار سپاہی روزانہ موت کی آغوش میں چلے جاتے۔ اندازہ ہے کہ جب وہ جنگی قیدیوں کے

پ میں پہنچے تو دس ہزار سے زائد سپاہی مر چکے تھے۔ جنگی قیدیوں کے اس پیدل سفر کا حکم اگرچہ ٹوجو نے خود نہیں دیا تھا لیکن اسے اس خونی سفر کا اور جنگی قیدیوں پر اس سفر کے دوران میں کیے جانے والے جاپانیوں کے ظلم وستم کا پورا علم تھا۔ اس نے نہ تو جنگی قیدیوں کی صحت وتندرستی اور بھوک پیاس کا خیال کیا اور نہ ہی اپنے سپاہیوں کو 75 میل روزانہ کے سفر سے منع کیا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جاپانی کمانڈر اپنے اپنے سپہ سالاروں کے دائرہ اختیار میں تھے۔ اور یہ اس کا منصب نہیں تھا کہ وہ اپنے ماتحتوں کے کام میں دخل انداز ہوتا۔ اپنے ان الفاظ کو اس نے مئی 1942ء جنگی قیدیوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے جھٹلایا۔ اس نے کہا: "ملک کی موجودہ صورت حال کسی شخص کو ست اور نکما رہنے کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ کوئی کام تو نہ کرے لیکن آزادی سے کھاتا پھرے — جہاں تک جنگی قیدیوں کا معاملہ ہے تو میں چاہوں گا کہ انہیں مفید کاموں میں استعمال کیا جائے۔" ٹوجو کے ان الفاظ کا اس کے ماتحت کمانڈروں نے یہ نتیجہ نکالا کہ "کام نہیں تو خوراک نہیں" لہٰذا انہوں نے بیمار اور زخمی قیدیوں سے کہا کہ یا تو کام کرو یا پھر تم لوگوں کو کوئی خوراک نہیں ملے گی۔ لہٰذا انہیں خوراک دینا بند کر دی گئی جس کا نتیجہ ان کی موت ہی تھی۔

بٹان کے اس ظلم وستم کے علاوہ اسی سال ٹوجو نے حکم دیا کہ اتحادی جنگی قیدی تھائی لینڈ سے لے کر برما تک 250 میل لمبی ریل بچھانے کا کام کریں۔ اس مقصد کے لیے جاپانیوں نے جنگی قیدیوں کی روزانہ کی خوراک میں کچھ کمی کر دی اور ساتھ ہی انہیں بدترین قسم کے کوارٹروں میں رہنے پر مجبور کیا۔ اس کام میں کم از کم پندرہ ہزار قیدی مر گئے۔ لہٰذا اس ریلوے لائن کو "موت کی ریل" بھی کہتے ہیں۔ اس وقت ٹوجو نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ جنگی قیدیوں سے وہ جو ظلم وستم کا سلوک کر رہا ہے اس کے بارے میں کبھی جواب بھی دینا پڑے گا۔

جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد بہت سے خوف زدہ کر دینے والے اعداد و شمار کا علم ہوا۔ ایسے بہت سے امریکن اور برطانوی جنگی قیدی جنہیں جرمنی اور اٹلی نے گرفتار کیا تھا وہ سب کے سب محفوظ رہے تھے اور وہاں جنگی قیدیوں کی موت کی شرح چار فیصد رہی تھی۔ جب کہ جاپانی قیدیوں کی موت کی شرح ستائیس فیصد تھی۔ موت کے اسباب

میں بیماری، خوراک کی کمی اور موت کی سزا وغیرہ شامل تھی۔

1990ء میں ٹوجو کی پوتی نے اپنے دادا کی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب شائع کی جس میں اس نے اپنے دادا کا تاریخی تصور پیش کرتے ہوئے اسے ایک محبِ وطن ظاہر کیا۔ اس نے لکھا کہ اس کے دادا نے جنگ کے دوران میں جو کچھ بھی کیا اس نے دباؤ سے کیا۔ یہ بھی لکھا کہ اس کا دادا جارح نہیں تھا بلکہ مجبور تھا۔ مقدمہ سننے والے جنگی ٹریبونل نے ماضی میں ٹوجو کا یہ موقف رد کر دیا تھا اور ٹوجو کو سزائے موت دی۔ اسے اپنے جنگی جرائم کی پاداش میں ٹریبونل کے حکم پر عمل کرتے ہوئے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

جاپانی لوگوں نے ٹوجو کی پوتی کے جذبات اور بیانات کو قبول کیا ہے یا نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹوجو کے بُرے جرائم جنگی ریکارڈ کا ایک حصہ ہیں اور ان کو بھی مورخین نے درست تصور نہیں کیا۔

☆

30

البرٹ فش

’’بروکلین کی بُری خونخوار روح‘‘

(1870ء تا 1936)

’’میں انہیں مجبور کروں گا کہ وہ محاصرے اور تنگ دستی کے دوران اپنے بیٹوں کا گوشت کھائیں، اپنی بیٹیوں کا گوشت کھائیں اور وہ ہر ایک کا گوشت کھائیں— بلکہ اپنے دوستوں کا بھی— اور جب ان کے دشمن ان کو اپنی جانیں ڈھونڈنے میں مصروف کر دیں گے اور ان کی زندگیاں ان کے کس بل نکال دیں گی۔‘‘

البرٹ فش کا پسندیدہ بائبل کا جملہ

"یہ کس قدر ہیجان خیز ہوگا کہ اگر میں بجلی کی کرسی پر بیٹھ کر مروں۔ یہ ایک بہت ہی دل میں اتر جانے والی بات ہوگی جس سے میں آشنا نہیں۔"

البرٹ فش

برائی کی دو بدترین مثالیں جرائم کی وہ روداد یں ہیں جو بڑی بے پرواہی کے انداز میں البرٹ فش نے پولیس کو بتائیں۔ پہلی یہ کہ اس نے کس طرح چار سالہ بلی گیفے کو جان سے مارا' اس کے ٹکڑے کیے' پکایا اور کھایا۔ دوسری یہ کہ اس نے اسی طرح پکا کر کھانے والی بارہ سالہ لڑکی کی ماں کو اس کی بیٹی کی موت سے متعلق خط لکھا۔

البرٹ فش اپنے جسم میں ٹانگوں کے درمیان نچلی سیون والی جگہ فوطوں کے درمیان سوئیاں چبھو کر لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ اپنے ناخنوں کے نیچے بھی سوئیاں چبھوتا اور یہ کھیل وہ اپنے بچوں کو دکھاتا۔ جب اسے بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دی گئی تو پہلی دفعہ بٹن دبانے پر اس کے جسم میں فولادی سوئیاں گڑی ہونے کی وجہ سے کرسی کی کارکردگی کا سارا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا لہٰذا اسے دوبارہ جھٹکا دینا پڑا۔

البرٹ فش واشنگٹن ڈی سی میں 1870ء میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے بچپن کا زمانہ زیادہ تر ایک یتیم خانے میں گزارا۔ البرٹ فش کو جاننے والوں کی اکثریت یہ بتاتی ہے کہ وہ ایک خاموش طبع اور اچھا سیکی تھا اور اپنے چھ بچوں کا شفیق باپ تھا۔ اس نے 28 سال کی عمر میں شادی کی اور اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا لیکن جب اس کی عمر 47 سال ہوئی تو وہ اس کو چھوڑ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب البرٹ فش نے انتہائی گندی اور قبیح حرکات جو قانون کی نظر میں جرم تھیں' کرنا شروع کر دیں۔

1928ء میں ملازمت کے متلاشی ایک پندرہ سولہ سال کے لڑکے ایڈورڈ بڈ نے کسی اخبار کے مخصوص کالموں میں چھوٹا سا اشتہار دیا۔ البرٹ فش نے جس کی عمر اس وقت اٹھاون برس تھی اشتہار کا جواب دیتے ہوئے لڑکے اور اس کے والدین کو بتایا کہ وہ لانگ آئی لینڈ میں ایڈورڈ بڈ کو اپنے فارم پر ملازمت دے سکتا ہے۔ اس نے لڑکے کو جل دینے کے لیے ایک ایسے بوڑھے دادا کا کردار ادا کیا جس کو افرادی قوت کی مدد کی ضرورت ہو۔ لڑکا البرٹ فش سے اس قدر متاثر ہوا جیسے اس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ فارم پر کسی قسم کی ملازمت نہیں تھی تاہم اپنی متاثر کن گفتگو سے تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ایڈورڈ بڈ کی چھوٹی بہن کو اغوا کرلیا۔ ذیل میں وہ خط درج کیا جا رہا ہے جو اغوا کے بعد البرٹ فش نے اس کی ماں کو لکھا۔ آپ اس خط کو پڑھیں لیکن خبردار رہیں کہ یہ حساس یا ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔

اس نے لکھا:

مائی ڈیر مسز بڈ'

1894ء میں میرے ایک دوست کیپٹن جوہن ڈیوس نے بھاپ سے چلنے والے جہاز ٹیکوما پر عرشہ کے نگران کی حیثیت سے سان فرانسسکو سے ہانگ کانگ (چین) تک کا بحری سفر کیا۔ ہانگ کانگ پہنچ کر میرا دوست اور اس کے دو ساتھی ساحل پر گئے جہاں انہوں نے مے نوشی کی۔ جب وہ واپس آئے تو تب تک جہاز جا چکا تھا۔

اس وقت چین میں قحط پڑا ہوا تھا۔ کسی بھی قسم کا گوشت ایک ڈالر سے لے کر تین ڈالر تک فی پاؤنڈ کے حساب سے ملتا تھا۔ مصیبت اور مجبوری کا یہ عالم تھا کہ انتہائی غریب لوگ اپنے 12 سال سے کم عمر بچوں کو قصابوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے کہ بالغ افراد زندہ رہ سکیں۔ قصاب ان بچوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت بیچ دیتے تھے۔ گلی میں چلتے پھرتے تیرہ چودہ برس کے لڑکی' لڑکے بھی محفوظ نہ تھے۔ آپ کسی بھی دکان پر جا کر انسانی گوشت کے پسندے' چانپ اور قیمہ حاصل کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی ہوتا کہ کسی لڑکے یا لڑکی کا پورا دھڑ گاہک کے سامنے رکھ دیا جاتا اور جو حصہ وہ پسند کرتا وہ حصہ کاٹ کر اسے تول کر دے دیا جاتا۔ پشت کا گوشت "ویل" کے گوشت کی طرح نرم اور بغیر ہڈی کے ہونے کی وجہ سے زیادہ قیمت پاتا۔

میرا دوست جوہن ڈیوس وہاں اتنا عرصہ رہا کہ اسے انسانی گوشت

کھانے کی چاٹ لگ گئی۔ جب وہ واپس نیو یارک واپس آیا تو وہ سات اور گیارہ سالہ دو لڑکوں کو اغوا کر کے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں ان کے کپڑے اتارے اور ان کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اس نے ان کے کپڑے وغیرہ جلا دیئے۔ وہ روزانہ ان لڑکوں کے ننگے بدنوں پر چابک کی ضربیں لگاتا تا کہ ان کا گوشت اچھا اور نرم ہو جائے۔

اس نے پہلے گیارہ سالہ لڑکے کو جان سے مارا کیونکہ اس کی پشت بھاری تھی اور کافی گوشت اٹھائے ہوئے تھی۔ سوائے سر کے اس کا سارا جسم آہستہ آہستہ کر کے جوہن نے کھایا۔ کبھی اس نے اس لڑکے کے گوشت کو ابالا، کبھی بھونا، کبھی کوئلوں پر سینکا، کبھی کباب بنائے اور کبھی قتلے بنا کر اپنی انسانی گوشت کھانے کی اشتہا بجھائی۔ دوسرے لڑکے کے ساتھ بھی اس نے یہی کچھ کیا۔ میں ان دنوں 409- ای گلی نمبر 100 میں اپنے دوست کے قریب دائیں طرف رہتا تھا۔ ان دنوں میں وہ مجھے جب بھی ملتا، مجھے یہ بتاتا کہ جتنا مزیدار انسانی گوشت ہے اور کوئی گوشت نہیں ہے۔ لہذا آہستہ آہستہ میرے اندر بھی انسانی گوشت کھانے کی خواہش شدید ہوتی گئی۔

میں نے اتوار 3 جون 1928ء کو 406- ڈبلیو گلی نمبر 15 میں آپ سے ملاقات کی۔ میں آپ کے لیے سٹرابیری اور پنیر لایا تھا۔ ہم نے دوپہر کا کھانا اکٹھا کھایا۔ گریس میری گودی میں بیٹھی اور اس نے مجھے چوما بھی۔ بس میں نے اسی وقت اسے کھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

میں نے اسے ایک دعوت پر لے جانے کا اظہار کیا تو تم نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ میں اسے ویسٹ چیسٹر کے ایک خالی مکان میں لے گیا۔ میں نے یہ مکان پہلے ہی اس مقصد کے لیے چن رکھا تھا۔ جب ہم اس مکان پر پہنچے تو میں نے اسے باہر کھڑا

ہونے کو کہا جہاں وہ جنگلی پھول چنتی رہی۔ میں اوپر گیا تو میں نے اپنا پورا لباس اتار دیا۔ یہ میں نے اس لیے کیا کہ اگر میں کپڑے پہنے رہتا تو اس کا سارا خون میرے کپڑوں پر لگ جاتا۔
پوری تیاری کے بعد میں نے کھڑکی سے گریس کو اوپر بلایا۔ اس کو اوپر بلانے کے بعد میں خود ایک آڑ میں چھپ گیا اس کے کمرے میں پہنچتے ہی میں آڑ سے باہر نکلا تو مجھے عریاں حالت میں دیکھ کر وہ چلائی اور سیڑھیوں کی سمت بھاگی۔ میں نے اسے پکڑا تو اس نے کہا کہ وہ سب کچھ اپنی ماما کو بتائے گی۔
وہ مجھے ٹھوکریں لگاتی، ناخنوں سے کریدتی اور دانتوں سے کاٹتی رہی لیکن میں نے گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ پھر میں نے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے تا کہ میں اس کا گوشت اپنے کمرے میں لے جا سکوں ـــــ اسے پکا کر کھا سکوں۔ میں نے اس کی نرم اور گوشت سے بھری پشت کو مصالحہ وغیرہ لگا کر (برقی چولہے) اوون میں رکھا۔ اس کا پورا جسم کھانے میں مجھے 9 دن لگے۔ میں نے اس سے کوئی اخلاقی زیادتی نہیں کی اگرچہ میں کر سکتا تھا۔ وہ ایک دوشیزہ ہی کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوئی۔

گریسی بڈ' البرٹ فش کا پہلا شکار نہ تھی۔ ایک سال پہلے وہ ایک چار سالہ بچے لڑکے کو بھی اغوا کر کے ہلاک کر چکا تھا۔ جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس نے کافی پس و ش کے بعد سب کچھ پولیس کو بتا دیا۔ تاہم ذیل میں اس کی ذہنی پراگندگی پر مبنی اس کا بیان درج ہے کہ اس نے بلی گفنے کے ساتھ کیا کیا۔ خبردار رہیں کہ یہ بیان بھی ویسا ہے جیسا کہ اس کا خط گریس کی ماں کے نام تھا۔ اس نے بتایا کہ:

میں اسے رکرا ایونیو میں کوڑا کرکٹ پھینکنے والے علاقے میں لے گیا۔ وہاں ایک اکیلا مکان ہے جو اس جگہ سے دور نہ تھا جہاں میں اسے لے گیا تھا۔ میں نے بچے کا لباس اتارا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے۔ چیخنے چلانے اور سانس لینے سے روکنے کے

لیے میں نے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر سے اٹھایا ہوا ایک گندہ چیتھڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اس کے جوتے دور ایک کوڑا کرکٹ کی ڈھیر میں دبائے اور اس کے کپڑوں کو جلا دیا۔ پھر میں نے وہاں سے ٹرالی نمبر 59 پر سفر کیا۔ اس وقت صبح کے دو بج رہے تھے۔ ٹرالی سے اتر کر میں پیدل اپنے گھر پہنچا۔

اگلے دن تقریباً 2 بجے شام میں نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور اسی مکان میں پہنچ گیا۔ میں نے اپنی پیٹی کے آٹھ انچ کے ٹکڑے سے بلی گفنے کی ننگی پیٹھ پر ہنٹر کی طرح اتنی ضربیں لگائیں کہ جلد پھٹ گئی اور خون بہہ کر اس کی ٹانگوں سے بہتا ہوا پاؤں تک جا پہنچا۔

میں نے اس کی ناک اور کانوں کو کاٹا اور ہونٹوں کے گوشوں سے اس کے رخساروں کو کانوں تک کاٹ دیا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں اور وہ مر گیا۔ میں نے اس کی پیٹ کو چاقو سے چیرا اور اس کے جسم پر منہ رکھ کر اس کا خون پیا۔

میں نے چار پرانے آلوؤں کے تھیلے لیے اور پتھروں کا ایک ڈھیر اکٹھا کیا پھر میں نے اس کے ٹکڑے کیے۔ میرے پاس ایک سوٹ کیس کی آہنی دستی بریک (روک) تھی۔ میں اس کی ناک' کان اور چند ٹکڑے اس کے پیٹ میں رکھے اور اوپر سے اس کے پیٹ کے چاک پر دستی روک لگا دی۔ اس کا سر' ہاتھ' پاؤں بازوؤں اور گندگی کو بھی تھیلوں میں رکھا۔ تھیلوں کو میں نے سمندر کے ساحل کی طرف جانے والی سڑک کے ساتھ بنے ہوئے لاتعداد جوہڑوں میں کچھ فاصلہ پر رکھ کر چار جوہڑوں میں پھینک دیا جبکہ میں نے اس کے جسم کے سامنے اور عقبی حصوں کا گوشت جو مجھے پسند تھا اپنے لیے رکھ لیا۔ میں نے اس گوشت کو اوون میں رکھ کر بھونا اور کھایا۔ جبکہ میں نے اس کے ناک' کان اور پیٹ وغیرہ کو دم پخت کیا۔ دم پخت کرنے سے پہلے میں ان میں پیاز' گاجریں' شلغم' اجوائن اور نمک

مرچ لگانا نہیں بھولا۔

(اگلے پیرا میں اسی طرح بچے کے اجزا کو پکانے اور کھانے کی ناگوار تفصیل ہے جو مترجم نے نظر انداز کر دی ہے۔) اس کے جسم کے جن اعضا کو وہ نہ کھا سکا ان کو نے ٹائلٹ میں پھینک دیا۔

البرٹ فش پر تقریباً ایک سو سے زائد بچوں سے زیادتی کرنے کے الزامات تھے تقریباً ایک درجن بچوں کو جان سے مارنے کے شبہات بھی تھے۔ عدالت نے اس کے لیے قانونی مشیر مقرر کیے جنہوں نے نہایت دیانتداری سے البرٹ فش کو پاگل ار دینے کی وکالت کی۔ جیوری نے بھی اس کے حق میں رائے دی لیکن گریس بڈ کے لے وہ کچھ نہ کر سکے۔ اسے موت کی سزا ہوئی اور 1936ء میں اسے برقی کرسی کے لے کر دیا گیا۔

☆

31

پیڈرو آرمانڈو لوپیز

(اینڈیز کا راکشس)

(1951ء تا)

"میں اس صدی کا آدمی ہوں کوئی مجھے نہیں بھول سکے گا۔"

پیڈرو لوپیز کا جنوری 1999ء میں
"نیشنل ایگزامنر" کو انٹرویو

پیڈرو آرمانڈو لوپیز مان سلیٹو اینڈیز Andes کے راکشس نے کم از کم ستاون بچوں سے مجرمانہ زیادتی کی اور ازاں بعد انہیں قتل کیا۔ یہ بھی یقین سے کہا جاتا ہے کہ اس

اندھا دھند سلسلے میں تقریباً تین سو قتل کیے۔ اس نے اپنی یہ خوفناک وارداتیں اور ایکواڈور میں کیں' اس لیے اسے سہ ملکی قاتل بھی کہا جاتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے اس سے ملاقاتوں اور اس کے ذہنی معائنوں کے بعد یہ نتیجہ کہ لوپیز جن ناخوشگوار اور ناپسندیدہ تجربات سے اپنی جوانی کے ایام میں گزرا وہ اس قاتل بننے کا سبب ہوئے (جبکہ اس کی شخصیت کا مطالعہ کرنے والے انہیں ماہرین کی ایک بڑی تعداد کی رائے یہ ہے کہ اس نے جو کرتوتیں کیں ان کی روشنی میں کہا سکتا ہے کہ اگر وہ ناخوشگوار اور ناپسندیدہ حالات و تجربات سے نہ بھی گزرا ہوتا تو بھی وہ جو ہے اس سے قطعی مختلف نہ ہوتا۔)

جب لوپیز آٹھ سال کی عمر میں تھا اور ایکواڈور میں رہتا تھا (وہ کولمبیا کی ایک کا ساتواں بیٹا تھا۔ اس طوائف کے تیرہ بیٹے اور چند بیٹیاں تھیں) تو تب ہی وہ ایک ہم عمر کو جنسی نوعیت کی تکلیف میں مبتلا کرتا ہوا پایا گیا۔ اس کی ماں نے اسے گھر سے نکال دیا اور اسے کہا کہ وہ خود کمائے اور کھائے۔ گلیوں میں آوارہ گھومتے ہوئے لوپیز بدمعاش کے ہتھے چڑھ گیا جو اس کے ساتھ خلاف وضع فطری فعل بھی کرتا رہا اور بُرا بھی کرتا رہا۔

اس بچے باز بدمعاش سے لوپیز نے راہ فرار اختیار کی اور اگلے دس سال وہ کولمبیا گھومتا رہا۔ صرف اس قدر کام کرتا کہ وہ اپنی بھوک مٹا سکے۔ اس دوران اکثر اس سے زیادتی ہوتی رہی۔ کبھی وہ ہم جنس پرستوں کے ہاتھوں میں ہوتا اور کبھی وہ خود ہم جنس بن جاتا۔ جب اس کی عمر اٹھارہ سال تھی تو اسے کار چوری کے الزام میں جیل کی جیل کے ماحول نے اسے قاتل بنا دیا اور یہ اس لیے ہوا کہ جب وہ جیل میں آیا پر چار قیدیوں نے جنسی تشدد کیا۔ اس نے کہیں سے ایک شکاری چاقو حاصل کیا اور پر حملہ کرنے والے چار افراد میں سے تین کو اس نے چاقو ہی سے ہلاک کر ڈالا۔

جب لوپیز جیل سے رہا ہوا تو اس سے سہ رخی جرائم یعنی خواتین سے زبردستی اور شراب نوشی کر کے قتل و غارت گری شروع کر دیے۔ 1999ء میں جب وہ ایکواڈور جیل میں تھا تو وہاں صحافی رون لیٹر نے اس سے ملاقات کی جو 12 جنوری 1999ء ایگزامنر" میں شائع ہوئی جس میں اس نے اپنی خونخوار "تکنیک" کا ذکر کیا۔

"میں اپنے شکار کے تعاقب میں مارکیٹوں میں ایسی لڑکی کو تلاش کرتا ہوا گھومتا رہتا جس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک ہوتی۔۔۔ معصومیت کی چمک اور خوبصورتی کی چمک۔۔۔ ایسی لڑکی ہمیشہ اچھی ہوتی ہے اور اپنی ماں سے مل جل کر کام کرنے والی ہوتی ہے۔ میں ایسی لڑکی کے پیچھے دو دو تین تین دن گھومتا رہتا یہاں تک کہ وہ تنہا ہوتی تو میں اسے جا ملتا اور ایک چھوٹا سا چمکدار شیشے کا زیور اسے تحفے کے طور پر دیتا۔ پھر اسے آبادی سے باہر لے جاتا اور اس کی ماں کو بھی ویسا ہی ایک تحفہ دینے کے ارادے کا اظہار کرتا۔ میں اسے خفیہ تاریک راہوں پر لے جاتا جہاں پہلے سے بنی ہوئی قبریں منتظر ہوتیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پہلے شکار کا مردہ جسم بھی وہاں ہی پڑا ہوتا۔ وہاں میں اپنے شکار سے لاڈ پیار کرتا۔ روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں دیوانہ ہو جاتا اور رات بھر کے پیار سے مست ہونے والی لڑکی کو حد سے گزرنے پر مجبور کر دیتا جب وہ میری بات مان جاتی تو پھر میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیتا اور اسے اسی وقت چھوڑتا جب وہ مر جاتی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کو دیکھنا مجھے اچھا لگتا۔ اگر میں اس کو اندھیرے میں ہلاک کرتا تو اس کی آنکھوں کو کیسے دیکھ سکتا؟ ان کو میں دن کی روشنی ہی میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ وجدانی لمحہ ہوتا جب میں اپنے ہاتھ کسی لڑکی کی گردن پر رکھتا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا وہاں ایک خاص قسم کی روشنی۔۔۔ خاص قسم کی چمک ہوتی جو پھر اچانک گم ہو جاتی۔۔۔ موت کا لمحہ بڑا اسیر کرنے والا اور برانگیختہ کرنے والا ہوتا ہے۔۔۔ صرف وہ لوگ جو حقیقتاً کسی کو جان سے مارتے ہیں وہ ہی جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

لوپیز نے اپنی اس مسرت کا بھی اظہار کیا جو اسے اپنے شکار کو جان سے دینے کے بعد اس کی الوداعی تقریب سے حاصل ہوتی۔ اس نے ایک تصویر بنائی جو

عمر سے کم نہ تھی۔ تین یا چار مری ہوئی لڑکیاں جن کی عمریں دس سال تھیں پیڈرو کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں جبکہ پیڈرو لوپیز مسرور دانت نکال کر ہنس رہا تھا۔

ایک مرتبہ اسے پیرو میں ایک قبیلے نے اس وقت گرفتار کر لیا جب وہ وہاں کی لڑکی کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہوں نے بچی کو لوپیز سے رہائی دلائی کو پہلی مرتبہ تجربہ ہوا کہ ایسے لوگوں پر حملہ کرنا کیسا رہتا ہے جو قانونی موشگافیاں تو جانتے لیکن جو انصاف اور انتقام کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ سزا کے طور لوپیز پر سخت تشدد کیا گیا۔ اسے چابک مارے گئے۔ آگ سے داغا گیا اور پاؤں ٹھوکریں وغیرہ بھی لگائی گئیں۔ اس کا کوئی عضو نہیں کاٹا گیا۔ نہ ہی اس کی شکل بگاڑی اسے کھینچا اور بند بھی نہیں کیا گیا تاہم قبائلی جرگے نے اس کو اس جرم کی پاداش میں کر دینے کا حکم دیا۔

اسے ایک نیک دل امریکین مسیحی پادری نے بچا لیا۔ اس نے پیرو کے قبائلی کو قائل کر لیا کہ خدا نہیں چاہتا کہ وہ لوپیز کو نقصان پہنچائیں یا جان سے ماریں۔ نے بادل نخواستہ لوپیز کو رہا کر دیا لیکن اسے ایکواڈور میں دھکیل دیا۔ وہاں اس اپنی اسی زندگی کی ابتدا کی جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا یعنی نوجوان لڑکیوں کا اغواء، ان کی اور ان کا قتل۔۔۔ وہی سب کچھ دوبارہ شروع کر دیا۔

1980ء میں ایک سیلابی پانی کی لہر نے ان مردہ اجسام کو ننگا کر دیا جو لوپیز نے تھیں۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد اس نے وہی کچھ کیا جو دوسرے قاتل لوگ کے بعد کرتے ہیں۔ اس نے بہت سے دوسرے قتلوں کا بھی اعتراف کر لیا۔ اس از کم پچاس قبریں پولیس کو دکھائیں جس میں اس نے اپنے شکاروں کو دفن کیا تھا۔

لوپیز کو ایکواڈور میں قتل کرنے کے جرم میں عمر قید کی سزا دی گئی۔

دنیا کی تاریخ میں بے تحاشہ اور متواتر قتل کرنے کا مصدقہ مجرم، عورتوں پر متشددانہ حملے کرنے والا بدمعاش اور کسی بھی دوسرے قاتل سے زیادہ تر قتل کرنے صفت شخص کس قدر خوش قسمت نکلا کہ وہ جس ملک میں گرفتار ہوا، مقدمہ بھگتا اور پائی لیکن ملک کے آئین کے مطابق اسے سزائے موت نہیں دی گئی۔

32

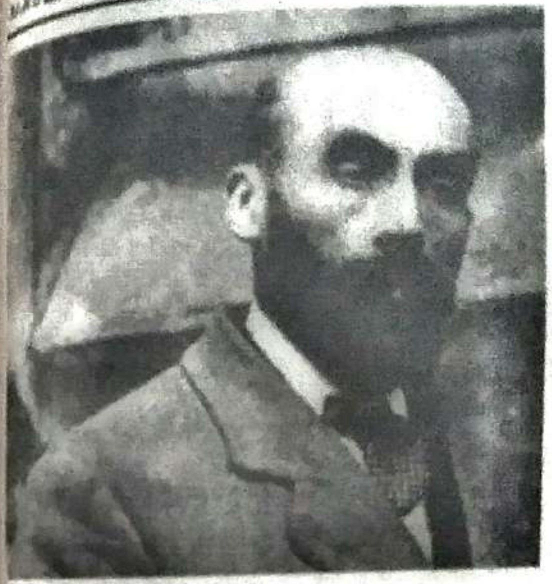

ہنری ڈیزائرے لانڈرو

(حقیقی طور پر بہت سی بیویوں کا شوہر)

(1869ء تا 1922ء)

"لانڈرو، دو بچوں کے ساتھ، عمر 43 سال، معقول آمدن، محبت کرنے والا، سنجیدہ، معاشرے میں اچھا مقام رکھنے والا، شادی کے ارادے سے بیوگان سے ملاقات کرنے کا خواہشمند ہے۔"

ہنری لانڈرو کی طرف سے
مختصر اشتہار برائے شادی

نیلی داڑھی والا اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک کے بعد دوسری بیوی کرتا ہے اور ہر بیوی کو ہلاک کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ "نیلی داڑھی والا" لفظ 1697ء میں فرانس کے ادیب چارلس پیرال کے افسانے "لا بار بی بلیو" کے کردار کی وجہ سے انگریزی زبان کا حصہ بنا۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک امیر لیکن انتہائی بدشکل شخص نیلی داڑھی والا ہے اور جو سات عورتوں سے شادی کرتا ہے اور اپنی دولت کی وجہ سے ہر ایک کی چھوٹی سی خواہش بھی پوری کرتا ہے لیکن ان سب کو بتاتا ہے کہ وہ اس کے قلعے میں تہ خانے کا فلاں فلاں دروازہ ہرگز ہرگز نہ کھولیں۔

نیلی داڑھی والے نے اپنی آٹھویں بیوی کو بھی واضح کیا کہ وہ قلعے میں کہیں بھی آجا سکتی ہے اور ہر وہ کام حسب خواہش کر سکتی ہے لیکن وہ تہ خانے میں فلاں کمرے کا دروازہ نہیں کھول سکتی۔ اس کی اطاعت کا امتحان لینے کے لیے اس نے اس ممنوعہ کمرے کی چابی کے ساتھ باقی گھر کی چابیاں بھی اسے دے دیں اور خود کاروباری سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس کی غیر حاضری میں اس کی آٹھویں بیوی نے اس کی حکم عدولی کرتے ہوئے ممنوعہ کمرے کا دروازہ کھولا۔ جو کچھ اس نے کمرے میں دیکھا اس سے اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہاں نیلی داڑھی والے کی پہلی بیویوں کی خون آلودہ لاشیں دیواروں کے ساتھ لٹک رہی تھیں جبکہ کمرے کا فرش جمے ہوئے خون سے ڈھکا ہوا تھا۔

بیوی کو سب کچھ دیکھ کر یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کا انجام بھی پہلی ساتوں بیویوں جیسا ہی ہوگا۔

نیلی داڑھی والا اپنے کاروباری سفر سے جلد ہی واپس آ گیا اور اس نے آتے ہی چابیاں طلب کیں۔ ممنوعہ کمرے کی چابی کو خون آلود پا کر وہ سمجھ گیا کہ اس کی بیوی نے ممنوعہ کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ خوف کے مارے چابی اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور صاف کرنے کے باوجود اس پر خون رہ گیا ہے۔ وہ اصل حقیقت جان کر غصے میں آ گیا اور اس نے بتا دیا کہ اس کی نافرمانی کی وجہ سے آٹھویں بیوی کو بھی مرنا ہوگا۔ وہ مرنے کے لیے تیار ہو گئی لیکن اس نے اپنے شوہر سے چند منٹ موت سے پہلے عبادت کرنے کے لیے طلب کیے۔ شوہر نے اس کو کچھ وقت دیا تو اسی دوران اس کی بیوی کے دو بھائی مدد کے لیے آ پہنچے۔

بیوی کے بھائی عین اس وقت گھوڑوں پر وہاں پہنچے جب نیلی داڑھی والے نے اپنی بیوی کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے ٹوکا بلند ہی کیا تھا۔ بیوی کا ایک بھائی فوج میں ڈریگون (ساتھویں اور آٹھیوں صدی میں برطانوی فوج میں بھاری بھرکم اسلحہ رکھنے والے فوجی کو ڈریگون کہتے تھے) تھا جبکہ دوسرا بندوقچی تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمن کو کس طرح نابود کیا جاتا ہے لہذا نیلی داڑھی والا اپنے بچاؤ کے لیے بھاگنے کے باوجود ان سے اپنی جان نہ بچا سکا۔ نتیجتاً نیلی داڑھی والے کی ساری جائداد اس کی بیوی اور بھائیوں کے حصے میں آئی اور بقیہ زندگی انہوں نے ہنسی خوشی گزاری۔

ہنری لانڈرو 1869ء میں فرانس میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک لوہار تھا جبکہ اس کی ماں ایک گھریلو عورت تھی۔ نوجوان ہنری کیتھولک سکول میں تعلیم حاصل کرتا رہا اور اس نے صدقات و خیرات کا حساب کتاب رکھنے میں سند حاصل کی۔ وہ مکینیکل انجینئرنگ میں داخل ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں وہ فرانسیسی فوج کے ایک مخصوص کام کے دستے میں شامل ہوا۔ بائیس سال کی عمر میں وہ وہاں سے بطور سارجنٹ فارغ ہوا۔ اسی سال اس نے اپنی ایک کزن کو ورغلایا جس کے نتیجے میں وہ ایک بچے کی ماں بن گئی۔ لیکن لانڈرو نے اس سے شادی نہیں کی۔ چوبیس سال کی عمر میں اس نے اپنی فوج کی کوارٹر ماسٹر سے شادی کر لی۔

لانڈرو ٹھگنے قد کا تھا۔ وہ سر سے گنجا اور گھنی داڑھی رکھتا تھا جبکہ اس کی ابرو گھنی اور بے ترتیب تھیں۔ وہ انہیں آراستہ بھی نہیں کرتا تھا لیکن پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی کہ عورتیں اس سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ وہ اتنی شستہ اور شائستہ گفتگو کرتا کہ وہ اکیلی بیوہ خواتین کو چند ہی باتوں سے اپنا گرویدہ کر لیتا۔ وہ اختلاط مجرمانہ کے علاوہ اپنی ملکیتیں اور سرمایہ بھی اسے دینے پر رضامند ہو جاتیں۔

لانڈرو بد اخلاق اور بے ضمیر شخص تھا۔ وہ مسلسل بیواؤں کو دھوکہ دیتا رہا۔ ان کی زندگی بھر کی بچتیں ان سے لے لیتا اور پھر ان سے قطع تعلق کر لیتا۔ ان وارداتوں کی وجہ سے وہ کئی مرتبہ جیل بھی گیا۔ وہ ان جرائم کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ اس کے آہن گر باپ نے بیٹے کی طرف سے مسلسل ذہنی کوفت ملتے رہنے کی وجہ سے خودکشی کر لی۔

ہو سکتا ہے کہ لانڈرو اگر شرم و حیا کرتا اور فریب کاری اور چکر بازی سے تائب

ہو جاتا تو لوگ اس کو باوجود انیسویں صدی کے بار بار جیل جانے والے شخص کی حیثیت سے بھول جاتے لیکن اس نے تو ایک نئی تاریخ لکھی۔۔۔ بدترین اور مسلسل قتلوں کی فرانسیسی تاریخ۔ اس کے ہاتھوں مرنے والی خواتین کی تعداد اس نیلی داڑھی والے قاتل سے زیادہ تھی جس کے نام پر اسے نیلی داڑھی والا کہا جاتا تھا۔ اس افسانوی نیلی داڑھی والے نے تو سات عورتوں کو قتل کیا تھا لیکن نیلی داڑھی والے لانڈرو نے دس عورتوں کے علاوہ ایک عورت کے بچے کو بھی قتل کیا۔ اسے گیارہ قتلوں کی پاداش میں موت کی سزا ہوئی اور انقلاب فرانس کی شہرت یافتہ "مس گلوٹین" نے اس کا سر تن سے جدا کیا۔

لانڈرو بغیر کسی تاسف یا افسوس کے قتل کرتا اور اس کے اس انتہائی اقدام کی وجہ دو ہی تھیں۔ ایک تو وہ قتل دولت کی لالچ میں کرتا اور دوسرے کسی شور و غوغا مچانے والی عورت کے شور و غوغا کو ختم کرنے کے لیے۔۔۔ صرف ایک عورت کو اس نے ان دو وجوہات کی بنا پر قتل کیا۔

وہ اپنے شکار کی تلاش مخصوص تین سطروں کے اشتہارات کے ذریعے کرتا اور ہر اشتہار کے جواب میں اسے کوئی نہ کوئی بیوہ مل ہی جاتی۔ کبھی تو وہ ایسے ہی بیوہ سے تعلقات قائم کر لیتا اور کبھی شادی بھی کر لیتا۔ پھر وہ پراسرار طور پر اپنی ملکیتیں اور سرمایہ اسے دے کر غائب ہو جاتیں۔ (دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک کاروباری منجم نے اس کا زائچہ تیار کیا اور اس کے زائچے میں لانڈرو کے کھاتے میں اموات یا تشدد، محبت، رومانس، سرد مہری، تباہ کن توانائیاں اور سنگدلی لکھی۔) وہ اس حد تک اپنے مکروہ دھندے میں گھر گیا کہ اس نے اپنے گھر میں مقتولین کی باقیات کو جلانے کے لیے ایک بڑی مٹی کے تیل کی انگیٹھی لگائی۔ اس کی یادداشتوں والی ایک کتاب بھی پولیس کے ہاتھ لگی۔

لانڈرو کا مقدمہ نومبر 1912ء میں شروع ہوا اور ایک ماہ چلتا رہا۔ دوران مقدمہ لانڈرو کا رویہ عدالت سے طنزیہ اور گستاخانہ رہا۔ شاید اسے یقین تھا کہ اسے جو باشعور تصور کیا گیا ہے اس کی معصومیت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اسے مقتولین کی جسمانی شہادت نہ ملنے کی وجہ سے بھی سزا نہیں سنائی جائے گی۔ تاہم جیوری نے دو گھنٹے کی بحث اور غور و خوض کے بعد اسے گیارہ جانوں کا قاتل قرار دیا اور اسے موت کی سزا سنائی گئی۔

اسے موت کی سزا دینے سے پہلے برانڈی کا جو گلاس پیش کیا گیا اس نے اسے پینے اور کوئی آخری بیان دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے اپنے افعال پر ندامت کا اظہار بھی نہیں کیا۔

سزائے موت پر عملدرآمد سے پہلے اس نے اپنے وکیل کو کچھ فن پارے بھی دیئے۔ ان فن پاروں میں سے ایک کی پشت پر لانڈرو نے اپنے جرائم کا "اقبالی بیان" لکھا تھا لیکن مجرم کی موت کے بعد چھیالس سال تک اس تحریر کا علم ہی نہیں ہو سکا۔ اس نے لکھا تھا: "میں نے یہ سب کچھ کیا اور ان کے مردہ اجسام کو میں نے اپنے گھر میں باورچی خانے کی انگیٹھی میں جلا دیا۔

* * *

33

ہرمین ویبسٹر موجیٹ

ایچ۔ ایچ۔ ہومز

(1861ء تا 1896ء)

"میں نے یہ جرم بھی اپنے دیگر جرائم کی طرح اپنے جیسے انسانوں کو جان سے مار دینے سے قبل ان کو رحم کی درخواستیں کرتے ہوئے بلبلانے' ان کے چیخنے چلانے اور رونے کی آوازیں سن کر لذت حاصل کرنے کے لیے کیا۔"

ایچ۔ ایچ۔ ہومز

"میں اپنے ساتھ شیطان کو لے کر پیدا ہوا۔ میں اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتا

> کہ جس طرح کوئی شاعر اپنے تاثر کو قلم کے بغیر نہیں رہ سکتا میں اسی طرح کا قاتل ہوں۔ جب میں پیدا ہوا تو "برائی" ماں باپ کی طرح میری کفالت کرنے کے لیے اس بستر کے قریب کھڑی تھی جس پر میری ولادت ہو رہی تھی۔ تب سے اب تک میں اسی برائی کے خدوخال کی تجسیم اپنے وجود میں کر رہا ہوں۔"

ایچ۔ ایچ۔ ہومز

ہرمین ویبسٹر موجیٹ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا پہلا شخص تھا جسے تسلسل کے ساتھ قتل کرنے والا قاتل خیال کیا جاتا ہے۔ وہ امریکہ کے باغی جیسی جیمز کا رشتہ دا وہ اس وقت امریکہ میں دہشت انگیز جرائم کر رہا تھا جب جیک دی ریپر نے لندن کو خو کر رکھا تھا۔

جہاں تک ہرمین ویبسٹر کے ذاتی تشخص اور اطوار کا تعلق تھا تو وہ خوش خلق استدلال سے کچھ سے کچھ کر دینے والا' ذہین اور ہر دل میں گھر کر لینے والا تھا۔ وہ ان خوبیوں کو سنگدلی سے سینکڑوں سادہ لوح خواتین پر استعمال کرتا کہ اس کے جذبات تسکین اس کی خواہشات کے مطابق کریں۔ وہ اس کو اپنی بیمہ پالیسی' بنک کے حساب کتاب' زمین کے کاغذات اور اپنے وصیت نامے تک مہیا کر دیتیں۔

ہرمین ویبسٹر کی زیادہ شناخت اس کے عرفی نام ایچ۔ ایچ۔ ہومز سے ہے۔ جرائم کی اقسام بیان کرنے کے لیے کئی سال سے مشہور معاشروں میں رومانوی انداز خاص طور پر لکھا جا رہا تھا' کیونکہ اس میں مجرم کے چلن اور انداز دلفریب خیال کیے جاتے ہیں۔ ہرمین ویبسٹر کے پسندیدہ خدوخال بھی ایسے ہی دھوکہ دینے والے تھے جو امریکہ کی اس عفریت کے اصل چہرے اور اس کی کرتوتوں کی پردہ پوشی کرتے تھے۔

ہرمین نیو ہیمپشائر کے ایک قصبہ جلمان ٹاؤن میں 1861ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک بے لگام بدزبان شخص تھا جو اسے موقع بے موقع پیٹتا اور ہر وقت گالی گلوچ کا نشانہ بنائے رکھتا۔ گرد و نواح کے بچے بھی ہرمین کو پسند نہیں کرتے تھے اور جب موقع ملتا اس کی ٹھکائی کر دیتے۔

ہرمین ڈاکٹر بنا چاہتا تھا بچپن ہی میں اس نے بہت سے زندہ جانوروں پر اپنی آزمائی تھی۔ وہ مشی گن یونیورسٹی کے میڈیکل سکول میں بھی حاضری دیتا رہا۔ ایسے سے شواہد موجود ہیں کہ اس کی غیر معمولی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے سکول سے نکال گیا۔ ان غیر معمولی سرگرمیوں میں ایک مردہ عورت کی لاش کو یونیورسٹی کیمپس میں رات بھی شامل تھا۔ دیگر ذرائع میں مشی گن یونیورسٹی کا میگزین "مشی گن ٹوڈے" یہ کہتا ہے کہ ہرمین ویبسٹر نے یونیورسٹی کے میڈیکل سکول سے گریجوایشن بھی کی۔

مشی گن چھوڑنے کے بعد وہ شکاگو آ گیا تاکہ وہاں وہ ادویات کا کاروبار کرے وہ تھوڑے ہی عرصے میں مختلف النوع فضول کاموں میں الجھ گیا اور اس نے اپنے کو ڈاکٹر ایچ۔ ایچ۔ ہومز کے نام سے مشہور کیا۔ وہ جس دواخانے میں کام کرتا تھا اس بالمقابل لاتعداد مکانات خالی پڑے تھے۔ ان مکانوں کے سلسلے میں سے ایک اوٹ عمارت کو بعد میں ڈاکٹر ہومز کے حوالے سے "ہومز کا قلعہ" پکارے جانے لگا۔ عمارت کے کمرے جنسی بے راہ روی' قتل' انسانی اعضاؤں کے کاٹ چھانٹ اور مردہ کو نیست و نابود کرنے کے لیے استعمال ہوئے۔

جرائم سے متعلق لکھنے والے ایک ادیب ڈیوڈ لوہر نے "ہومز کے قلعے" کے لے سے ایک مضمون "ٹری نیٹر" (یعنی نور اور ظلمت کی حد جو اجرام فلکی کے تاریک اور حصوں کو جدا کرتی ہے) میں لکھا:

> "بہت سے کمروں میں ایسے نکاسی سوراخ تھے جس کے ذریعے زہریلی یا نیند آور گیس خارج ہوتی تھی اور گیس کو جاری یا بند کرنے کا انتظام ہومز کی خواب گاہ سے ملحقہ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں تھا۔ بہت سے کمروں سے آواز باہر نہیں آ سکتی تھی اور نہ ہی انہیں اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جبکہ نچلی منزل میں دکانیں تھیں اور اوٹ پٹانگ بھول بھلیوں والے بغیر کھڑکیوں کے کمرے' برائے نام فرش' خفیہ راستے' بند ہونے کے بعد نہ کھلنے والے دروازے' ایک اچھی طرح آراستہ آپریشن کرنے کا حصہ تھا جس میں اذیت دینے والے اوزار بھی تھے۔ جیسے ایک چک جانچنے

کا آلہ اور تجرباتی اشیاء کو پھیلانے کا ایک آلہ" جس سے متعلق ہرمین کا دعویٰ تھا کہ وہ تجرباتی اشیا کو (جن میں عام طور پر زندہ مرد اور عورتیں ہی ہوتے) کو ان کے عام لمبائی چوڑائی سے دگنا پھیلا سکتا ہے (پھیلانے کی بجائے لفظ کھینچنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ مترجم) جن لوگوں نے اس آلے کو دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ وہ قرون وسطیٰ کے ایذا دہی کے شکنجے جیسا تھا۔ چند کمروں میں اسبسٹاس کا استر لگایا گیا تھا اور اینٹوں کی دیواروں میں کئی دروازے کھلتے تھے۔ سیڑھیاں کوئی نہیں تھیں۔ بلند کرنے والی کل بجلی کے بغیر تھی اور بجلی کل کے بغیر۔ ایک چھوٹا سا کمرہ ہوا اور آواز سے بھی محفوظ تھا۔ رہائشی کمروں سے ایک انسانی قدوقامت کے برابر گزرنے کا راستہ اس ہوا اور آواز بند کمرے میں جاتا تھا۔ اس کی تہ پر گریس کی چکناہٹ بچھائی گئی تھی۔ سونے کے کمروں میں جھانکنے کے لیے سوراخ بنائے گئے تھے اور یہ کمرے سانس گھٹنے والی گیس کی نالیوں سے منسلک تھے جن کا تعلق ڈاکٹر ہومز کی خوابگاہ سے ملحقہ کوٹھڑی سے تھا۔"

1893ء میں شکاگو میں عالمی میلہ لگا جو ڈاکٹر ہومز کے لیے ایک "مقت
مترقبہ" کی صورت رکھتا تھا۔ وہ آسانی سے سادہ لوح افراد کو اژدہام سے اپنے شی
تجربوں کے لیے نہ صرف انتخاب کر سکتا تھا بلکہ عورتوں کو سستی رہائش کے لالچ میں دھ
اور انہیں اپنے قلعے میں لاکر ان کی آبروریزی کرتا اور پھر جب وہ سو جاتیں تو وہ انہ
گیس سے بے ہوش کر کے ہوا اور آواز بند کمرے میں اٹھا لے جاتا۔ کمرے کو بند کر
وہ دم گھٹنے والی گیس کھول دیتا۔ وہ مرتے وقت ان کی بلند ہونے والی چیخیں سنتا، ان
تڑپتے اور موت سے بچنے کی بے کار جدوجہد کرتے اپنے ذرائع سے دیکھتا اور حظ اٹھا
جب وہ مر جاتیں تو ان کے وہ اعضا ان کے اجسام سے کاٹ لیتا جو اس کی دلچسپی کا باع
ہوتے۔

ہومز کے قاتل ہونے کا علم تب ہوا جب اس نے اپنے ایک کاروباری حص

ایک منصوبے کے تحت قتل کیا۔ ہومز نے اپنے دوست بین پزل سے یہ معاہدہ کیا کہ
پزل بیمہ کرائے اور پھر غائب ہو جائے۔ ہومز کوئی اور مسخ شدہ لاش پیش کر کے بیمے کی
ہزار ڈالر حاصل کرے گا اور اس رقم کو وہ برابر بانٹ لیں گے۔ ہومز نے کوئی اور
ش پیش کرنے کی بجائے پزل ہی کو مار ڈالا لیکن وہ اس واردات سے اس قدر گھبرا گیا کہ
بیوی اور بچے لے کر بھاگ گیا۔ جب پزل کی لاش برآمد ہوئی تو تمام شواہد کا رخ
ہومز کی طرف ہی گیا اور اسے قتل کا ملزم نامزد کیا گیا۔

پولیس نے فیصلہ کیا کہ وہ "ہومز کے قلعے" کی تفتیش کرے گی۔ تجربہ کار پولیس
ں نے دیکھا کہ قلعے کے تہ خانے میں ایک بہت بڑا گڑھا انسانی باقیات سے بھرا پڑا
دوں کو جلانے کے لیے قریب ہی ایک بہت بڑی انگیٹھی بھی موجود ہے تو انہیں ہومز
بت کا پتہ چلانے میں دیر نہیں لگی۔ پولیس کے مطابق یہ انسانی باقیات تقریباً دو سو
اد کی تھیں۔

ہومز کو گرفتار کیا گیا، اس کو موت کی سزا بھی دی گئی لیکن اپنا ورثہ ایک ایسے شخص
پر چھوڑ گیا جو انسانی جانوں کا قاتل، اذیت پرست، چوری چکاری اور جھوٹ بولنے
الی شخصیت کی مثال تھا جس نے خالص برائی کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔

اسے 7 مئی 1896ء کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ اپنے آخری بیان میں وہ اپنے
ے انکار کرتا رہا۔ وہ اس وقت بھی برابر باتیں کیے جا رہا تھا جب انہوں نے اس
کے نیچے سے تختہ سرکا کر اسے رسی اور اندھیرے کے حوالے کر دیا۔

☆

[illegible]

34

ڈونالڈ گیسکنز

(1933ء تا 1991ء)

[illegible]

پھر اسے عریاں کر کے باندھ دیا۔ جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے اسے اپنے بداخلاق کا کھیل کھیلنے پر مجبور کیا۔ خوفزدہ لڑکی نے اس کے حکم کی تعمیل کی لیکن اس دوران ہی میں اس نے اپنی کمر کی پیٹی اس کے گلے میں ڈال کر اسے قابو کیا اور رسی کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے اور خاموش رہنے کے وعدے پر اسے ڈگی میں ڈالا اور ایک لمبا سفر طے کرنے کے بعد وہ ویران جگہ پر پانی میں پہنچا اور وہاں لڑکی کو چرخی کی رسی کے ساتھ باندھ کر پانی میں ڈبکیاں دیتا رہا۔ کی ڈگی میں پڑی بے ہوش ہو چکی تھی خاموش تھی۔ مزاحمت تو وہ کر ہی نہیں سکتی وہ بندھی ہوئی تھی۔ دو چار بار ڈبکیاں دینے سے اسے ہوش آیا تو اس نے ایک ماریں۔ چیخوں کی آوازیں سنتے ہی گیسکو نے چرخی کو چھوڑ دیا اور جب تک بلبلوں آواز آتی رہی وہاں کھڑا رہا اور پھر واپس آ گیا۔

گیسکو نے اپنے سوانح نگار کو بتایا کہ جو کچھ اس نے کیا تھا اسے فرحت ہوئی تھی اور پھر وہ گوشت کا پسندہ کھانے چلا گیا۔

یہ قتل اس نے پہلی بار جیل سے رہا ہونے کے بعد کیا تھا۔ یہ بڑا قابل کام تھا لیکن وہ اس سے بھی زیادہ قابل نفرت کام کر سکنے کی اہلیت (یعنی خباثت) تھا۔ اس نے نہ صرف ایک حاملہ عورت سے زیادتی کی بلکہ اسے اور اس کی دونوں کو قتل کر دیا۔ تاریخ انسانیت کا یہ بدترین واقعہ ہے۔

ڈورین ڈیکیسی 23 سالہ لڑکی سے اس کی مدت سے ہیلو ہیلو تھی۔ اس کی کی بچی کا نام رابن تھا۔ اب وہ پھر سے سات ماہ کی حاملہ تھی۔ اس سے باتوں میں گیسکو نے وعدہ کیا کہ اس کے پاس ایک ٹرالہ ہے۔ وہ اسے اس میں رہنے کی دینے کو تیار ہے اور ساتھ ہی وہ اسے تھوڑی بہت رقم بھی مہیا کرتا رہے گا بشرطیکہ کبھار اس کی "خواہش" بھی پوری کر دیا کرے (جس معاشرے کی یہ بات ہے سودا کاری ممنوع نہیں ہے)۔ ڈورین نے ہاں کر دی۔

ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ کار کے اندر ہی گیسکو نے ڈورین سے دست درازیاں شروع کر دیں۔ ڈورین نے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے سامنے تو کرے۔ گیسکو نے اس کی بیٹی کی فراک بھی اتار پھینکی تو ڈورین نے غصے کا اظہار

ہوئے اپنے معاہدے کو توڑنے کی بات کی۔ اس بات سے پیچ پا ہو کر گیسکو نے اسے بھی بے ہوش کر دیا۔ اپنے سوانح نگار کو اس نے بتایا کہ اس نے جو لطف و کیف پریشان حال ڈورین سے حاصل کیا وہ بے مثل تھا۔ اس کیفیت و سرور میں اس نے ڈورین کا گلا چاقو سے کاٹ ڈالا۔ ماں کی حالت دیکھ کر اس کی بیٹی نے بھی چیخنا چلانا شروع کر دیا تو اس نے اس کا گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ تاہم غصے میں اس نے ننھی بچی کی لاش کی بے حرمتی بھی کی۔ پھر وہ دونوں کو کار کی ڈگی میں ڈال کر لے گیا اور ایک ویرانے میں ان کو علیحدہ علیحدہ جگہوں پر دبا آیا۔

اس دوہرے بلکہ تہرے قتل کی واردات کو سناتے ہوئے اس نے اپنے سوانح نگار سے وعدہ لیا کہ اس کی کرتوتوں کو اس کی موت کے بعد شائع کیا جائے ورنہ لوگ اس کے حوالے سے نفرین بھیجیں گے۔ یقیناً وہ ذلیل لوگوں میں سے ذلیل ترین ہے۔

سوانح نگار لکھتا ہے کہ گیسکو یہ کہانی اسے کبھی نہ سناتا اگر وہ اس سے یہ وعدہ نہ لیتا کہ "آخری سچ" اس کی موت کے بعد ہی شائع ہوگی۔ وہ تو اس قدر حرام خور اور تھا کہ اس نے اپنی چودہ سالہ بھتیجی کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ وہ اس حقیقت کو افشا کر کے خاندان کی نفرت کا مرکز بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کی اشاعت کو اپنی پھانسی کے بعد ہی بیان کرنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔ اسے 1991ء موت کی سزا دی گئی۔

* * *

35

ٹموتھی مک ویہہ

(1968ء تا 2001ء)

"میں اپنی قسمت کا خود مالک ہوں—
ولیم ارنسٹ ہینلے کی کتاب "ان وکٹس" سے

ٹموتھی جیمز مک ویہہ کو 33 سال کی عمر میں زہر کے ٹیکے سے موت کی سزا
کے وفاقی توبہ خانے واقع ٹیرا ہاٹ 'انڈیانا' میں 11 جون 2001ء کو سنٹرل ڈے لائٹ ٹائم
مطابق صبح سات بج کر 14 منٹ پر دی گئی۔
امریکن حکومت نے پچھلے اڑتیس سال میں پہلی مرتبہ 19 اپریل 1995ء کو

والے دھماکے کے ذمہ دار کی سزا پر اتنی دیر بعد عمل کیا۔ ملزم پر الزامات تھے کہ اس نے:

1. بڑی تعداد میں لوگوں کو ہلاک کرنے والی سازش میں حصہ لیا۔
2. اس نے بڑی تعداد میں لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہتھیار کو استعمال کیا۔
3. دھماکہ خیز مواد کے ذریعے تباہی پھیلائی۔
4. کہ وہ اول درجے کا قاتل ہے۔

ٹموتھی نے اوکلاہاما ریاست کے شہر اوکلاہاما میں واقع الفریڈ پی مرّاہ نامی ایک وفاقی عمارت کو دھماکہ خیز مواد سے تباہ کیا تھا جس میں 19 بچوں سمیت 168 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ مک ویہہ ٹیکہ لگانے کے وقت ٹکٹکی نما سٹریچر سے پٹیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے ذریعے میڈیا کے گواہوں اور اپنے وکلا سے رابطہ کیا اور کسی قسم کا بیان دینے سے انکار کرتے ہوئے 1875ء میں لکھی گئی ولیم ارنسٹ ہینلے کی نظم "ان وکٹس" کو جو اس نے ہاتھ سے لکھ رکھی تھی میڈیا کے گواہوں کو دینے کو کہا۔ نظم کا ترجمہ ہے:

اس رات میں سے جو مجھ پر چھائی ہوئی ہے
قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک بڑے گڑھے میں سیاہی ہی سیاہی ہے
جو بھی دیوتا ہیں میں ان کا مشکور ہوں
اپنی ناقابل تسخیر روح کے لیے

حالات کے شکنجے میں پھنسے کے باوجود
نہ تو میں نے آنکھیں جھپکی ہیں اور نہ ہی میں نے آہ بھری ہے
وقت کے ان بے ڈول ابھاروں کے نیچے
میرا سر تو خون خون ہے لیکن جھکا نہیں
غصے اور آنسوؤں کی اس سرزمین سے ورے
خوف کا سایہ بڑا نظر آتا ہے
اس کے باوجود سالوں پر محیط ڈراوا
مجھے خوفزدہ نہ پائے گا

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دروازہ کتنا تنگ ہے؟
کاغذ پر کیا کیا سزائیں (میرے لیے) لکھی ہیں؟؟
میں اپنی قسمت کا خود مالک ہوں
اور اپنی روح کا خود قائد ہوں

اس نظم کا پیغام' خوشی و رنج سے بالاتر ہوکر نیک کام کرنے کا احساس او
کی سنجیدہ وضع جو اس نے موت کی میز پر پیش کی ایک صریح سچائی کی علمبردار ہے کہ
ویہہ آخری دم تک سرکش اور غیر متاسف تھا۔

اوکلاہاما شہر میں بم دھماکے سے ٹموتھی کا مقصد وفاقی حکومت کو یہ پیغام
خبردار کرنا تھا کہ وہ جواب دہ ہے اور آئندہ بھی جوابدہ ہوگا اپنی ان کارروائیوں کی
جو اس نے فسطائی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے کی ہیں۔ مثال کے طور پر ویکو اور
رج کے علاقوں میں آتش زنی اور مقننہ پر یہ زور دینا کہ وہ امریکہ کے شہریوں پر بندو
رکھنے پر بھی پابندی عائد کرے۔

مک ویہہ ایک فریب خوردہ' بزعم خویش ایک بلند مرتبہ سرگرم سیاستدان تھا۔
نے ملکی آئین میں دوسری تبدیلی (ہتھیار لے کر چلنے کی حقوق کی تبدیلی) پر تحقیق ک
جب وہ بچہ ہی تھا تو مشغلے کے طور پر اس نے اپنے آپ کو زہریلے' نسل پرست
حکومت کے خلاف ناول "دی ٹرنر ڈائیریز" کا ہیرو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ ناول کے
نے ٹرک میں رکھے گئے بم سے ایک وفاقی عمارت کو اڑا دیا تھا۔ مک ویہہ کو مقدمے
سماعت کے دوران' سزایابی سے پہلے' جج نے کہا کہ وہ اگر کوئی بیان دینا چاہتا ہے یا کو
تحریری عذر پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

مک ویہہ نے ذیل کا بیان دیا:

> "اگر عدالت کی مرضی یہی ہے تو میں جسٹس برانڈیس کی اختلافی رائے اوم سٹیڈ کے مقدمے کے حوالے سے پیش کرتا ہوں۔ اس نے لکھا: "ہماری حکومت طاقت ور اور ہر وقت ہر جگہ موجود استاد ہے۔ یہ تمام لوگوں کو اپنی مثالوں سے نیک و بد سے متعلق سکھاتی

ہے۔ بس میں نے یہی کہنا ہے۔"

مک ویہہ کی اس مثال میں طنزیہ پہلو یہ تھا کہ حکومت نے اگر اسے موت کی
دی تو وہ امریکن لوگوں کے سامنے ایک بری مثال پیش کرے گی۔ جبکہ اس قسم کی طنز
کرنے والا خود بے گناہ اور معصوم 168 افراد کی جان لے چکا تھا اور اب حکومت کے
ف بیان دے رہا تھا۔

ٹموتھی پیڈلٹن نیو یارک میں 23 اپریل کو پیدا ہوا۔ وہ اپنے والدین ملی اور بل
مک ویہہ کا درمیانی بیٹا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک ذہین' متجسس' متین اور کھیل کود سے
کرنے والا بچہ تھا۔ اخبار نویسوں کو اس کے پیدائشی قصبے میں کوئی بھی شخص مک ویہہ کو برا
کی برائی کا حوالہ دینے والا نہ ملا تو وہ سخت حیران ہوئے۔ اس کی موت کی سزا پر
مد کے بعد اس کے ایک پڑوسی باب روئی نے 20 جون 2001ء "آج کا امریکہ"
کہا: "ہم اسے عفریت ہونے کی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ ہم نے کبھی کسی عفریت کو
دیکھا ہی نہیں۔ ہمیں اس کی برائی کا شائبہ تک معلوم نہیں—— وہ اپنے بارے میں اچھی
شتوں کے اور کچھ چھوڑ کر نہیں گیا—— یہ سب کچھ ایک معمہ ہے' یہ سب کچھ کیسے
"؟

"یہ سب کچھ کیوں ہوا؟" یہ تکلیف دہ لیکن ناقابل جواب سوال ہے۔

تاہم اس سوال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس نے "خالص برائی" کو امریکی
مت کے کاموں میں ٹیکساس میں دیکھا ہو۔ جب 19 اپریل 1993ء کو حکومت نے
فرنش کی شاخ ڈیوڈئین احاطہ پر حملے کے دوران ویکو میں دیکھا ہو۔ مک ویہہ کی بہن
فر (جس نے اپنا نام اپنے بھائی کی سزا کے بعد تبدیل کرلیا اور کسی جگہ کیرولینا میں
ہتی ہے) نے اپنے بھائی کے مقدمے کے دوران اس بات کی تصدیق کی کہ اس کا
ئی سخت غصے میں تھا اور اس کا کہنا تھا کہ حکومت نے ویکو میں لوگوں پر زیادتی کی ہے اور
گیس چھوڑ کر لوگوں کو جلایا ہے۔

مک ویہہ کے بے ترتیب عالمی منظر میں ویکو کی اموات کے علاوہ خلیجی جنگ
کی بے اتفاقی اور فوجی جوانوں نے جو بے عزتی حاصل کی اور ان کا خلیج سے واپسی پر جو
استقبال امریکہ اور امریکہ کی حکومت نے کیا (مک ویہہ خود بھی ان جوانوں میں شامل تھا

جو خلیجی جنگ میں شامل ہوئے تھے۔) ایک بری فال ہے۔ لگتا ہے جیسے حکومت نے ک بہت "بڑی شے" کو سزا دی ہے۔ اس نے اپنی بہن کو خط لکھا کہ یہ "بڑی شے" ہ والی ہے اور جلد ہی ہونے والی ہے۔

ویکو (ٹیکساس) میں مرنے والوں کی دوسری برسی پر مک ویہ نے ایک ز رنگ کا رائڈر نامی ٹرک حاصل کیا۔ اس میں اس نے چار ہزار پاؤنڈ دھماکہ خیز مواد رکھ ٹرک کو مراہ وفاقی عمارت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ وہ خود ٹرک سے باہر نکل آیا اور کہیں د چلا گیا۔ صبح نو بج کر دو منٹ دھماکہ خیز مواد نے اپنا کام دکھایا۔ جو اموات ہوئیں ان کی تعداد گھنٹہ بہ گھنٹہ اور دن بدن بڑھتی گئی تا آنکہ مرنے والوں کی کل تعداد 168 ہو گئی۔ ک ویہ کو دھماکے کے چند گھنٹوں بعد اوکلاہاما شہر میں ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس معمولی جرم کی پاداش میں اسے 2 دن کے لیے نظر بند کر دیا گیا لیکن اس کی بدقسمتی کہ رہائی سے صرف دو منٹ پہلے ایف۔ بی۔ آئی نے مک ویہ کا تعلق دھماکے کی واردات سے پیدا کر لیا۔ یہ تعلق ٹرک کے عقبی اور بغلی حصے میں لکھے ہوئے مسلسل نمبرو سے معلوم ہوا۔

2001ء میں مک ویہ نے اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ اس کی زندگی کے حالات "امریکی دہشت گرد" نامی کتاب میں موجود ہیں اس کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ امریکی تاریخ میں گھریلو دہشت گردی جیسا بدترین کام کرنے والا کس طرح اس بدترین فعل کا جواز ڈھونڈتا ہے اور اپنی اس اودھم مچانے والی بداخلاقی کو اپنا کارنامہ قرار دیتا ہے۔ اگر مک ویہ یہ سمجھتا تھا کہ حکومت نے ویکو میں جو کچھ کیا وہ غلط تھا تو اس کے لیے لازم تھا کہ وہ اس سے ملتی جلتی کارروائی ویکو کی کارروائی سے لاتعلق لوگوں کے ساتھ نہ کرتا۔

☆

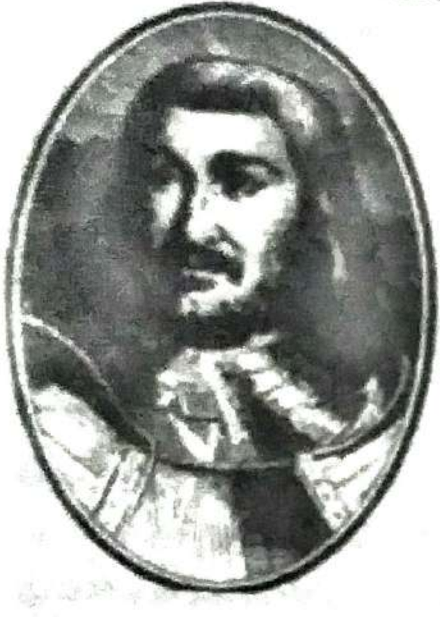

36

جلس ڈی رائیس

(1406ء تا 1440ء)

"— آہ و بکا پر مشتمل "آنسو چیخیں اور سسکیاں جو لوگوں کے اندرون سے پھوٹ رہی تھیں کے باوجود— جلس ڈی رائیس نے معصوم لڑکوں اور لڑکیوں کو اغوا کرایا اور غیر انسانی طریقے سے ان کو ذبح کیا' جان سے مارا' ان کے اعضاء علیحدہ علیحدہ کیے انہیں جلایا یا پھر اور قسم کی اذیتیں دیں— اور ان کے اجسام کو جلس نے شیطان کی نذر کیا— نوجوان لڑکوں کو اس نے اپنی لواطت کا شکار بنایا اور لڑکیوں سے خلاف وضع فطری افعال سر انجام دیئے— یہ سب کچھ اس نے اپنے حس کریہہ کی خاطر اس وقت کیا جب

چھوٹے بچے بچیاں یا تو ابھی زندہ تھے۔۔۔ یا جانکنی کے عالم میں تھے اور یا پھر مر چکے تھے۔

الزام نمبر 15 بخلاف جلس ڈی رائیس سے اقتباس

وہ کون سے عوامل تھے جس نے چودھویں صدی کے ایک طبقہ امرا کے جلس ڈی رائیس کو جبری زیادتی، ایذا رسانی اور لڑکے اور لڑکیوں کے قتل پر مائل کیا؟

ایک مفروضہ یہ ہے کہ اس نے اپنے باپ کو ایک شکار کے دوران مرتے دیکھ ایک سور نے اس کے باپ کو سخت زخمی کر دیا اور اس کے مرنے تک اس کا خون چاٹ پیتا رہا۔ اسے اس کے دادا جین نے پالا جو خود بڑا بداخلاق، لالچی، ظالم اور بے ضمیر تھا نے ابتدا ہی سے جلس ڈی رائیس کو یہ سکھانا شروع کر دیا کہ ملک کے قوانین غریب چڑاسی لوگوں کے لیے ہیں نوابوں اور شہزادوں کے لیے نہیں اور نہ ہی اس طبقے کے ہیں جس میں جلس پیدا ہوا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرتے وقت اس نے جو کچھ جلس کو سکھایا تھا اور جو بدی کے راستے تھے اس پر جلس سے معذرت کی اور کہا کہ اس نے اس کو جو کچھ سکھایا وہ غلط تھا اور آئندہ زندگی میں اس کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ اس نے اسے راکشس کہا۔ سارے بچپن میں دی گئی تعلیم اب ایک آخری لمحے میں کیسے ضائع ہو سکتی تھی 1432ء یا 1433ء میں جب جلس اپنی زندگی کے بیسویں سال کے وسط میں تھا اس نے لہو و لعب اور قتل وغیرہ شروع کر دیے۔

جلس کا روزمرہ کا چلن یہ تھا کہ وہ اپنے وردی پوش ملازموں میں سے اپنے کزنوں اور ایک گھریلو ناظم کو حکم دیتا کہ وہ قرب و جوار کی پہاڑیوں پر جائیں اور وہاں سے غریب کسانوں کے بچے اغوا کر کے اس کے قلعے میں لے آئیں۔ قلعے میں اس نے ایک کمرہ اپنی کجرو سرگرمیوں کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

جلس بچے کو گردن سے رسی کے ساتھ باندھتا اور اپنی تلوار سے اسے اذیت دینے والی چوٹیں لگاتا۔ وہ زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں بچے کے ساتھ شیطانی حرکات کرتا۔ اپنے بعض شکاروں کو جان سے مار دیتا اور ان کے اندرونی اجزاء اور فضلے

علیحدہ کر لیتا اور ان سے کھیلتا۔ یہاں تک کہ بچوں کی آنتوں سے کھیلنا بھی اس ذلیل کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کھیل سے فارغ ہونے کے بعد وہ محدود آگ سے ان اعضا اور بچے کے جسم کو جلاتا۔ تیز آگ وہ اس لیے استعمال نہ کرتا کہ کہیں بدبو سے اس کا سارا محل نہ بھر جائے۔ اپنے مقدمے کے دوران میں جلس نے یہ سب کچھ خود تسلیم کیا بلکہ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ دوسروں کو مرتے دیکھ کر اس قدر خوشی اور مسرت حاصل کرتا تھا کہ جیسے وہ جنسی تلذذ حاصل کر رہا ہے۔ مزید بتایا کہ جب اس کا شکار مر رہا ہوتا تو وہ اس کے پیٹ پر بیٹھا رہتا اور اسی وقت اٹھتا جب اس کے سانس بند ہو جاتے۔

ناپاک نفسانی کجرو خواہشات کی تکمیل کے علاوہ جلس جادو ٹونے، شعبدہ بازی، کیمیا گری اور دور وسطیٰ کی کیمیکل فلاسفی کہ کسی بھی کم تر دھات کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے کا بڑا گرویدہ تھا۔ وہ کسی ایسی اکسیر اعظم کا بھی متلاشی تھا جو ہر مرض کی دوا ہو۔ اس کو آب حیات کی بھی تلاش تھی کہ اسے موت ہی نہ آسکے دائمی زندگی اس کا مقدر ہو۔ علاوہ ازیں وہ ایک زبردست مذہبی آدمی بھی تھا۔ وہ جون آف آرک کے ساتھ بطور اس کے محافظ کے صد سالہ جنگ میں بھی لڑا اور اس نے بہت سارے گرجا گھروں کی آرائش وغیرہ بھی کی۔ اس سب کچھ کے باوجود وہ جادوگروں کو سرمایہ مہیا کرتا کہ وہ اسے خود شیطان کو حاضر کرنے کے جنتر منتر سکھائیں لیکن جادوگروں کے ساتھ اس کی تمام مجلسیں اور محفلیں ناکام ثابت ہوتیں۔ گو اسے اپنے سرمائے کو کھونا پڑتا۔ جادوگر پھر بھی نظر نہ آتے۔ بس اسے زیادہ سے زیادہ جو کچھ حاصل ہوا وہ "اندھیرے کے شہزادے" کا ہیولا نظر آنے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ جس محفل میں اسے شیطان کا ہیولا نظر آیا اس میں اس نے ایک نوجوان لڑکے کے اعضائے رئیسہ اور اعضائے نسلی اس ہیولے کی نظر کیے۔ اس نذرانے کے باوجود شیطان نے غیر مطمئن ہونے کی وجہ سے جلس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

1440ء میں جلس کو چھتیس سال کی عمر میں گرفتار کر لیا گیا اور اس پر مسیحی عقیدے کے خلاف بدعتیں ایجاد کرنے، اغوا، لواطت اور 140 لڑکوں کے قتل کے مقدمات قائم کیے گئے۔ پہلے تو جلس نے عدالت کے جواز ہی کو تسلیم نہیں کیا۔ الزامات کو تسلیم کرنا تو دور کی بات تھی۔ رات آئی تو اندھیرے میں اس نے سوچا کہ اس کی روح تو غیر فانی ہے وہ اپنی روح کو کیوں پریشان کرتا ہے؟ چنانچہ وہ دوبارہ عدالت کے سامنے پیش ہوا

اور اس نے اپنے گناہوں میں سے بہت کچھ تسلیم کر لیا۔ جو کچھ اس نے تسلیم کیا
ناکافی تھا لہٰذا جج نے جلس کو پولیس کی تحویل میں دے دیا کہ وہ اس سے سب
گلوائے۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ جلس کو کچھ ایذا رسانی کے آلات پر مبنی ایک
کمرہ بھی دکھایا گیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اس نے اپنے خلاف جملہ الزامات کا اقبال
اسے سزائے موت سنائی گئی جس پر 26 اکتوبر 1440ء کو عمل ہوا۔ اس کے جسم کو ایک
الاؤ میں ڈالا گیا لیکن اسے خاک ہونے سے بچا لیا گیا اور کیتھولک کے عقیدے
مطابق اس کی تدفین کی گئی۔

جلس ڈی رائیس کی سزا اور جرائم کے متعلق آج چند سوالات پیدا ہوئے ہیں
جلس سے اقبال جرم ایذا رسانی سے کرایا گیا جب اس وقت کی ایذا رسانی سے لوگ
کو ترجیح دیتے تھے۔ جلس کے اقبال جرم کے الفاظ کو یہ کہہ کر رد کیا جا سکتا تھا کہ اگر
مکمل طور پر جھوٹ نہیں تھے تو پھر بھی قابل اعتماد نہ تھے۔ تاہم ان سوالات کی تردید
سے کی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے اقبال جرم میں جو تفصیلات مہیا کیں وہ
ایک قاتل ہی مہیا کر سکتا ہے اور اس کی ان تفصیلات کی تصدیق اس کے امدادی
نے بھی کی جس میں دوسروں کے علاوہ اس کے کزن بھی شامل تھے۔ صاف ظاہر ہوتا
کہ جن لوگوں کی موت جلس کے ہاتھوں ہوئی ان کی مجموعی تعداد دو صد سے بھی زیادہ
سکتی ہے۔

37

برونولڈ کے

(1909ء تا 1944ء)

بالغ "وحشی انسان" نفسیاتی معالجین کے لیے اچھا پسندانہ تبدیلیاں وضع کرتے ہیں۔ گیس چیمبروں میں انسانوں کو ہلاک کرنے والی سرجنوں" ادویات اور خوراک کے ایسے نسخوں پر اتر آئے کہ وہ وہی مقاصد ان سے حاصل کر سکیں جو وہ گیس چیمبروں سے حاصل کرتے تھے۔ حکومت کے طبی افسران اعلیٰ کی طرف سے یہ پیغام موصول ہوا کہ ذہنی مریض بیکار کے "مفت خورے" ہیں، ریاست پر بوجھ ہیں اور جنگی کوششوں میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ ان کی زندگی 'زندگی' کہلانے کی مستحق ہی نہیں۔ ان کو ہلاک کرنے کی واضح ہدایت بھی گو تھوڑا سا الفاظ کا الٹ پھیر رکھتی تھی۔ بعد میں

ایک نفسیاتی معالج نے بتایا: "اس پروگرام (ذہنی مریضوں کو ہلاک کرنے کے) میں حصہ لینے والے دوسرے ڈاکٹروں سے بات چیت کرتے ہوئے مجھے معلوم ہوا کہ اگر کچھ معالجین یا کوئی ادارہ کسی مریض کو ٹیکے یا دوا کی زیادہ خوراک دے کر اس یقین کے ساتھ ہلاک کر دے کہ اس کی ہلاکت ہی پسندیدہ فعل ہے تو اس پر کوئی ہنگامہ نہیں ہوگا۔

رابرٹ جے لفٹن از "دی نازی ڈاکٹرز"

ایک آپریشن تھیٹر میں انیس سالہ ذہنی معذور جنسی جرائم میں ماخوذ میز پر چمڑے کی پیٹیوں سے کسا پڑا ہے۔ خون سے آلودہ سفید کوٹ پہنے ایک ڈاکٹر اس کے قریب اپنے اوزار تیار کر رہا ہے۔ مریض کمر سے نیچے بالکل برہنہ ہے—— مریض کا نام برو لدکے ہے اس کو اس کے فوطوں سے محروم کیا جانا مطلوب ہے۔ یہ حکم ہنرک ہملر کی طرف سے آیا ہے کہ مجرم چونکہ جنسی جرائم میں ملوث ہے اس لیے اس کے فوطے اتار کر بانجھ بنا دیا جائے تاکہ وہ کسی جرمن بچے کا باپ نہ بن سکے اور کسی عورت کو اپنے ذہنی مع کے بچے کا تحفہ نہ دے سکے۔ دو الفاظ میں ہملر اور اس کے ڈاکٹروں کا مقصد برونو کو جنسی جرائم سے روکنا تھا اور ایک آپریشن سے اس کے فوطے اتارنا تھے حالانکہ جنگ عظ دوم کے دوران کسی مرد کو بانجھ کرنے کے طبی طریقے دنیا میں موجود تھے۔

نازی ڈاکٹر غلط عمل کر رہے تھے۔

فوطے اتر جانے کے بعد 1928ء سے 1943ء تک برونو نے 86 عورتوں کو جان سے مارا اور جان سے مارنے سے پہلے ان کے ساتھ زیادتی کی اور بعض خواتین سے جنہوں نے برونو کا مقابلہ کیا ان کے ساتھ ان کو جان سے مار دینے کے بعد زیادتی کی۔

1991ء میں چیکوسلواکیہ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق جنسی بے راہ روی کی پاداش میں برونو جیسی سزا پانے والے 84 میں سے تین مریضوں نے پھر سے وہی حرکت کیں لیکن باقی سب نے اپنا جارحانہ رویہ ترک کر دیا تاہم وہ عمومی طور پر مردانہ قوت کے حامل ہی رہے۔ ڈنمارک میں ہونے والی ایک ایسی ہی تحقیق نے یہ نتیجہ پیش کیا کہ برونو جیسے آپریشن سے گزرنے والے افراد میں سے صرف 2 فیصد جارح رہے باقی نارمل ہو گئے۔ برونو اتفاق سے 3 اور 2 فیصد جارح اور جارحیت پسند افراد میں سے ایک نکلا۔

برونو عام طور پر اپنے شکار کو یا تو گلا گھونٹ کر ہلاک کرتا یا چاقو، چھرا اور کوئی ایسی ہی چیز گھونپ کر۔ وہ عورتوں پر حملہ کرنے کے لیے دبے پاؤں ان کو جا لیتا۔ وہ ایک بے رحم قاتل تھا اسے اپنے شکار کے درد اور آنسوؤں کی قطعی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس قسم کی نفرت اسے ان سے بھی تھی جن پر وہ جنسی حملہ نہ کرتا تھا۔ جرمنی کے ایک شہر میں وہ گھوڑا گاڑی چلا رہا تھا کہ ایک چوک میں اس کی گاڑی کے نیچے ایک عورت آ گئی۔ اس عورت پر گھوڑے اور گھوڑا گاڑی کا بھی پورا بوجھ پڑا۔ عورت کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور زخموں سے بے تحاشا خون بہا لیکن برونو اس کو یوں مرتا دیکھ کر قطعی متاسف نہیں ہوا۔ وہ مسلسل اپنی گاڑی کو ہانکتا آگے بڑھ گیا۔

برونو سے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ ہے لیکن اس کی سوچ میں ایک خاص قسم کی عیاری و مکاری تھی کہ اس کے بارے یہ طبی تشخیص نمائشی لگتی تھی۔ وہ اپنی اس تشخیص کردہ معذوری کو اکثر اپنی ساز باز کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا اور لوگوں کو بتا کر خوش ہوتا کہ وہ تو ذہنی طور پر پسماندہ ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسے اس کے اعمال کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جاتا۔ یہ اچھی بات تھی لیکن اس کی چالبازی اور دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس کی ذہنی معذوری محض ایک مفروضہ تھی۔

برونو کو بالآخر جنوری 1943ء میں ایک عورت کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ پولیس کی تحویل میں اس نے 85 مزید خواتین کے قتل کا اعتراف کیا۔ ممکن تھا کہ مستقل ذہنی معذور یا پسماندہ ہونے کے باعث وہ اس بار بھی حکام کو جل دے جاتا، اسے تجربات کے لیے نازی ڈاکٹروں کے سپرد کر دیا گیا۔

تحقیقاتی نتائج کیا ہوتے۔ یہ بعد کی بات تھی مگر وہ تجربے کے لیے لگائے جانے والے ایک ٹیکے کے اثرات ہی سے مر گیا۔ اس کے سب جرائم کا بدلہ ایک ٹیکے نے چکا دیا۔ کبھی کبھی فطرت یوں بھی انصاف کرتی ہے۔

☆

38

اینڈری چکاتِلو

(انگریزی لفظ Ripper کے دو معنی ہیں۔ چیر پھاڑ کرنے کا اوزار یا چیر پھاڑ کرنے والا اور دوسرے معنی بدترین انسان کے بھی ہیں۔ اینڈری چکاتلو کے کئی اور نام اس کی کرتوتوں کے سے تھے۔ دی ریڈ ریپر، دی روسٹو ریپر، دی میڈ بیسٹ، دی فارسٹ سٹرپ کلر اور سٹیزن ایکس

(1936ء تا 1994ء)

تمہاری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تم زمین پر اپنے نقش چھوڑ جاؤ۔

اینڈری چکاتلو

جو کچھ میں نے کیا وہ جنسی تلذذ کے لیے نہ تھا بلکہ اس سے مجھے ذہنی سکون حاصل ہوتا تھا۔

اینڈری چکاتلو

اینڈری روماکوف چکاتلو اپنے دور کا پے در پے قتل کرنے والا تھا۔ 1992ء میں ہونے والے اپنے خلاف مقدمے کے دوران وہ ایک روسی عدالت میں موٹی سلاخوں والے پنجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ پنجرہ لوگوں کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ چکاتلو کے ذاتی تحفظ کے لیے تھا، مبادا اس کے بہت سے شکاروں کے رشتہ دار لواحقین اور عزیز اس کی تکہ بوٹی نہ کردیں۔

چکاتلو کو کئی صفاتی ناموں سے پکارا جاسکتا ہے جیسے اغلام پرست، ایذا دہندہ، بدکار، آدم خور، اعضاء کاٹنے والا، قاتل اور نہ جانے کیا کیا؟ اس نے ازخود 55 زنا کاری، یت اور قتل کی وارداتوں کو تسلیم کیا لیکن آج کے دن تک یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ وہ مذکورہ تعداد سے کہیں زیادہ تعداد کا قاتل تھا۔

اپنی گرفتاری کے بعد چکاتلو نے سخت سے سخت مزاج رکھنے والے روسی پولیس افسروں کو اپنے اقبال جرم کی تفصیلات سے لرزا دیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ وہ لڑکوں کو سامنے اور پیچھے سے دانتوں سے کاٹتا رہا ہے اور عورتوں کی چھاتیوں اور زبانوں کو دانتوں سے کاٹ کر چوستا رہا ہے۔ اپنی ہوس کی تسکین کے لیے وہ مجبور عورتوں کے بعض اعضا کاٹ کر ان کو چبا کر حظ اٹھاتا رہا ہے۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ "میں ان کو دانتوں سے کاٹنے کی بجائے چبانے سے زیادہ رغبت رکھتا تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت اور لچک دار تھیں کہ بیان سے باہر ہے۔" اس کی کجروی کا عالم یہ تھا کہ اس کے ظلم و ستم کے آخری دور کے چند شکار، جو اتفاق سے زندہ رہے تھے، نے بطور شہادت کے اپنے اندرونی اور بیرونی کٹے ہوئے اعضاؤں کے بھر جانے والے زخم تفتیش کنندگان کو دکھائے۔

اینڈری چکاتلو 1936ء میں یبلوک نوکی نامی کھیتی باڑی کرنے والے یوکرائن کے گاؤں میں پیدا ہوا۔ ایک غیر مستند کہانی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ جب چکاتلو کی عمر پانچ سال تھی تو اسے یہ کہانی سنائی گئی کہ سٹالن کی اجتماعی کاشتکاری کے نتیجے میں یوکرائن میں خوفناک قحط پڑا تو ان کے ہمسائیوں میں سے ایک خاندان نے اس کے چھوٹے بھائی ن کو اغوا کرلیا اور بعد میں اسے قتل کر کے کھا لیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کہانی نے چکاتلو کے ننھے ذہن کو نفسیاتی طور پر کس قدر متاثر کیا ہوگا؟

بچپن اور طفولیت کے دور میں چکاتلو کو ایک نیچ قوم کا فرد خیال کرتے ہوئے

سماجی طور پر علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی آواز کمزور اور زنانہ تھی۔ اس کی خصوصی جا مرد ہونے کے باوجود اس کی چھاتیاں بڑی بڑی تھیں۔ اس کے زیر جامہ طور پر بگڑی ہوئی صورت کے تھے۔ وہ خود لذتی کا مریض بھی تھا اور بچاش جوانی تک رات کو اپنے بستر کو گیلا کرنے کا مریض رہا۔

چکاٹلو کی گرفتاری کے بعد الیگزینڈر بخانووسکی روسی ماہر نفسیات جو کرداروں کا ان کی عادات سے خاکہ تیار کرنے کا ماہر خیال کیا جاتا ہے نے کا جو کرداری خاکہ تیار کیا وہ یہ تھا کہ قاتل مردانہ قوت سے محروم ہے۔ کسی ساتھ معمول کے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ اس کا کوئی دوست نہیں اور اپنی ہی ذات تک ہے تاہم وہ ایک ذہین آدمی ہے اور اس کا دور طفولیت محرومیوں اور زیادتیوں سے ہے۔ وہ شراب نوش بھی نہیں، نہ ہی منشیات کا عادی ہے۔ اس کا رکھ رکھاؤ معقول اس کا رجحان کسی ایسی ملازمت کی طرف ہے جس میں وہ با اختیار ہو جیسے مثلاً سپلائی کلرک وغیرہ۔۔۔ چکاٹلو اس کرداری خاکے کے عین مطابق تھا اور گرفتاری کے جب اس کی ملاقات الیگزینڈر بخانووسکی سے ہوئی تو "ریڈ ریپر" نے یہ سب کچھ تسلیم

کامریڈ چکاٹلو کی روزمرہ کی زندگی بظاہر عام طرز کی زندگی تھی لیکن حقیقتاً عام زندگی کا چربہ تھی۔ اس نے 1963ء میں فینا سے شادی کی اور 1965ء میں اس ہاں ایک لڑکی لیوڈ ملا اور 1969ء میں ایک لڑکا یوری پیدا ہوئے۔ جب چکاٹلو کو گرفتار اور بچوں کو اپنے باپ کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بوریا بستر سمیٹا اور ایسے غائب ہوئے آج تک نہ ان کا علم ہو سکا ہے اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا ہے کہ ان کا اصلی باپ کون تھا

چکاٹلو کو اتفاق سے معلم اور سر معلم کی آسامیاں یکے بعد دیگرے ایک رہائشی میں ملیں۔ دونوں آسامیوں کے باعث اس کی بچوں سے میل ملاقات پر کوئی پابندی لیکن وہ اپنی خباثت نفسی سے باز نہ رہ سکا اور نتیجے کے طور پر دونوں آسامیوں برخاست کیا گیا۔ معلمی سے معزولی کے بعد اس نے سپلائی کلرک کی آسامی حاصل کر اس آسامی کی وجہ سے اس کے تعلق بڑھے اور وہ اپنی نفرت انگیز سرگرمیوں میں الجھ یہاں تک کہ اس کی گرفتاری عمل میں آ گئی۔

وہ گھنٹوں بسوں کے اڈے اور ریلوے اسٹیشن پر اپنے شکار کی تلاش میں گھو

تہ وہ بعد اپنے شکار کو شیریں اور شریفانہ گفتگو سے بہلاتا۔ وہ ایک بے ضرر اور مہربان جان قسم کا انسان نظر آتا اور اس وجہ سے چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی اس کے ساتھ جنگل جانے کو بھی تیار ہو جاتا۔ چکاٹلو سوچتا کہ اس نے اب اپنے شکار کے ساتھ کیا کرنا ہے؟

شیزن ایکس کی مجنونانہ حرکات کی ایک منتخب مثال اس تشدد کی ہے جو اس نے ب جو دہ سالہ لڑکی لاریسا پر 1981ء میں کیا۔ ابھی وہ زندہ تھی کہ اس نے اس کی چھاتیں کو کاٹ لیں اور جب وہ مر گئی تو اس نے لاش پر تھوکا اور اس پر پیشاب کر کے اس سے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اس کی لاش کے گرد رقص کیا اور اس کے اعضا کو اپنے رقص کے دوران میں ہوا میں لہراتا رہا۔ اس نے پولیس کو یہ بھی بتایا کہ وہ خواہش کرتا کہ اس کا شکار تڑپتی اور زخمی حالت میں زیادہ دیر تک زندہ رہے۔ اگر اس باقی زندگی کے دوران جو وہ اسے عطا کرتا تھا 'زخمی' اگر کوئی تھوڑا بہت سکون پاتا تو وہ اسے تڑپانے کی خاطر اور نیا گھاؤ لگا دیتا اور اپنی کبر و جراحی سے اسے انتہائی اذیت میں مبتلا کر دیتا۔ جراحی سے وہ چہرے کے اور اندرونی اعضا نکال کر اپنے شکار کے تڑپنے کا نظارہ کر کے خوش ہوتا۔

چکاٹلو کا ایک امتیازی طریقہ ایذا رسانی یہ بھی تھا کہ وہ اپنے شکار کو بار بار آنکھوں میں مارتا۔ کبھی کبھی وہ چاقو سے دبا کر آنکھوں کو نکال دیتا۔ بعض ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ وہ ایسا اس لیے کرتا تھا کہ اسے اس عقیدے پر یقین تھا کہ مقتول کی آنکھوں کی پتلی میں موت کے وقت قتل کرنے والے کی شبیہ باقی رہ جاتی ہے۔

مقدمے کے دوران اس نے خود کو پاگل ثابت کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ موت کی سزا سے بچ سکے۔ وہ عدالت کے کمرے میں اپنے پنجرے کے اندر اپنے کپڑے اتار دیتا اور حاضرین سے کہتا کہ دیکھو وہ تو ازل سے ہی بگڑا ہوا پیدا ہوا ہے۔ وہ گالیاں بھی بکتا، گاتا اور کبھی جج پر لعنتیں عائد کرتا کہ اگر وہ اس کے حق میں فیصلہ نہ کرے گا تو وہ برباد ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔ مگر اس کی یہ ساری کاروائیاں رائیگاں گئیں۔ اسے موت کی سزا ملی اور 1994ء میں اس کے سر کی پچھلی جانب گولی مار کر اس برائی کا خاتمہ کیا گیا۔

☆

39

اناطولی اونو پرینکو

(ختم کرنے والا)

(1959ء تا   )

"میرے لیے لوگوں کو قتل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے پروں سے بھرے کسی تکیے کو ادھیڑ دیا جائے ـــــ میں کوئی سودائی نہیں ـــــ میں کسی اعلیٰ ترین طاقت کے قبضے میں ہوں ـــ کچھ تار برقی یا کچھ کائناتی قسم کی قوت جو مجھ سے کام لیتی ہے۔ مثال کے طور پر میں اپنے بھائی کی پہلی بیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن میں اسے قتل نہ کر سکا کیونکہ

مجھے پہلے احکام کی ضرورت تھی ـــ میں نے احکام کا انتظار کیا مگر وہ نہیں آئے ـــ اگر مجھے موت کی سزا نہ دی گئی تو میں بھاگ جاؤں گا اور پھر سے لوگوں کو مارنا شروع کر دوں گا۔ میری پرورش ہی شیطان کی خدمت کے لیے ہو رہی ہے۔"

اناطولی اونو پرینکو

بے شک یہ اپریل ہے لیکن یوکرائن کے اس حصے میں پولینڈ کی سرحد کے قریب راتیں ٹھنڈی ہیں اور خاص طور پر صبح تین بجے تو کافی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

بستر پر جو دوسرے کمرے میں ہے کھیتوں کی زمین پر ان کا گھر تاریکی میں ہے دوسرے تمام گھروں سے علیحدہ ہے۔ اگر کوئی چیخے بھی تو اس کی آواز سنائی نہیں دیتی کوئی چھوٹی بندوق چلائے تو اس کی بھی آواز اس گھر تک نہیں پہنچ سکتی۔

اچانک ڈب چک خاندان کے گھر کا صدر دروازہ ایک خوفناک گونج کے ساتھ کھلتا ہے۔ ایک ٹھگنا گنجا لیکن توانا آدمی گھر کے اندر تیزی سے داخل ہوتا ہے اور پیشتر اس کے کہ ڈب چک اپنے کسی ردعمل کا اظہار کریں وہ بستروں میں لیٹے افراد کے سروں پر آ کھڑا ہوتا ہے اور وہ ایک صاف چمکدار شاٹ گن کی نالی ان کے چہروں پر تان لیتا ہے۔

"کھڑے ہو جاؤ" وہ یوکرائن کی زبان میں کہتا ہے۔

چند منٹوں میں ہی ڈب چک خاندان کے چاروں افراد کو گھیر کر ایک کمرے میں لے آتا ہے اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر بندوق کو ان پر تان لیتا ہے جبکہ سامنے کا دروازہ ابھی تک کھلا ہی نظر آتا ہے۔

آنے والا باپ اور بیٹے دونوں کو ایک سرسری نظر سے دیکھتا ہے اور بغیر کچھ کہے بندوق کا گھوڑا دبا دیتا ہے۔ ایک لمحہ توقف کے بعد وہ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

باپ اور بیٹا دونوں بے جان فرش پر گر جاتے ہیں۔

اب ماں اور بیٹی دیوانہ وار اونچی آواز میں چیخ چلا اور رو پیٹ رہی ہیں۔ ان کے رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے کی آواز تھکے حملہ آور کے دماغ میں کسی چوٹ کی مانند لگتی ہے اور وہ مزید غصے میں بھر جاتا ہے۔ وہ اپنی بندوق نیچے رکھ دیتا ہے اور اپنی جیب میں

ہاتھ ڈال کر وہ لکڑی کے دستے والی ایک ہتھوڑی نکالتا ہے۔ وہ ماں اور بیٹی تک پہنچ اور انہیں گھسیٹ کر اکٹھا کرتا ہے اور اپنی ہتھوڑی سے وہ ان کے سروں' چہروں' باز پشتوں' پیٹ اور چھاتیوں پہ بار بار ضربیں لگاتا ہے۔ وہ گھنٹا اس وقت تک انہیں ضر لگاتا رہا ہے جب تک کہ ان کا چیخنا چلانا بند نہیں ہو گیا۔

باوجود یکہ ڈب چک عورتیں خاموش ہو جاتی ہیں حملہ آور کا غصہ پھر بھی فرو ہوتا وہ ان کو مزید اس قدر پیٹتا ہے کہ اپنا سانس پھول جانے ہی پر رکتا ہے اور کر جھک کر اپنا سانس درست کرتا ہے۔

سانس درست ہونے پر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے اپنی بندوق اٹھاتا ہے۔ ہتھوڑی کو جیب میں رکھتا ہے اور جانے کے لیے گھومتا ہے لیکن جاتے جاتے بھی وہ چیزوں کو جھپٹ لیتا ہے' جن میں انگوٹھی' ایک چاندی کا ڈبہ اور ایک گھڑی شامل ہیں۔

ہر جگہ خون بکھرا ہوا ہے لہٰذا جانے سے پہلے وہ گھر کو آگ لگا دیتا ہے۔ تاریک رات میں چلتے ہوئے مکان سے مسکراتا ہوا نکل جاتا ہے۔ اناطولی اونوپر یوکرائن کی آنے والی سرد راتوں میں اور بھی خاندانوں کے ہاں جائے گا لیکن آج کی رات نہیں۔ ختم کرنے والے نے آج کی رات کا کام ختم کر لیا ہے۔

اونوپریکو 1959ء میں لاکی یوکرائن میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ نے اس پرورش کی ذمہ داری نہیں اٹھائی۔ اس کا ایک بڑا بھائی اور اس کے باپ نے کہا تھا کہ صرف ایک بچے کی پرورش کر سکتا ہے' لہٰذا اناطولی کو ایک سال کی عمر میں یتیم خانے م داخل کرا دیا گیا۔ کچھ ماہرین نفسیات جنہوں نے اناطولی پر کچھ تجرباتی اور مطالعاتی کام دعویٰ رکھتے ہیں کہ ماضی میں جنم دینے کا باعث بننے والے باپ کی غیر ذمہ داری اسے ایسا قاتل بنایا جو پورے کے پورے خاندان کا خاتمہ کرتا تھا۔ وہ ایسے کنبوں برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مل جل کر رہیں جبکہ وہ اپنے خاندان سے ''کاٹ'' کر د گیا تھا۔ اس نفسیاتی توضیح کے باوجود اناطولی اونوپریکو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو کچھ اس کیا وہ اس نے اس لیے کیا کہ وہ شیطان کا خادم تھا۔ وہ آوازیں سنتا (جو فضا کی ب آوازیں ہو سکتی تھیں اور اس نے اس حقیقت کو تسلیم بھی کیا) اور ان کے مطابق عمل کرتا

وجہ کچھ بھی ہو لیکن۔ قاتلانہ رجحان طبع رکھنے والے اس شخص نے جو بعد میں اپ

پ کو آرنلڈ شوارزینگر کی فلم (دی ٹرمینیٹر) دیکھنے کے بعد ''ختم کرنے والا'' کہلواتا تھا' ے 52 افراد کو جان سے بلاوجہ اور بغیر ذاتی دشمنی کے مارا۔

اناطولی اونوپریکو نے اپنے پہلے شکار کو 1989ء میں قتل کیا۔ ازاں بعد چھ سال میں اس نے ایسے بھیانک قتل کی گیارہ بار وارداتیں کیں۔ وہ کبھی گرفتار نہیں ہوا۔ ایک سے بری خون بہانے کی خواہش کا جنون پوری کرنے کے لیے واردات میں چھ ماہ کے عرصہ واقعہ ہوتا اور فوری طور پر ایک آدھ فرد کا خون بہانے سے اس کی تسلی نہ ہوتی۔

کارنا ریتا نامی چھوٹے سے گاؤں میں 1995ء کی کرسمس کی شام کو اس مارنے ونے والے وارداتی نے وہ وارداتیں کیں جو بالآخر اس کی گرفتاری اور مقدمہ پر منتج وئیں۔ اس نے محکمہ جنگلات کے ملازم کے گھر سے ہلاکت کی ابتدا کی۔ ماں باپ کے و ان کے دو بیٹوں کو ہلاک کیا۔ اگلے پانچ مہینوں میں اناطولی نے چالیس افراد کو قتل یا۔ اس نے زیادتی کا ارتکاب صرف ایک عورت سے کیا لیکن اپنی بدکرداری کی حد اس یکی کہ اپنی بندوق سے اس کے منہ کو نشانہ بنانے کے بعد گھناؤنا فعل سرانجام دیا۔ کچھ ے لوگوں کو بھی اس نے قتل کیا جو غلط وقت پر' غلط جگہ پر آ گئے تھے۔ وہ ایک مقام پر قتل کر کے وہاں سے بھاگ رہا تھا اور وہ بیچارے تقدیر کے مارے جائے وقوعہ پر پہنچ گئے تھے اور اس کے بھاگنے کی راہ میں رکاوٹ بنے تھے۔

اپنے غصے کو فرو کرنے کے چھ ماہ کے دوران اناطولی اپنے ایک کزن کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اس کے کزن نے اس کے ہتھیار دیکھے تو اس نے اناطولی کو ایسے ہتھیار کھوانے سے منع کیا اور اناطولی کو اپنے گھر سے چلے جانے کے لیے کہا۔ اناطولی بھی سی کا سور تھا وہ اپنے کزن کی اس حرکت سے سخت سیخ پا ہوا اور اپنے کزن کو دھمکی دی کہ کر کے ایام میں اپنے اور اپنے کنبے کی خیر منائے۔ اس کا کزن خوفزدہ ہو گیا اور اس ے پولیس حکام کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ پولیس نے اونوپریکو کو اس کی ایک ست کے گھر پر چھاپہ مار کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس کے ہتھیار کی تلاشی کے دوران سے پہلے مقتولین کی ملکیتی اشیاء بھی برآمد ہوئیں تو پولیس حیران رہ گئی۔

اونوپریکو کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ جب وہ پولیس کی تحویل میں لیا جا چکا تو اس سازی جرنیل سے بات کرنے پر اصرار کیا۔ پولیس نے اسے ایک مقامی جنرل کے سامنے

پیش کیا جو دراصل پولیس افسر ہی جرنیل کی وردی میں تھا۔ اس کے سامنے اونوپریکو 1989ء سے 1995ء تک 52 قتل کرنے کا اعتراف کیا۔ اس نے جنرل کو یہ بھی اس نے جو کچھ کیا وہ ان آوازوں کے کہنے پر کیا جو اسے سنائی دیتی تھیں اور ممکن ہے کہ آوازیں کوئی ماورائی حقیقت رکھتی ہوں۔

اونوپریکو کا مقدمہ نومبر 1998ء میں شروع ہوا۔ اس کو بھی عدالت میں کے دوران عوام کے غیض و غضب سے بچانے کے لیے آہنی پنجرے میں (اسی کتاب ایک اور کردار چکاتلو کی طرح) رکھا گیا۔ وہ مجرم ثابت ہوا اور اپریل 1999ء میں اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ اس وقت روس میں تمام سزاؤں پر عملدرآمد کے بارے میں التوا ہے۔ اگر حکومت کے حق میں عدالت نے فیصلہ دے دیا تو اونوپریکو کو فوراً موت دے دی جائے گی لیکن اگر حکومت کے حق میں فیصلہ نہ ہوا تو اونوپریکو تاحیات میں رہے گا۔

* * *

40

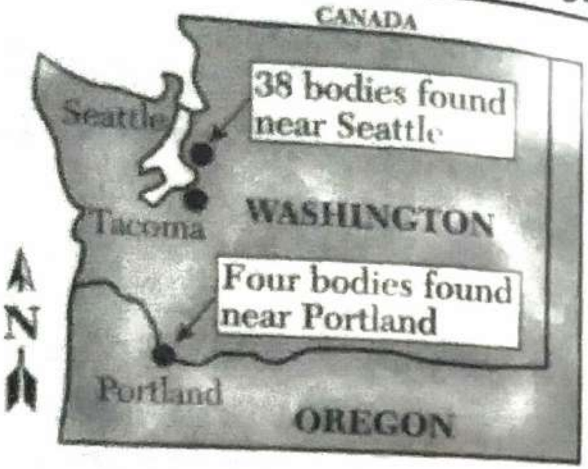

دریائے گرین کا قاتل

میں دریائے گرین (کے گردونواح) میں ہونے والے قتلوں کا قاتل نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے بدترین شخص کہا ہے جبکہ میں ایسا نہیں ہوں۔

ولیم سٹیون سن

میں ولیم سٹیون کا لے پالک بھائی ہوں۔ میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں کہ اس نے کس طرح یہ جرم کیا لیکن وہ ابھی پولیس کی دسترس سے گرفتاری سے اور سزا سے باہر ہے۔

رائٹ سٹیون ویب سائٹ پر۔۔۔ مدد طلب کرتے ہوئے کہ وہ اپنے بھائی کو دریائے گرین کا قاتل ثابت کرنے کے مشن میں کامیاب ہو سکے۔

دریائے گرین کا قاتل کون ہے یا کون تھا؟ کیا وہ اب تک زندہ ہے؟ جیل میں ہے؟ کیا اس نے سیٹل اپورٹ لینڈ کا علاقہ چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ جوان کے قتل عام کا اپنا کام امریکہ میں کسی اور مقام پر جاری رکھ سکے؟

پے در پے قتل کرنے والے قاتل نے اپنا نام دریائے گرین کا قاتل اس طر مشہور کر دیا کہ اس نے اپنے مقتولین کو دریائے گرین میں چھپایا اور کبھی گرفتار نہیں یقین کیا جاتا ہے کہ دریائے گرین کے اس قاتل نے 1982ء سے 1984ء کے درمیان از کم 49 قتل کیے۔ ایسے لوگ جن کا ان قتلوں کی مقتول عورتوں سے کچھ نہ کچھ تعلق ہے وہ ان قتلوں کی قانونی تاویلات و تفتیش سے متعلق ہیں یہ یقین رکھتے ہیں کہ جوں جو مقتولہ خواتین کے ڈھانچے دستیاب ہوں گے دریائے گرین کے قاتل کے مقتولین کی تعد بڑھتی جائے گی۔ (ہیرولڈ شیکٹر اور ڈیوڈ ایورٹ کی لکھی ہوئی 1996ء کی اے سے زیڈ تک کی ”انسائیکلوپیڈیا آف سیریل کلر“ گرین کے قاتل کے شکاروں کی تعداد 66 بتاتی ہے۔)

دریائے گرین کے قتلوں کے بارے میں ہونے والی تحقیقات کی تفصیلات کے تحریری کاغذات کے بہت بڑے انبار میں کھو جانا بہت آسان ہے کیونکہ ہزاروں فائلیں تیار ہوئیں' ہزاروں لوگوں کو امکانی شہادتوں یا مشتبہ افراد میں شامل کیا گیا۔ ہزاروں ٹکڑے شہادتوں کے اکٹھے کیے گئے' ہزاروں گاڑیوں کی تفتیش میں مدد کے لیے پڑتال کی گئی ہزاروں گھنٹے پولیس نے لڑکوں سے پوچھ گچھ کی' تحقیقات کی کوششوں پر ہزاروں ڈالر خرچ کیے گئے اور ان سب کوششوں کا نتیجہ بڑا سا صفر نکلا۔

سولہ سال کی ناکام جدوجہد سے حقائق کی روشنی میں جو پتہ چلا وہ دریائے گرین کے قتلوں میں کم از کم 49 بیٹیاں' بہنیں' دوست اور محبوبائیں اغوا کی گئیں اور قتل کی گئیں اور ان کی لاشیں کوڑا کرکٹ کی طرح سیٹل اور پورٹ لینڈ کے علاقوں میں پھینک دی گئیں۔ بہت سی لاشیں جنگلوں اور دریائے گرین میں سے ملیں۔ بہت سی لاشیں محض ڈھانچوں پر مشتمل تھیں کیونکہ وہ تلاش ہی اس وقت کی جا سکیں جبکہ ان کی ہڈیاں ہی باقی رہ چکی تھیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دریائے گرین کی بہت سی مقتولین طوائفیں تھیں۔ ان میں سے کچھ صرف سولہ سال کی نوجوان لڑکیاں تھیں۔ بہت سی برہنہ حالت میں ملیں اور ہر

ایک کی گردن کے گرد وہ کپڑا لپٹا ہوا تھا جن سے ان کا گلا گھونٹا گیا تھا۔ کچھ ایسی بھی تھیں جن کی رانوں کے درمیان پتھر پھنسائے گئے تھے۔ ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ ایسا بھی ملا جس کے پیٹ کی ہڈیوں میں ایک بچے کی ہڈیاں تھیں گویا قتل کے وقت وہ حاملہ تھی اور پیدائش کا وقت قریب تھا۔

ایف۔ بی۔ آئی کے مخصوص عاداتی خاکہ (پروفائل) بنانے والے اعلیٰ ترین افسر جان ڈگلس نے دریائے گرین کے قاتل کا جو خاکہ تیار کیا وہ یہ تھا کہ قاتل غیر منظم' مشتعل' بے تاب اور جلد باز بھی ہے جبکہ وہ اس لحاظ سے منضبط ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اور بھرپور اعتماد سے واردات کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے شکار کو جب چاہتا ہے اٹھا لیتا ہے اور پھر اسے موت کے گھاٹ بھی اسی کے کپڑوں سے بدترتیبی سے پھانسی دے کر اتارتا ہے۔ کچھ لاشیں ایسی بھی ملیں جن کو ڈبونے کے لیے ان کے ساتھ اس نے وزن باندھ رکھا تھا اندازہ ہوا کہ قاتل کو اپنے اوپر خاصا اعتماد ہے اور وہ اپنے شکار کو ٹھکانے لگانے کی خاطر کچھ تیاریاں بھی کرتا ہے۔ ڈگلس نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ قاتل کو اپنے ماضی میں عورتوں سے تلخ تجربات ہوئے ہیں اور اس نے طوائفوں کو زیادہ تر نشانہ اس لیے بنایا کہ وہ ان کو عورتوں میں سے ایک کمتر مخلوق خیال کرتا تھا۔ اس کے برعکس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مردوں کو پھانسنے والی خواتین کو قتل کرتا ہو کیونکہ ایسی عورتوں کو وہ سب سے زیادہ طاقتور خیال کرتا ہوگا۔ ایسی عورتیں جانتی ہیں کہ مرد کیا چاہتے ہیں؟ وہ مردوں کو جو وہ چاہتے ہیں مہیا کرتی ہیں۔ وہ ان کی جنسی خواہشوں پر مضبوط گرفت رکھتی ہیں۔ کوئی جو کچھ چاہتا ہے تو اس کی چاہت پر گرفت رکھنا ہی ”توانائی“ کہلاتی ہے۔ چاہت کا منبع جو بھی ہو اس کے سامنے انسان کا کمزور ہونا فطری بات ہے۔

دریائے گرین کا قاتل اپنی برائی سے ممکن ہے اپنے بے ڈھب طریقے سے اپنی ہر عورت کی وہ توانائی ضائع کرنا چاہتا ہو جو اسے قاتل پر کسی نہ کسی وقت حاصل رہی تھی۔ عادات اور شخصیت کا خاکہ یہ بھی ظاہر کرتا تھا کہ قاتل سفید فام تھا' اس کی عمر بیس اور چالیس کے درمیان تھی۔ سگریٹ لگاتار پیتا تھا اور بلا کا شراب نوش تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس پر ماضی میں مجرمانہ جنسی حملے ہوئے ہوں؟

پولیس کی قاتل کے خلاف تحقیقات کے دوران ایک شخص نے متعلقہ حکام کو

قاتل کی تلاش میں امداد کی پیش کی کہ وہ اپنے مطالعے کے بل پر حوالہ قتل کی کرنے والے کی نہ صرف نفسیات جانتا ہے بلکہ وہ اس کو گرفتار بھی کر سکتا جس کا نام ٹیڈ بنڈی (اس کتاب میں اس کا ذکر تفصیل سے بھی موجود ہے) ہے نے کو یہ بھی لکھا کہ وہ دریائے گرین کے قاتل سے متعلق سب کچھ تفصیل سے جا لہٰذا وہ پولیس کو مفید مشورے قاتل کی گرفتاری کے حوالے سے دے سکتا ہے۔ اس کے ایماء پر جاسوسوں نے کئی دفعہ فلوریڈا کا سفر کیا۔ ایک جاسوس نے تو ٹیڈ بنڈی کے اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں کتاب بھی لکھی۔ بالآخر یہ طے کیا گیا کہ ٹیڈ بنڈی اپنی گردن بچا رہا ہے کیونکہ وہ ایک اور سرگرم معاملے میں ناگزیر طور پر مطلوب تھا۔ (اس مدد کسی کام نہ آئی۔)

دریائے گرین کے مقتولین کے سلسلے میں پانچ افراد سے پوچھ گچھ کی گئی۔ پو کو عرصے سے یہ یقین تھا کہ قاتل طوائفوں کو چکر دینے کے لیے پولیس کانسٹیبل کا دھارتا ہوگا اور انہیں اپنی کار میں بٹھا لیتا ہوگا۔ ان پانچ مشکوک افراد میں سے ایک دریائے گرین کی ٹاسک فورس کے مفروضوں پر پورا اترتا تھا اور وہ ولیم جے سٹیون دوم جب بالآخر سٹیون کو 1989ء میں گرفتار کیا گیا تو اس کے قبضے سے ایک ہر لحاظ سے ایک پولیس کار برآمد ہوئی۔ علاوہ ازیں ایک سو کے قریب پولیس کے مختلف نشانات، 29 کی تعداد میں ہر قسم کا آتشیں اسلحہ اور 29 لائسنس پلیٹیں بھی ملیں لیکن سٹیون نے بہت سی مقتولین کے قتل کے وقت کسی دوسری جگہ پر اپنے موجود ہونے کی شہادتیں کر دیں نتیجے کے طور پر اسے رہا کر دیا گیا۔ وہ 1991ء میں کینسر کے باعث دم توڑ گیا

اس کا بے باک بھائی رابرٹ سٹیون یہ ثابت کرنے میں مصروف ہے کہ سٹیون ہی دریائے گرین کا نامی گرامی قاتل تھا۔ اس نے کامیابی سے ولیم سٹیون کی بے وقوعہ سے دور کسی اور جگہ ہونے کی شہادتوں میں خامیاں تلاش کی ہیں۔ وہ آج کل ایک کتاب یہ ثابت کرنے کے لیے لکھ رہا ہے کہ اس کے بھائی نے پچھلے دو سالوں میں کس طرح پولیس کو اپنے آپ سے دور رکھا؟

دریائے گرین کے مقتولین کے معاملے کو دوبارہ زندہ کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی یعنی ڈی۔ این۔ اے کے ٹیسٹوں نے قاتل کی درست تشخیص اور تلاش

آسان بنا دیا ہے تاہم اس سلسلے میں اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے دیر ہو سکتی ہے۔ پر بھی یہ بات وثوق سے دریائے گرین کے قاتل سے متعلق کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بے ضمیر شخص تھا۔ اس نے صرف لڑکیوں کو دو سال تک اوسطاً پندرہ روزہ وقفے کے بعد ایک لڑکی کو موت کا نشانہ بنایا۔ برائی کی کبھی تسلی بھی تو نہیں ہوتی۔

بعد کی زبردست خبر

30 نومبر 2001ء جمعہ کے دن کو بیشل کی پولیس نے دریائے گرین کے قتلوں سلسلے میں گیری رج وے کو گرفتار کیا۔ اب تک یعنی اس خبر کے نشر ہونے تک وہ ڈی۔ اے ٹیسٹ کی بنیاد پر تین قتلوں سے وابستہ ثابت ہو چکا ہے۔ تحقیقات جاری ہیں۔

* * *

41

جیک برڈ

(کلہاڑا بردار قاتل)

(1901ء تا 1949ء)

”تم سب مضحکہ خیز لوگ جن کا اس معاملے سے کچھ نہ کچھ واسطہ ہے سب مجھ سے پہلے موت سے دوچار ہونے والے ہو۔“

جیک برڈ نے ان لوگوں سے کہا جو اسے قتل کے الزام میں موت کی سزا دلانے کے لیے کوشاں تھے۔

اگر ٹیکوما (واشنگٹن) کی برتھا کلاڈ کو جیک برڈ کے کلہاڑے سے اچانک قتل نہ کیا جاتا تو وہ اپنے گھر میں جیک برڈ کو کلہاڑا تھامے اچانک داخل ہوتے دیکھ کر خوف

سے مرجاتی۔

جیک برڈ گھر کے صحن میں سے کلہاڑا اٹھانے کے بعد کھلے عقبی دروازے سے داخل ہوا۔ اس نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے آپ کو لباس سے مکمل آزاد کر لیا ایک کالا برہنہ آدمی کلہاڑا لہراتا ہوا آپ کی سمت بڑھے تو یہ ایک بدحواس کر دینے والا منظر ہوگا۔ برتھا نے اپنے پھیپھڑوں کی قوت سے یہ منظر دیکھ کر چیخ ماری۔ اس کی چیخ کی آواز کے ساتھ اس کی تیرہ چودہ سال کی لڑکی بیورلی کی چیخ بھی شامل تھی لہٰذا ان کے ہمسایوں نے فوراً پولیس کو طلب کر لیا۔

جب تک کہ پولیس پہنچے تب تک دیر ہو چکی تھی۔ جیک برڈ تب تک دونوں ماں بیٹی کو کلہاڑے سے موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ ان کا گھر مذبح خانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ انہوں نے جیک برڈ کو اپنے جوتے اٹھائے ہوئے عقبی صحن میں جاتے ہوئے دیکھا۔ پولیس اسلحے کی موجودگی اور اس کے مقابلے سے جیک برڈ کے لیے بہتر ہوتا کہ وہ خود کو پولیس کے حوالے کر دیتا لیکن اس نے پولیس پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ پولیس نے اس کو گولی نہیں ماری تاہم اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ نتیجے کے طور پر وہ کئی دن ہسپتال میں رہا اور جب اس کی صحت سوال و جواب کے لیے بہتر ہوگئی تو اس سے پوچھ گچھ شروع ہوئی۔

پولیس کے سراغ رسانوں نے اس سے ملاقات کی۔ ابتدا میں اس نے خود کو بے گناہ اور معصوم ظاہر کیا اور پولیس سے کہا کہ انہوں نے غلط آدمی کو گرفتار کیا ہے۔ جب تک کہ پولیس نے اس کی پینٹ پر برتھا کے دماغ کا تھوڑا سا حصہ چپکا ہوا دریافت نہیں کیا تب تک اس نے اپنے جرم کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ جب جیک برڈ کو یقین ہوگیا کہ وہ اب قانون کے جال میں پھنس چکا ہے تو اس نے پولیس کو اپنے ہاتھوں کیے ہوئے بہت سے قتلوں کی تفصیلات بتائیں۔ اس کے خلاف فرد جرم تو گیارہ قتلوں کی پیش کی گئی لیکن یہ 44 قتلوں کا تھا۔ جیک برڈ کی حقیقت یہ تھی کہ اسے قتل میں مزہ آتا تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ قتل بھی سفید فام عورتوں ہی کو کرتا تھا۔

جیک برڈ سیاہ فام' امریکن لگاتار قتل کرنے والا تھا۔ ایف۔ بی۔ آئی کے تمام شخصی عادات کے خاکے تیار کرنے والے ماہرین کے خیال میں متواتر قتل کرنے والوں میں 85 فیصد سفید فام مرد ہوتے ہیں۔ خواتین اور کالے لوگ عام طور پر بھی متواتر پے در

پے قتل کرنے والے نہیں ہوتے۔ اس لحاظ سے جیک برڈ ایک خصوصیت ہی تھا

جیک برڈ نے امریکہ کی سات ریاستوں فلوریڈا' الی نوئس' کنساس'
نبراسکا' اوہیو' ساؤتھ ڈکوٹا اور وسکانسن ــــ میں چالیس سے زیادہ کلہاڑے سے قتل
کی ذمہ داری قبول کی۔ وہ 1947ء میں گرفتار ہوا۔ ان سوچے سمجھے قتلوں کے علاوہ
کالے علوم حاصل کرنے کا شوق بھی تھا۔ وہ بدبختی کی لعنت دوسروں پر بھیجنے کی مشق
کرتا تھا۔ جن افراد سے وہ نفرت کرتا یا جن سے کسی وجہ سے اس کے حوالے سے
ہوتا وہ اس کے "ملامتی" ہوتے۔

چھ افراد جن کو جیک برڈ نے اپنی ملامت یا لعنت کا نشانہ بنایا وہ تھوڑے
وقفے بعد دل کے صدمے سے راہی ملک عدم ہوئے۔ ذیل میں اس کے یقین اور
کے متعلق چند حقائق بیان کئے جاتے ہیں:

- جج ہارج جس نے مقدمہ قتل کی صدارت کی تھی جیک کو سزا سنانے کے ایک
کے اندر اندر خود موت کا شکار ہو گیا۔
- ایک ماہ بعد ہی جوکر پاش ایک کانسٹیبل جو مقدمہ سے متعلق رہا تھا اچانک
بسا۔
- اگلے ماہ رے سکاٹ عدالت کے چیف کلرک کو بھی شدید صدمہ دل ہوا اور
بھی چل بسا۔
- چھ ماہ بعد لیفٹیننٹ شرمان پولیس افسر جس نے جیک سے اقبال بیان لیا
اچانک ہی موت کے منہ میں چلا گیا۔
- اس کے تھوڑی ہی دنوں بعد جے۔ ڈبلیو۔ سیلڈن جیک کا وکیل (جو جیک
موت کی سزا ملنے سے نہ بچا سکا تھا) وہ جیک کی پہلی برسی کے دن مر گیا۔
- اس کے بعد جلد ہی آرتھر اے ہی وارڈ جیک کا جیل کا محافظ والہ والہ ریاستی
واقع واشنگٹن میں اچانک صدمہ دل سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

دو اور افراد جن کو جیک نے ملامت یا لعنت کی تھی ان میں ڈاکٹر چارلس لا
اور اس کا مددگار پیٹ سٹیل زندہ رہے۔

ڈاکٹر لارسن' جیک برڈ کی شیطانی قوت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ جون ڈینس جیا

ے پہلی مرتبہ وہ الفاظ اپنے حافظے میں تلاش کئے جو جیک برڈ نے اس کے لیے بطور
ت کے تھے:

> "جیک نے اپنی لعنت مجھ پر ذاتی طور پر مسلط نہیں کی۔ مجھے یہ
> ب کچھ پیٹ سٹیل نے بتایا۔ وہ ایک روز میری لیبارٹری میں آیا
> کہ ہم دونوں بھی باقی چھ لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر جیک برڈ نے
> پھنکار بھیجی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہم ایک سال کے اندر اندر اپنی
> اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ ہم دونوں جیک کی اس پھنکار پر
> نسے اور باہر جا کر ایک ایک جام نوش کیا۔ آٹھ افراد میں ہم جو دو
> سلامت ہیں تو یہ خالصتاً اتفاق کی بات ہے۔ باقی چھ افراد جو مر
> چکے ہیں وہ جیک برڈ کی پھنکار (لعنت یا ملامت) کا شکار نہیں
> ہوئے وہ دل کے مریض تھے۔"

جیک برڈ اپنی موت کی سزا کو اپنی اپیلوں اور قانونی کارروائیوں کے سہارے دو
سال تک ٹالتا رہا تاہم اسے واشنگٹن کی ریاستی جیل والہ والہ میں 15 جولائی 1949ء کو
تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

* * *

42

جیرالڈ سٹانو

(1915ء تا 1998ء)

”میں بھیڑیے کے بچے سے نفرت کرتا ہوں۔“

جیرالڈ سٹانو

ابتداء میں تو جیرالڈ سٹانو بس کہنے کی حد تک عورت بیزار نوجوان تھا لیکن جلد
اس نے اپنے متشدد اعمال سے اکتالیس قتل کر کے اور وہ بھی خالصتاً عورتوں کے، یہ ثابت
کر دیا کہ وہ محض کتابی نوعیت کا عورت بیزار شخص نہیں تھا۔ اس کی مقتول خواتین میں
سال کی عمر کی لڑکیوں سے لے کر 35 سالہ خواتین شامل ہیں۔

وہ ایک خوش باش قاتل تھا۔ اگرچہ بعض خواتین اس کے جنسی نوعیت کے
کا شکار بھی نہیں ہوئیں لیکن اسے اصل سرور و کیف خواتین کو زد و کوب اور تیز دھار

کو قتل کرنے سے حاصل ہوتا۔ اپنے جرائم کا اقبال کرتے ہوئے اس نے یہ بھی
ف کیا کہ اس نے بعض خواتین کی لاشوں کی بھی بے حرمتی کی۔

سٹانو ایک ایذا پرست انسان تھا۔ گلیوں میں گھومنے پھرنے والی ایک طوائف
کی کار میں کود کر بیٹھی کہ چند منٹ میں سٹانو سے فارغ ہو کر وہ مزید دھندے کے لیے
حاصل کر سکے گی لیکن سٹانو اسے ان گلیوں سے دور لے گیا جہاں گھومنا اس کا
معمول تھا۔ جب طوائف چیخنے چلانے لگی تو اس نے گاڑی کا الارم بجانا شروع کر
وہ کسی مریضہ کو شفا خانے لے جا رہا ہو۔ ہڈاکس نامی اس طوائف کو اس نے
ضربیں لگائیں جن میں سے اڑتیس صرف اس کے سر پر لگائیں پھر اس نے اس کو
کے لیے سڑک کے کنارے ہی ڈال دیا۔ بعد میں اس نے پولیس کے سامنے
ف کیا کہ جب اس نے دیکھا کہ طوائف نے اپنے دائیں بازو پر کسی وجہ سے لگنے
لے زخم پر تازہ تازہ مرہم پٹی کروائی تھی تو اس نے جان بوجھ کر اس کے زخم پر ضربیں
ئیں اور طوائف کی چیخ و پکار سے خوب محظوظ ہوا۔

اس نے جب ایک لفٹ مانگنے والی سترہ سالہ لڑکی کیتھی لی کو شاہراہ
فوریا پر کار میں بٹھایا تو اس کا ارادہ لفٹ کے معاوضے میں اس سے پیار و محبت طلب
نے کا تھا اسے قتل کرنے اور اذیت دینے کا خیال دور دور تک اس کے ذہن میں نہیں
راستے میں ایک ہوٹل میں رات گزارنے کے بعد کیتھی لی جلدی جلدی اپنے گھر پہنچ
چاہتی تھی کہ وہ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرے اور خوب لمبی تان کر سوئے۔ جب اس
اپنے اس ارادے کا اظہار سٹانو سے کیا تو بس سٹانو کا دماغ اذیت اور تشدد کی طرف
م گیا۔ پھر اس نے اپنے اوپر ضبط کیا اور اس نے کیتھی لی کے گلے میں بانہیں ڈال کر
اپنے ساتھ چمٹانا چاہا تو کیتھی لی نے درشت لہجے میں سٹانو کو اپنے ہاتھ اس کے جسم
دور رکھنے کے لیے کہا اور ساتھ ہی اسے غیر مہذب کہا۔ بس یہ غیر مہذب کا لفظ جلتی
ڈالنے کا سبب بنا۔

سٹانو نے کیتھی لی کو دو چار طمانچے جڑ دیے۔ وہ مبہوت رہ گئی اور اس نے کار
دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔

”کار کے دروازے چوروں سے محفوظ ہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ تم گاڑی سے

"نہیں اتر سکتیں۔" ستانو نے سختی سے کہا اور گاڑی کو پوسٹ [illegible] سے آگے
پوسٹ [illegible] پر ہی رہتی تھی۔ کیتھی لی ستانو پر جھپٹ پڑی اور اپنی چابیوں کی
کا چہرہ زخمی کر دیا۔ ستانو اپنا خون دیکھ کر مشتعل ہو گیا۔ اس نے گاڑی سڑک کے
اس زور سے دبایا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ پھر وہ ع کو جانے والی ایک سڑک پر
مڑ گیا۔ جب وہ ہوش میں آئی تو ستانو نے اس سے کہا کہ اب وہ
ذی نفس سے دور ہیں۔ وہ گھنٹوں اس سے مجنونانہ حرکتیں اور باتیں کرتا رہا
اور بے بس سب کچھ برداشت کرتی رہی۔۔۔ کیا ستانو نے اس سے
نہیں۔۔۔ وہ اسے اپنے چاقو سے ضربیں لگاتا اور قہقہے لگاتا رہا۔ وہ جب کبھی اسے
تو اس بات کا خیال رکھتا کہ زخم مہلک نہ ہوں لیکن تکلیف دہ ضرور ہوں۔

ایذا رسانی اور زخم لگانے سے جب ستانو کا جی بھر چکا تو اس نے کیتھی
لی کو تمام درد اور دکھوں سے آزاد کر دیا۔ اس نے اس کے مردہ جسم کو نہر کے کنارے
اس پر درختوں کی ٹہنیاں رکھ دیں۔ وہ ایک پٹرول پمپ پر رکا۔ وہاں نہا دھو کر اس
حلیہ درست کیا۔ پھر وہ اپنی گاڑی کو چھوڑ کر خوشی اور مستی میں رولر سکیٹنگ (پہی
جوتوں سے) کرتا رہا۔ جب وہ اپنی یہ تمنا پوری کر چکا تو گاڑی میں تیل ڈلوا کر
شاہراہ کی طرف گاڑی دوڑانے لگا۔

کیتھی لی کی لاش کوئی ایک ماہ بعد دریافت ہوئی۔

ستانو نے ایک اور طوائف کو بھی محض دل بہلانے کے لیے گاڑی میں
پھر اپنی دانست میں اس کو بھی تشدد' مار پیٹ اور زخم کاری کے بعد ہلاک کر کے سڑک
کنارے پھینک دیا لیکن ستانو کی بدقسمتی کہ وہ طوائف معجزانہ طور پر زندہ رہی اس
سے ستانو کی گرفتاری عمل میں آئی۔ تین گھنٹوں کی پوچھ گچھ کے بعد اس نے
کارروائیوں سے متعلق سب کچھ اگل دیا۔

جیرالڈ ستانو نے قتل کے جرائم پنسلوینیا' فلوریڈا اور نیو جرسی میں کیے۔ اس
اکتالیس قتلوں کا اعتراف کیا۔ تاہم اسے سزا آٹھ قتلوں کی بنا پر عمر قید کی ہوئی جبکہ
میں اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ امریکی عوام اور عدلیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ایسا
باش قاتل مزید خوشیاں منانے کے لیے زندہ نہ رہے۔ واقعی اسے قرار واقعی سزا

پولیس نے جو شواہد اکٹھے کیے گئے تھے ان کے مطابق جیرالڈ ستانو اکتالیس کا نہیں کم از کم
زائد عورتوں کا قاتل تھا۔

جیرالڈ ستانو کو کسی نے پیدائش کے بعد گود میں لیا تھا اور جس گھرانے نے اس کو
پالا تھا وہاں وہ بیگانوں ہی کی طرح پلا اور بڑھا تھا۔ وہ ٹھگنے قد کا گول مٹول چہرے
غیر مقبول نوجوان تھا۔ ماہرین نفسیات کا خیال تھا کہ جیرالڈ ستانو کی ذاتی نشوونما کے
حق شہرت سے محرومی اس کی خواتین سے نفرت کا سبب تھی۔ یہ محرومی ایسا محرک
کی وحشیانہ حیات کو تو انتہائی سہا کرتا تھا۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ جیرالڈ ستانو لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کی لاپرواہی اور عدم
بنا تھا۔ وہ ہر موقع پر اس کی تذلیل کرتی تھیں۔ یہ تذلیل کی تکرار جیرالڈ ستانو کی
انگیز لگنے کا سبب بنی اور وہ عورتوں کو شکار کر کے ان کی انتہائی اور ہر قسم کی
پر اتر آتا۔ یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں کہ اس کا شکار بننے والی تمام عورتیں طوائفیں'
لگنے والی لڑکیاں' گھروں سے بھاگی ہوئی لڑکیاں' پیسے کمانے کی خاطر گلیوں میں
مردوں کا شکار کرنے والی اور معاشرے کی مجبور اور بیکس کم تر عورتیں تھیں۔ جیرالڈ
نفسیاتی مریض اور قاتل نکلا اور ایسا شخص لاکھوں میں کہیں ایک ہوتا ہے لیکن مذکورہ
والی عورتیں اور ان کی دستیابی روزمرہ کی بات ہے۔

علاوہ ازیں جیرالڈ ستانو کا شکار ہونے والی تمام خواتین اس برائی کا حصہ تھیں جو
ستانو کی تذلیل کرنے والی لڑکیوں اور عورتوں میں موجود تھی۔ وہ ان قتل کی وارداتوں
(اپنے یقین کے مطابق) لڑکیوں اور عورتوں کو نہیں اس برائی کو ختم کر رہا تھا جس نے
لذت پسند اور قاتل بنا دیا تھا۔ اس کے نزدیک تمام عورتیں "کتیا" تھیں۔ اپنے شکار
بے عزت کرنے کے لیے وہ کتیا سے بھی گھٹیا ترین مخلوق ہیں' ان سے غیر انسانی حرکات
اور موت کے مقابلے میں وہ بیچاری وہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوتیں جو شیطان
ستانو ان سے کہتا۔ ہر چھوٹی بڑی عورت کو کتیا سے کمتر ثابت کرنے کے بعد وہ ان
چاقو اور اکثر اوقات اپنے خالی ہاتھوں سے زندگی سے محروم کر دیتا۔

جیرالڈ ستانو کے تاریک دل اور بدفطرتی کی شہادت کے ضمن میں یہی بتانا کافی
کہ وہ اپنے شکار کی جان لینے سے پہلے اس کی تمام حیات' پاکیزگی اور انسانیت کو ختم

کر دیتا تھا گویا موت سے پہلے وہ اپنے شکار کو کئی موتیں مارتا تھا۔ جو شخص اپنے کے سر پر اڑتیس ضربیں لگاتا ہے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کی ضرب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سفاکی نہیں تو اور کیا ہے؟

مارچ 1998ء میں فلوریڈا کی جیل میں ایک بجلی کی کرسی نے اس نام جیرالڈ سٹانو تھا، ختم کیا۔

* * *

43

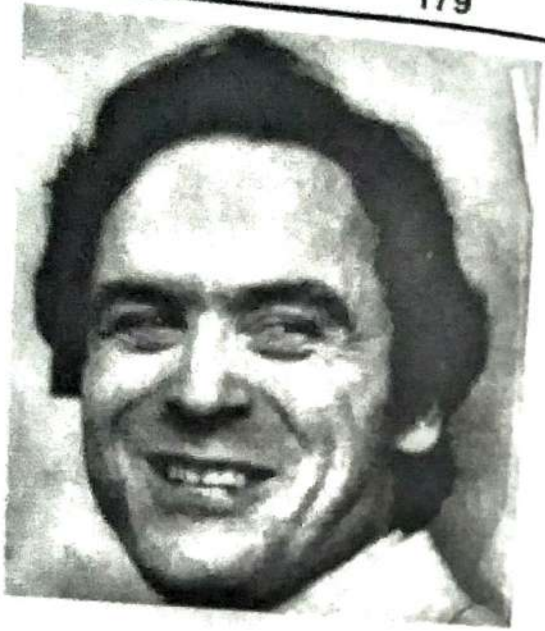

ٹیڈ بنڈی

(1947ء تا 1989ء)

> ''میں انتہائی سرد مہر اور کتیا کا بچہ ہوں
> ایسے شخص سے آپ کبھی نہیں ملے ہوں گے۔''
> ٹیڈ بنڈی

لنڈا ہیلی تین اور لڑکیوں کے ساتھ ایک گھر میں رہتی تھی اور واشنگٹن سٹیٹ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ جزوقتی طور پر وہ جنوب مغربی سکیئنگ (برف پر پھسلنے کا کھیل) کلبوں کے لیے موسمیاتی پیش گوئی کے طور پر موسمی حالات کی رپورٹ بھی نشر کرتی تھی۔ جنوری کی آخری شب کو 1974ء میں وہ اپنے کمرے سے اغوا کرلی گئی۔ وہ سرخ بالوں والی ایک خوبصورت اور جوان لڑکی تھی۔ اغوا کے بعد اسے مارا پیٹا گیا۔ اس سے زیادتی کی

گئی اور پھر اس کی کھوپڑی توڑ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ وہ ٹیڈ بنڈی کی شکار تھی جس نے ٹیڈ بنڈی کو اغوا کنندہ' بدفعل اور زنا کار ہونے سے قاتل بنا دیا۔

اگلے روز لنڈا کی ساتھیوں نے دیکھا کہ لنڈا کا بستر تو بچھا ہوا ہے لیکن وہ موجود نہیں ہے۔ اس کے والدین بھی پروگرام کے مطابق اس کے ساتھ رات کا کھانے کے لیے آئے۔ جب لنڈا انہیں ملی تو معاملے کی نازک صورت حال کے پیش نظر انہوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس نے لنڈا کے والدین کے سامنے اس کے بستر کی چادر اٹھائی تو انہیں سوکھے خون سے آلودہ ایک تکیہ ملا۔ نچلی چادر پر بھی خون کے نشانات تھے۔ تلاشی پر الماری سے لنڈا کا خون آلودہ نائٹ گون بھی دستیاب ہوا۔ اس سب سے ثابت ہوا کہ لنڈا کو سختی سے مارا پیٹا گیا ہے اور پھر اسے کہیں اور لے جایا گیا ہے۔ ایک سال بعد اس کی ٹوٹی پھوٹی کھوپڑی بھی پولیس کو دستیاب ہوئی۔

لنڈا ہیلی' ٹیڈ بنڈی کے لاتعداد شکاروں میں سے ایک تھی اور مقتولوں میں سے بھی ایک ---- اپنی موت سے پہلے ٹیڈ بنڈی نے اپنے جرائم کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا۔ جینس آٹ بھی اس کا ایک اور شکار تھی۔

جینس آٹ نفسیاتی معالج کی موت بھی ایک ستم ظریفی کی بات ہے۔ کیوں آٹ' سیٹل یوتھ سروس گروپ میں معاملات کو نفسیاتی طور پر جانچنے کی ملازمت کرتی تھی کیونکہ وہ غیر سماجی حرکات کرنے والے افراد کی نفسیات میں انتہائی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ اس کی عمر 23 سال تھی وزن ایک سو پاؤنڈ اور قد پانچ فٹ تھا۔ اس کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور وہ اپنی ملازمت کی وجہ سے واشنگٹن میں لیک سمانش میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ رہتی تھی جبکہ اس کا شوہر کیلی فورنیا میں تھا۔

14 جولائی 1974ء کو جس دن وہ غائب ہوئی اس نے اپنی سہیلی کے نام رقعہ چھوڑا۔ اس نے لکھا کہ آج وہ لیک سمانش کے سٹیٹ پارک میں سائیکل چلانے جائے گی اور اس لیے وہ سہ پہر کے بعد دیر سے گھر آئے گی۔ یہ جینس آٹ کا آخری پیغام تھا جو اس نے دیا۔

اس کی بچی کھچی لاش دو ماہ بعد 6 ستمبر 1974ء کو لیک سمانش سے دو میل دور پڑی ملی۔ ٹیڈ بنڈی نے اس کے پاس ایک نقلی بازو والا شخص بھیجا تھا اور اس سے ملتجی ہوا کہ

اس اپاہج شخص کی مدد کرے۔ آٹ نے اپنی ملازمت کے تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس بازو سے معذور شخص کی مدد کی اور خوش ہوئی۔

بنڈی نے آٹ پر مجرمانہ جنسی حملہ کیا تھا اور اسے قتل کر کے اس کی لاش کو دفنائے بغیر جنگل میں پھینک آیا تھا۔ لاش دستیاب ہونے سے قبل جنگلی جانوروں کے ہاتھوں سے بھنبھوڑی گئی تھی اور کھائی بھی گئی تھی۔

تھیوڈور رابرٹ بنڈی نے اپنے متعلق بتاتے ہوئے سچ ہی کہا تھا کہ وہ انتہائی مجرم ہے' خواہ کوئی جرائم کی دنیا کی جتنی مرضی خاک چھانے وہ اس سے بدترین ظالم اور سیاہ کار شخص مشکل ہی سے دریافت کر سکے گا۔ وہ جنسی تشدد سے خصوصی رغبت رکھتا تھا اور اسی سے تلذذ حاصل کرتا تھا۔ پھر جسمانی بگاڑ کے بعد قتل سے بھی محظوظ ہونے لگا۔ وہ لڑکیوں کو لکڑی کے ڈنڈوں' چھڑیوں اور اپنے ہاتھوں سے مارتا۔ انہیں گھسیٹتا' کھینچتا' بوٹیاں کاٹتا اور ان کے لباس کے چیتھڑے کر دیتا پھر بھی اس کے چند شکار ایسے تھے جنہیں عذاب سے چھٹکارے کے لیے موت نصیب نہ ہوئی۔ اس نے اپنی ایک شکار کو اس حالت میں چھوڑا کہ اس کا سر پاش پاش تھا اور بستر کی ایک سلاخ اس کی ٹانگوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ وہ ٹوٹی ہوئی کھوپڑی' بہرہ پن اور لرزتی چال کے باوجود زندہ رہی۔ اس کی زندگی آپ تصور کر ہی سکتے ہیں کہ کیسے گزری ہوگی؟

ٹیڈ بنڈی' تھا بھی پیدائشی طور پر حرامی بچہ ---- پھر اس کا وجود ہی مجسم برائی بن گیا۔ جب اس کی عمر تین سال کی تھی تو وہ چاقو سے کھیلنا پسند کرتا تھا۔ چاقو اس کی کمزوری تھی۔ جب وہ پانچ سال کا ہوا تو اس کے اساتذہ نے اسے غصہ ور اور گستاخ قرار دیا۔

بنڈی کی ذاتی نفسیات کیا تھی؟ ---- اس کی نفسیات کی تعمیر کیسے ہوئی؟ وہ ایک کج رو شخص کیسے بنا؟ اور اس نے اپنی نوعیت کے منفرد گھناؤنے جرم کیوں کیے؟ ان سوالات پر پورے دس سال' اس کے مقدمے کے فیصلے کے دن سے لے کر اس کی سزائے موت پر عملدرآمد تک غور ہوتا رہا ہے۔ بنڈی خود بھی یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ ایسا کیوں بن گیا ہے جیسا کہ وہ تھا۔ اس نے کبھی دنیا کے کسی صحافی کو اپنی ملاقات سے مایوس نہیں کیا ان سے اس نے "برائی" کے فلسفے پر بہت کچھ کہا اور ان سے سنا بھی۔

ابتدا میں بنڈی کا طریقۂ واردات کچھ اور تھا۔ وہ اپنی خوبصورتی اور ذہانت سے

عورتوں کو بہکانے کا کام لیتا رہا اور وہ اس کے دام فریب میں آ کر اس کے سا رہیں۔ وہ ایسے بہانے بناتا کہ اسے تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہے۔ اس نے جعلی وردی پہنی ہوتی اور کہتا کہ وہ یقین کرنا چاہتا ہے کہ فلاں خاتون کی کار چوری وہ کہاں ہے؟ یا پھر وہ اپنی کار کے خراب ہونے کا بہانہ بنا کر کسی خاتون سے لف اور اسے کوئی نہ کوئی چکر دے کر اسے اپنا شکار بنا لیتا۔ اس کی بہت سی شکار عورتوں کے ساتھ چلنے پر راضی ہونے کے لیے یہ جملہ ہوتا کہ وہ اس عمدہ' خوبصورت اور جو کے ساتھ کچھ وقت گزار کر خوش ہوں گی۔ ایک نوجوان عورت کارلا نامی تو یہ سمجھ کر اس ساتھ جانے کو راضی ہوگئی کہ وہ واقعی ا پولیس کا آدمی ہے۔ وہ جب اسی کی کار میں ہتھکڑی پہنانے لگا تو اسے شک گزرا اور کسی نہ کسی طرح وہ اس کے دام فریب سے نکلی۔ اس واقعہ سے وہ اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ اس نے بغیر کسی ساتھی کے باہر نکلنا گاڑی چلانا ہی چھوڑ دیا۔ بنڈی کے سزا پانے کے بعد اس نے خواہش ظاہر کی کہ بنڈی کو سزائے موت دینے والی بجلی کی کرسی کا بٹن اس نے دبایا ہوتا۔

ٹیڈ بنڈی کے مقدمات بھی بس ایک مذاق ہی تھے۔ وہ اپنی وکالت آپ کر ایک مرتبہ تو جیوری کو یہ غور کرنے کے لیے کہ بنڈی کا یہ مسخرہ پن کیا حقیقت رکھتا ہے، وہ خود ہی مدعا علیہ ہے' خود ہی وکیل صفائی ہے اور خود ہی صفائی کا گواہ ہے' طویل نش کرنا پڑی۔ اس کا کوئی بھی ڈرامہ کامیاب نہ ہوا کیونکہ اس کے خلاف آنے والی شہادتیں بال' کاٹنے سے پڑنے والے دانتوں کے نشانات' ہتھکڑی اور اسی طرح کی دوسری وہ جن کا تعلق اس کے ہاتھوں ہونے والے قتلوں سے تھا' جھٹلائی نہ جا سکتی تھیں۔ اسے جنوری 1989ء کو برقی کرسی سے سزائے موت دی گئی۔

آخری طور پر ٹیڈ بنڈی نے 30 قتلوں کا اقبال کیا۔ ان میں سے گیارہ اس واشنگٹن میں کیے تھے' آٹھ اوٹا میں' تین کولوریڈو میں' تین فلوریڈا میں' دو اوریگان' دو ڈاہو میں اور ایک کیلی فورنیا میں کیا تھا۔ پولیس نے کچھ اور قتل بھی جن کے بارے میں کو شہادت نہ مل سکی تھی اس سے منسوب کیے۔ اس طرح ٹیڈ بنڈی کے قتلوں کی تعداد ہوگئی۔ جب ایف۔ بی۔ آئی نے اسے اس کی غلطی کی تصحیح کرائی کہ اس کے کھاتے میں نہیں چھتیں قتل ہیں تو وہ ہنسا اور اس نے کہا کہ ایک کے عدد کا اور اضافہ کر لیں۔ کوئی بھی

س کی اس طرز کو آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا کہ مقتولوں کی تعداد 37 کر لی جائے یا 136— وہ اپنی سچائیاں اور "ہوائیاں"، ساتھ ہی لے گیا۔

ٹیڈ بنڈی کے جانے پہچانے شکار یہ تھے:

1974

یکم فروری— 21 سالہ لنڈا این ہیلی' 12 مارچ— 19 سالہ ڈونا گیل مینسن
17 اپریل— 18 سالہ سوسن رینکورٹ' 6 مئی— 22 سالہ رابرٹا پارکس
یکم جون— 24 سالہ برنیڈا بال' 11 جون— 18 سالہ جارجین ہاکنز
14 جولائی— 23 سالہ جینس آٹ' 14 جولائی— 19 سالہ ڈینائز ناس لینڈ
2 اگست— 20 سالہ کیرل ویلینز ویلا' 2 اکتوبر— 16 سالہ نینسی ولکوکس
18 اکتوبر— 17 سالہ میلیسا سمتھ 8 نومبر— 17 سالہ ڈیبی کینٹ

1975

21 جنوری— 23 سالہ کیرین کیمپبل' 15 مارچ— 26 سالہ جولی کوننگھم
16 اپریل— 25 سالہ ڈینس الیورسن

1978

15 جنوری— 20 سالہ لیزا لیوی' 15 جنوری— 21 سالہ مارگریٹ بومین
9 فروری— 12 سالہ کمبرلی لیچ

=======☆=======

44

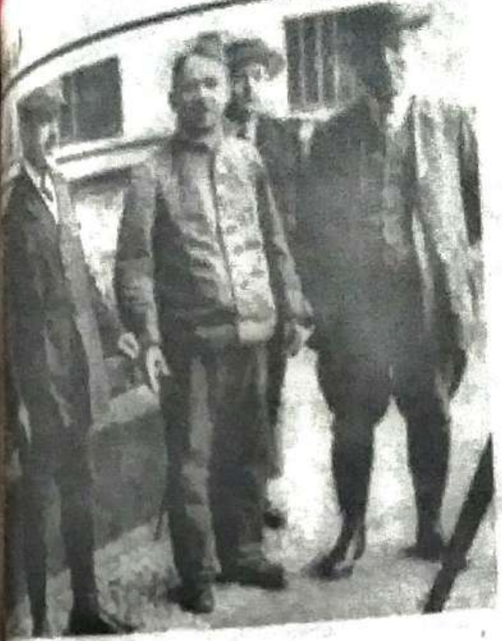

فرز ہارمان

"ہینوور کا قصاب"

"ہینوور کا آدم خور چمگادڑ"

(1879ء تا 1925ء)

"میں پیٹ پر دو گھاؤ دوں گا اور تمام انتڑیاں نکال کر بالٹی میں ڈال لوں گا۔ پھر میں خون کو خشک کروں گا اور ہڈیوں کو اس وقت تک توڑتا رہوں گا کہ کندھے بھی ٹوٹ جائیں۔ اب میں دل' پھیپھڑے اور گردے نکالوں گا اور پھر ان کو کاٹ کر ٹوکری میں رکھ لوں گا۔ ہڈیوں سے گوشت اتاروں گا اور انہیں اپنے موی تھیلے میں ڈالوں گا۔ ان کو کسی نالیاں میں یا دریا میں بہانے کے لیے مجھے دو تین چکر لگانا پڑیں گے۔۔۔ مجھے ہمیشہ

ی ایسا کرنے سے نفرت رہی لیکن میں ایسا کرنے سے رہ نہیں سکتا
تھا۔۔۔ میری خواہش اور میرا جوش و جذبہ کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کے
ڈالنے کام سے قوی تر تھا۔"

فرز ہارمان اپنے کرتوت بیان کرتے ہوئے

ی سے مختصر کریں۔ میں کرسمس اپنی ماں کے ساتھ جنت میں منانا چاہتا ہوں۔

ہارمان کا اپنے مقدمے میں جیوری سے خطاب

جرمنی کے کثیر تعداد میں قتل کرنیوالوں میں سے فرز ہارمان کی شہرت اس لیے قابل ذکر ہے کہ اس نے تھوڑے وقت میں زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اپنے طریقے سے اتارا۔ اس نے بارود یا گیس کا سہارا نہیں لیا۔ ہوتا یہ آیا ہے کہ ایسے یکے بعد دیگرے قتل کرنے والے یہ کام اپنی زندگی کے عالم شباب میں شروع کرتے ہیں۔ بعض تو ایسا کام عنفوان شباب ہی میں شروع کر لیتے ہیں لیکن فرز ہارمان نے یہ کام 1918ء میں 39 سال کی عمر میں شروع کیا۔ اسے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ بلا مبالغہ ایک سخت دل مجرم تھا اور 39 میں سے تقریباً بیس سال جیل میں گزار چکا تھا۔

وہ ایک سمگلر' چور' اغوا کنندہ' قاتل' آدم خور اور روحوں سے باتیں کرنے والا جادوگر بھی تھا۔

فریڈرک ہنرک کارل ہارمان 25 اکتوبر 1879ء کو پیدا ہوا۔ وہ اپنے والدین کے چھ بچوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ پورا گھرانہ ہی نکما اور ناکارہ تھا۔ اس کا باپ ایک گالی گلوچ کرتے رہنے والا شرابی کبابی تھا اور گھر سے زیادہ وقت شراب خانوں میں گزارتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے ایک ریلوے انجینئر کو مار ڈالا تھا۔ اس کی ماں ایک نفسیاتی مریضہ تھی۔ ابتدا میں اس نے فرز کو لڑکا تسلیم ہی نہیں کیا اور اسے اس کے بچپن میں لڑکیوں ہی کی طرح پالا۔ یہاں تک کہ اسے کپڑے بھی لڑکیوں جیسے ہی پہناتی رہی۔ اس کا ایک بھائی عورتوں کا رسیا تھا لہٰذا وہ عورتوں سے زیادتی کے الزام میں جیل کاٹ چکا تھا۔ اس کی تین بہنوں نے ایک ہی راستہ اختیار کیا یعنی وہ طوائفیں بن گئیں۔ خود ہارمان بھی بچے باز تھا اور محلے کی کئی لڑکیوں اور لڑکوں پر جنسی حملے کر چکا تھا۔ اسے اپنی کرتوتوں کی وجہ سے

لوہے کے کام کے سکول اور فوجی اکیڈمی سے مسترد کیا جا چکا تھا۔ پھر وہ اپنے ا ساتھ کام کرنے لگا۔

ہارمان نے کچھ وقت ذہنی امراض کے ہسپتال میں بھی گزارا۔ جب ا اٹھارہ سال تھی۔ بہت سے ماہرین کا خیال تھا کہ جب وہ فوجی درس گاہ میں زیر علم تھا تو اسے کچھ زخم آئے تھے جن کی وجہ سے وہ دماغی مریض ہوا۔ نتیجہ اس کا تھا۔ جب وہ فوجی درس گاہ سے نکلا تو اس نے فوری طور پر ایک بیس سالہ عورت سے کر لی اور پھر اسے چھوڑ کر فوج میں چلا گیا۔ فوج سے اسے جلد ہی فارغ کر دیا گیا پھر اپنے باپ کے ساتھ رہنے لگا۔ یہی وہ وقت تھا جب ہارمان سنجیدگی سے ارتکاب کرنے لگا۔

وہ سمگلنگ ' ڈکیتی ' چوری اور زناکاری میں ملوث رہنے لگا۔ اسے ہر گرفتاری کا خوف لگا رہتا۔ وقتاً فوقتاً وہ گرفتار بھی ہوتا رہا۔ وہ اپنی بیس سال کی لے کر تیسویں سال تک کئی مرتبہ جیل یاترا کر چکا تھا۔ اندازہ ہے کہ جس قدر وقت نے گلیوں میں گزارا اس سے زیادہ وقت اس نے جیل میں گزارا۔

1918ء میں جیل سے رہا ہونے کے بعد ہارمان نے ایسے کروہ آمیز جرائم شروع کیے جن کی وجہ سے اسے سب جاننے لگے۔ پانچ سال تک وہ بدترین جرائم کے باوجود گرفتاری سے بچتا چلا آیا حالانکہ ایک مرتبہ ایک جوان لڑکے ہو جانے پر پولیس نے اس سے پوچھ گچھ بھی کی۔ اس گم ہونے والے لڑکے کا سر کی انگیٹھی کے پیچھے چھپایا گیا تھا لیکن پولیس اسے کبھی تلاش نہ کر سکی۔ اس نے قید بھی کاٹی لیکن اس کا تعلق مقتول لڑکے کی گمشدگی سے نہیں تھا پولیس نے اسے ایک لڑکے کے ساتھ ایک بستر میں سونے کے جرم میں گرفتار کیا تھا۔ اگر پولیس اس سے جواب کرتی تو شاید اس کے جرائم کا حصہ دار نوجوان قتل نہ ہوتا۔

1923ء میں نو ماہ کے عرصے میں اپنی شیریں بیانی سے نوجوان لڑکوں کو رہائش گاہ پر بلاتا۔ وہ ان سے خلاف وضع فطری عمل کرتا اور پھر اپنے دانتوں سے لڑکوں کی سانس کی نالی کو کاٹ دیتا اور ان کے گوشت کو گردن تک چباتا چلا جاتا اور اور خون سے لتھڑے بنا کر پھینک دیتا۔ اس ظلم و ستم کو ناکافی خیال کرتے ہوئے وہ

قسم کی وحشت انگیز کارروائیاں بھی کرتا۔ اپنے مردہ شکار کے گوشت کو بھونے ' پسندے اور چانپیں بنانے کے لیے بلیک مارکیٹ میں فروخت کرتا۔ وہ جان بوجھ کر اپنے داروں کو غیر معمولی ذائقے کا گوشت کھلا کر آدم خوری پر مائل کرتا کیونکہ وہ ان کو یہ تو نہیں بتاتا تھا کہ وہ انسان ہی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اس کی ایک گاہک ہارمان سے خرید کر پولیس کے پاس لے گئی کیونکہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ عام گوشت نہیں

”فکر نہ کریں محترمہ“ پولیس نے اس عورت کو کہا: ”یہ سور کا گوشت ہے۔“

ظالم ہارمان اپنے شکار کی ٹوٹی پھوٹی ہڈیاں اپنے پڑوسیوں کو دے دیتا۔ وہ ان کو نہ کر سکتے اور ان کا ”سوپ“ بنا کر پیتے اور خوش ہوتے۔

ہارمان نے آخری شکار 1924ء میں کیا۔ اس کے بعد وہ گرفتار ہو گیا۔ اس پر چلا اور اس پر 27 نوجوان لڑکوں کے قتل کا الزام تھا۔ قتل کے علاوہ اس پر درندگی اور کے الزامات کا تو شمار ہی نہ تھا۔ 24 قتل تو روز روشن کی طرح ثابت شدہ تھے۔

الت میں مقدمات کے دوران وہ اپنے دفاع کے لیے عجیب و غریب حرکات کرتا رہا۔ د اس کی ان حرکات کی وجہ سے چکاتو اور ٹیڈ بنڈی نے جدید دور میں عدالتوں میں روں کا کردار ادا کیا۔

اپنے دفاع میں اس نے کہا: ”مجھ پر یقین کیجئے کہ میں بیمار نہیں ہوں تاہم مجھے کبھی کبھی مسخرہ پن کے دورے پڑتے ہیں۔“

اس کے دفاعی دلائل اس کے کام نہ آ سکے۔ اسے چوبیس مرتبہ موت کی سزا سنائی گئی لیکن 1925ء میں ہینوور ٹاؤن اسکوائر میں تلوار سے اس کی گردن اڑا کر ایک ہی دفعہ چوبیس قتلوں کا حساب بے باق کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ مر نہیں سکتا وہ پھر واپس آئے گا۔ اپنی زندگی کے دوران اور اپنی موت کے بعد بھی ہارمان کو اصرار تھا کہ اسے اپنے اعمال سے گہری مسرت حاصل ہوتی تھی۔

ہارمان کے دفاع کی تحقیقاتی رپورٹ بھی غیر فیصلہ کن تھی۔

☆

45

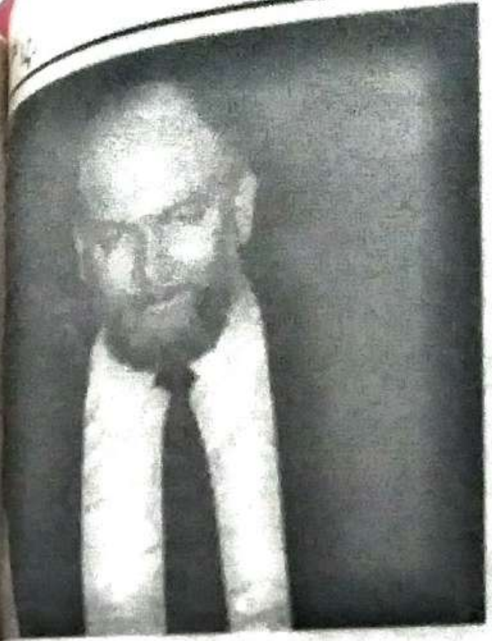

رچرڈ ککلنسکی

(برفانی آدمی)

(1935ء تا   )

"میں ایک محنتی اور تیز رفتاری سے کام کرنے والا شخص ہوں۔ میں کسی کا کوئی بھی کام جو وہ کرنے کو کہے' کروں گا اور اس کا معاوضہ لوں گا۔"
رچرڈ ککلنسکی

رچرڈ ککلنسکی کو 100 برے لوگوں میں اس لیے شمار کیا گیا ہے کہ وہ پیسے یا دنیاوی سہولتوں کے لیے یا اپنے جذبات کی تسکین کے لیے قتل کرتا تھا۔ اس نے ابتدائی عمر ہی میں قتل و غارت شروع کر دی۔ وہ اپنے کام

ن رکھتا تھا اور وہ کسی بھی اخلاقی قدر کی پرواہ نہ کرتا تھا' بس اسے کسی انسانی جان کے لینے میں فائدہ نظر آنا چاہیے تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اسے لوگوں کو جان سے مارنے پر کوئی نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ بچہ تھا تو اس کا باپ اس سے بہیمانہ برتاؤ کرتا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس نے دانستہ اپنے آپ کو دوسروں سے فاصلے پر رکھا اور اپنی تربیت ایسی کی اپنے جملہ احساسات کو اپنے ارادوں کے تابع کرلیا۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ جب کے بیوی بچوں پر برا وقت آیا تو اس نے کمزوری اور جذباتی نرمی محسوس کی لیکن دوسرے انسان زندہ یا مردہ اس کے لیے صفر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے ہونے یا نہ ہونے میں برفانی آدمی صرف اپنا مفاد دیکھتا تھا۔

اس کے لیے کسی کو جان سے مارنا خالصتاً کاروباری معاملہ تھا۔

ایک مرتبہ اس نے ایک اجنبی آدمی کو کمان سے (تیر یا غلہ) یہ جاننے کے لیے کیا کمان اچھا آلہ قتل ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ (کمان مفید آلہ ثابت ہوئی)۔ اس ایک اور مرتبہ بڑی لاپرواہی سے اس آدمی کو بھی مار ڈالا جو ٹریفک کی روشنیوں کے بغیر کسی وجہ کے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اس اجنبی یا ناواقف شخص کو روشنیوں کے سے ہٹانے کے لیے گولی مار دی۔

کلنسکی اس وقت مجموعی طور پر انتہائی تحفظاتی جیل نیوجرسی میں عمر قید کی سزا رہا ہے اور وہاں وہ اپنے مقتولین کی معتدبہ تعداد کی وجہ سے "ہیرو" سمجھا جاتا ہے۔ والے اس سے متعلق دو دستاویزی فلمیں بنائی ہیں جن میں اس نے بڑے فخر کے فلمساز ادارے ایچ بی او سے تعاون کیا۔ ایک کتاب بھی اس "قاتل ٹھیکیدار" کے سے میں لکھی گئی ہے۔

اس نے دوسروں کو جان سے مارنے کا کاروبار چودہ سال کی عمر سے شروع کیا۔ کاروباری زندگی میں وہ گاڑیوں کی چوری' منشیات کی خرید و فروخت اور ناجائز وں کی نقل و حمل میں مصروف رہا۔ تاہم "کرائے کا قاتل" ہونا بھی اس کا اضافی اور کاروبار تھا۔ اس آخری کاروباری صنعت میں وہ سائنائیڈ کا استعمال زیادہ پسند کرتا سے ہونے والی موت خاصی دردناک اور ہولناک ہوتی ہے لیکن سائنائیڈ سے کسی بھی بچوں کا کھیل نہیں کیونکہ اسے خوراک میں لینا پڑتا ہے اور اس کا ہضم ہونا

مشکل ہو جاتا ہے۔ تاہم اس کا یہ مشکل مسئلہ بھی 1980ء میں حل ہو گیا جب اس مسٹر سائنس سے ہوئی۔ وہ ایک آئس کریم کو یہاں سے وہاں لے جانے والی اور جب وہ قریب قریب کے علاقوں میں آئس کریم دیتے جاتا تو ایک اور گاڑی میں کراتے کہ ادھر سے ادھر لاتے اور لے جانے میں بھی مختلف ذ کریم تقسیم کنندہ نے ککلنسکی کو بتایا کہ سائنائیڈ زہر کو کس طرح ٹھوس سے کیا جاتا ہے اور پھر اسے کسی چھڑکاؤ کرنے والی بوتل میں ڈال کر ناک کے اندر بھیجا جا سکتا ہے۔ بس ککلنسکی کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ خاموشی سے اپنے ہدف پہنچے اور پھر بھرپور فوارہ اپنے ہدف کے چہرے پر چھوڑ دے۔ بس چند سیکنڈ مقصد حاصل کر لے گا۔

ککلنسکی نے اس نسخے کو بڑا کارآمد پایا اور ایک مرتبہ اس نے سپرے کر کے چند قدم پیچھے ہٹو۔ چند سیکنڈ کے اندر آپ کا ہدف ہمیشہ کی نیند گا۔"

ککلنسکی بہروپ بھرنے کا بھی بڑا ماہر تھا۔ وہ بڑا محتاط بھی تھا طریقے پر قتل کر کے پھنسنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا وہ قتل کے لیے عام طریقے یعنی نشانہ بنانا' چھرا گھونپنا' گلا گھونٹنا' بم پھینکنا' زہریلا ٹیکہ لگانا وغیرہ بھی استعمال کر جانچ لیتا کہ مقتول کے لیے کونسا طریقہ مناسب رہے گا۔ عموماً وہ اپنے ہدف کو مارتا اور مقتول کو بڑے سے تولیے میں لپیٹ لیتا پھر اس کے دل پر چھرا وغیرہ گھونپ کا خون خشک کرتا۔ پھر مقتول کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتا اور ان دلدلوں میں پھینک آتا۔ اس سے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ 55 گیلن کے اجسام کو ڈالتا ہے اور کہیں دفن کر دیتا ہے۔ (ایسا کرنے کے لیے اسے بھی کبھی کے جسم کی کوئی نہ کوئی ہڈی ڈرم کے اندر کرنے کے لیے توڑنی پڑتی۔)

دلچسپ بات یہ ہے کہ ککلنسکی کو "برفانی آدمی" نہ پکارا جاتا تھا رکھنے والا سرد مہر تھا (یقیناً وہ ایسا ہی تھا)۔ اس کو برفانی آدمی اس لیے کہا جاتا تھا اوقات اسے اپنے شکار کو عرصے تک ڈیپ فریزر میں رکھنا پڑتا۔ موقع ملنے پر کھیت میں یا دلدلی جوہڑ میں پھینک آتا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ مقتول

میں رکھنے سے پولیس کو اس کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے اور یوں استغاثہ کی شہادتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

بیورو آف الکحل' تمباکو اور اسلحہ جات نیو جرسی' اٹارنی جنرل آفس' نیو جرسی' سٹیٹ پولیس اور کرائم ٹاسک فورس نے ایک خفیہ ٹیم مشترکہ طور پر تشکیل دی جس نے 1986ء میں ککلنسکی کو کھوج نکالا اور اس کی نگرانی شروع کر دی۔ 1988 میں وہ بالآخر ایک قتل کے الزام میں گرفتار ہوا۔ جب اسے جیل لے جایا جا رہا تھا تو اس نے حفاظتی گارڈ سے کہا کہ وہ اس کی زنجیریں اور ہتھکڑیاں کھول دیں۔ لازماً پھر وہ بھاگے گا تو وہ بھاگتے ہوئے اسے پیچھے سے گولی مار دیں۔ جیل میں دوسروں کے قابو میں رہنے سے وہ مرجانا بہتر خیال کرتا ہے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پولیس نے اس کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا اور اب وہ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہے کہ وہاں سے اس کے زندہ واپس آنے کی کوئی امید نہیں۔

* * *

46

موسز سِتھول

"اے بی سی قاتل"

(1965ء تا)

"میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں ان نوجوان عورتوں کی ماؤں اور رشتہ داروں کے زخموں کی ٹیسیں کم کر سکوں جن کو اس قدر بیدردی سے پہلے نفسانی خواہشات کا شکار بنایا گیا اور پھر ان کو جان سے مار دیا گیا۔"

موسز ستھول کو سزا سناتے وقت جج ڈیوڈ کرلیس کا جملہ

موسز (موسیٰ) ایک بہت بڑے راہنما' دنیا کو آئین دینے والے اور اسرائیلیوں کے پیغمبر کا نام تھا۔ بائبل کے حوالے سے اس نام کے معانی "حوالے کر

والے" کے ہیں لیکن یہاں جس موسز کا ذکر ہم کرنے والے ہیں وہ اپنے پرانے نام کے تسلیم کردہ اور تسلیم شدہ بہترین ورثے سے خوفناک برگشتگی اور انحراف رکھتا ہے۔ موسز ستھول "حوالے کرنے" ہی کی "صفت" رکھتا ہے۔ اس نے چالیس خواتین کو تاریکی کے حوالے کیا' اس نے چالیس خواتین کو ایک ایسے ڈراؤنے خواب کے حوالے کیا جس میں درد اور خوف سے نجات صرف موت کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ اس نے ان عورتوں کو ایڈز کے وائرس کے حوالے کیا کہ اگر وہ زندہ رہتیں تو ایسی سزائے موت پاتیں کہ اس جرم کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہ ہو سکتی۔

جب فوج داری مقدمے کی پیروی کرنے والا ایک عدالتی اہلکار وڈیو ٹیپ لیے ہوئے عدالت میں داخل ہوا تو جیوری خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے وڈیو ٹیپ کو وی سی آر میں رکھا تو ٹی وی نے فوراً موسز ستھول کو دکھانا شروع کر دیا جو ایک سیب کھا رہا تھا۔ وہ نہ تو کسی تناؤ میں تھا اور نہ ہی متردد۔ اگلا پورا ایک گھنٹہ وہ بڑے سکون کے ساتھ 37 عورتوں کے اغوا' ان سے زیادتی اور پھر ان کو قتل کرنے سے متعلق بتاتا رہا۔

وہ عورتوں سے نفرت کرتا تھا کیونکہ ایک عورت نے اس سے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ اس نے ملاقات کرنے والے میڈیا کے نمائندوں کو بتایا کہ ایک عورت نے اس پر الزام لگایا کہ اس نے اس عورت کے ساتھ زیادتی کی ہے حالانکہ اس نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن جیوری نے اس عورت کو سچا سمجھا اور موسز ستھول کو جنوبی افریقہ کی جیل میں سات سال گزارنے پڑے۔

جیل سے رہائی کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس ناانصافی کا بدلہ لے گا۔ کیا وہ اس ناانصافی کا بدلہ لینے اس عورت' جس نے اس پر الزام لگایا تھا' تک پہنچا؟ نہیں۔ اس نے ہر اس عورت کو ذبح کیا جس نے اس کے ذہن میں الزام لگانی والی عورت کی یاد تازہ کی۔ موسز نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ وہ کبھی کبھی اپنی شکار کی ہوئی عورتوں کی لاشوں کو سکروی برگ نامی پہاڑ کے دامن میں دفن کرنے سے پہلے ان کے اوپر "کتیا" کا لفظ لکھتا۔ (گرمستن اور بوکسبرگ کے قریب اس پہاڑ کا دامن نسلی امتیاز کے

خاتمے سے پہلے جنوبی افریقہ کے قاتلوں کے لیے لاشیں ٹھکانے لگانے کا شعبہ

اپنے اس گھناؤنے جرم کے بیان کے دوران موسز سیتھول نے ایک مر
بھی شرمندگی کا اظہار اپنی کرتوتوں اور جرائم پر نہیں کیا حالانکہ انہی کے باعث
انگیز لقب "جنوبی افریقہ کا بدترین متواتر قتل کرنے والا" دیا گیا تھا۔

اس سے بدترین منافقت کی حیران کن مثال کیا ہو سکتی ہے کہ موسز سیتھو
تیس سال کی عمر میں جیل سے رہا ہونے کے بعد انسانی کجروی کے خلاف لڑ
مشتمل ایک خیراتی ادارہ قائم کیا۔ انگریزی میں اس کا نام "نوجوان نسل بخلاف انسان
(Youth Against Human Abuses) تھا۔ اس ادارے کے مقاصد بچ
بگاڑ اور ان کے خلاف ہونے والے خوفناک جرائم کا خاتمہ تھے۔ ادارے کا سرگرم
موسز سیتھول تھا۔ حقیقتاً موسز سیتھول اور اس کے سرگرم کارکنان ادارہ کے در پردہ مقاصد
اور ہی تھے جن کی زندہ مثال موسز کا کردار اور عمل تھا۔

موسز سیتھول خواتین کے پاس جاتا اور اپنا تعارف بطور بانی ادارہ "نوجوان
بخلاف انسانی بگاڑ" کے کراتا۔ اس نے مناسب ترین لباس پہن رکھا ہوتا اور
شیریں اور نرم لہجے میں گفتگو کرتا اور کسی نہ کسی جملہ معترضہ کے تحت مخاطب خاتون کو
دیتا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ خواتین جلد ہی اس کے بے ضرر ہونے کے باعث ہتھیار
دیتیں بلکہ اس کے نیک مقاصد کے حوالے سے اس کی مدد کرتیں۔ وہ کسی نہ کسی کا
بہانے کسی انتہائی ویران علاقے میں لے جاتا اور جب تک کہ خاتون کو پتہ چلتا کہ وہ
غلطی کی مرتکب ہو چکی ہے اسے اس منافق پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے مگر تب تک بہت د
چکی ہوتی۔

بااعتماد موسز سیتھول اپنی شکار عورت کو عریاں کرتا' مجرمانہ حملہ کرتا اور پھر اس
کسی زیر جامہ سے اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ اس قسم کی حرکات بلکہ جرائم کا موقع موسز سیتھو
کو پورے اٹھارہ ماہ ملا اور اس کے مجرمانہ حملوں اور خواتین کے قتلوں کی اوسط دو ہفتے
ایک بنتی ہے۔

تھول بالآخر گرفتار ہوا اور اس کے اپنے الفاظ میں بنی ویڈیو ٹیپ اس کے خلاف
وس شہادت بنی۔ اسے 37 خواتین اور ایک بچے کا قاتل قرار دیا گیا۔ قتل کے
کا دہی' فریب کاری' زبردستی عصمت لوٹنے اور چھ عدد ڈکیتی کی وارداتوں کا
ب بھی پایا گیا۔ اسے دو ہزار چار سو دس سال کی قید با مشقت ہوئی جو تب تک سب
بی مدت کی سزا شمار کی گئی۔

تھول کے دفاع میں وکیل صفائی نے ایک مختصر جملہ کہا کہ اس نے یہ سب
اس لیے کیے کہ وہ ایڈز کا مریض تھا۔ تاہم جج ڈیوڈ کرلیوس نے کہا کہ اس حقیقت
ی نظر کہ سیتھول ایڈز کا مریض ہے اور اس کی زندگی کی امید پانچ سے آٹھ سال ہے
ے جرائم کی سزا میں ذرہ برابر فرق نہیں ڈالتی۔ جج نے یہ بھی کہا کہ اگر ملک کی مقننہ
ت کی سزا کو ممنوع قرار نہ دیا ہوتا تو وہ اسے موت کی سزا سناتا (یہ بات جج کرلیوس
یصلے میں درج ہے کہ جنوبی افریقہ کی مقننہ نے موت کی سزا منسوخ کر کے بڑی ناش
کی کی ہے۔)

تھول ابھی تک زندہ ہے اور ان دنوں پریٹوریا کی انتہائی حفاظتی جیل میں اپنی
گزار رہا ہے۔

جنوبی افریقہ نے موسز سیتھول سے کیا سلوک کیا؟

ایک نکتہ نظر یہ ہے کہ ملک میں نسلی امتیاز کے خاتمے کے بعد بہت سے سیاہ فام
وں نے اپنے آپ کو اس قدر غربت میں گھرا ہوا پایا کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش بھی
کر سکتے تھے۔ موسز سیتھول کی ماں بھی ایسی غریب عورتوں میں سے تھی اس نے اپنے
بیٹے کو ایک یتیم خانے میں بھیج دیا۔ اسی طرح موسز سیتھول اپنے نشوونما کے دور میں ایک
معمولی زندگی سے محروم ہوا۔ یہ محرومی ہی شاید وہ حملاتی عنصر ہے جس نے اسے ایک پے
پے قتل کرنے والا بنا دیا۔ اس نکتہ نظر کی مخالفت میں بھی دلائل موجود ہیں۔

اریلیو شیگلے پریٹوریا میں جرائم کی تحقیق کی ماہر ہے اس نے موسز سیتھول اور دیگر
بے کا ماہر قتل کرنے والوں اور اپنی زندگی کا ایسا ہی پس منظر رکھنے والے مجرموں سے
ست وقت کے نتائج کو اکتوبر 2000ء کے "میکسم" میں ایک مضمون کی صورت میں لکھے

ہوئے وضاحت کی۔ ”خاندان کسی شخص کے لیے ایک امکانی راستہ ہے کہ
انسانیت سے فیض یاب ہو۔ خاندان ایسا مرکز ہے جہاں اپنی قدر و قیمت کے
کوئی سب کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اگر یہ مرکز آپ کو میسر نہیں آتا تو پھر نہ تو
بنیادی اصول ہیں' نہ اقدار اور نہ ہی کوئی ایسی چیز جو آپ کو انسانی زندگی کی
سے آگاہ کر سکے۔“

ان نکات میں سے اگر کوئی نکتہ یا مفروضہ محض [illegible] پر منطبق
آخری جملہ کہنے کو رہ جاتا ہے جو نسلی امتیاز کے خاتمے کو محض [illegible] کی تخلیق
تاہم یہ پانی کو گدلا کرنے والی بات ہے یہ اس کے کرتوتوں کا وزن کم کرنے
نہیں۔

☆

47

مارٹن برینٹ

(1966ء تا   )

”میں اب بات نہیں کر سکتا میں اس وقت خوب لطف اٹھا رہا ہوں۔ میں نہانا چاہ رہا ہوں اگر اب تم نے مجھے پھر سے فون کیا تو میں یرغمالی کو گولی مار دوں گا۔“

مارٹن برینٹ—— ایک رپورٹر سے اس وقت بات کرتے ہوئے جب وہ یرغمالی کے ساتھ ایک ساحلی کاٹیج میں تھا۔

دنیا کی تمام صنعتی اقوام میں سے آسٹریلوی قوم میں انسانی قتل کی شرح بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود آسٹریلیا کو اس حقیقت کا بھی علم ہونا چاہیے کہ وہ ایک ایسے شخص کا

وطن بھی ہے جو لہو و لعب کی خاطر بدترین قتال کا ذمہ دار ہے۔

28 اپریل 1996ء کو اتوار تھا۔ اس دن 28 سالہ مارٹن برینٹ آسٹریلین جزیرہ کے تاریخی مقام آرتھر کی بندرگاہ پر واقع براڈ ایرو کیفے میں گیا ایک نیلے رنگ کا سپورٹس تھیلا اٹھا رکھا تھا جس میں دو رائفلیں تھیں — ایک از لینے والی اے۔ آر 15 رائفل اور دوسری ایس۔ کے۔ ایس حملہ کرنے والی دونوں طاقتور فوجی ہتھیار تھے۔

کھانا لانے کا حکم دے کر وہ بیرونی بالکونی پر بیٹھ گیا اور گرد و پیش پر تبصرہ ہوئے از خود ہی چند جملے کہے کہ یہاں بہت سے سفید فام سیاح تو نظر آ رہے ہیں جاپانی زیادہ نہیں ہیں۔ پھر اس نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب وہ پھر کیفے کے اندر آیا اور اس نے اپنے تھیلے زپ کھولی اور اس میں سے ایک رائفل نکالی اور لوگوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ تو جان سے مارے گئے جبکہ پندرہ زخمی ہوئے۔ پھر وہ باہر آیا۔ پہلے ایک بس ڈرائیو کیا اور پھر تین اور پانچ سال کی دو بچیوں کو ان کی ماں کے ساتھ ہی قتل کیا۔

ایک نوجوان برینٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی منگیتر کو اس نے سر کے پچھلی گولی مار کر ہلاک کیا تھا۔ برینٹ نے ایک پانچ سالہ لڑکی کا تعاقب کیا جو ایک کے پیچھے چھپ رہی تھی۔ پہلے اس نے اس لڑکی کی ماں کو گولی کا نشانہ بنایا اور پھر بالکل قریب سے اڑا دیا۔ ایک ماں نے چلا کر ایک ہنگامی حالات کے کارندے کو اپنی کا خیال رکھنے کو کہا جبکہ اس کی بیٹی اب زندہ نہیں رہی تھی۔ ایک مرد نے جو ایک نیچے چھپا ہوا تھا غلطی سے بول پڑا کہ وہ (قاتل) چلا گیا ہے۔ برینٹ نے اس کی سن لی اور واپس آیا اور اس کے سر پر گولی ماری برینٹ اپنے ہدف کے اس قدر نزدیک اور گولی اس قدر طاقتور تھی کہ اس آدمی کا سر دھماکے سے پھٹ گیا۔

اپنی کار تک جاتے ہوئے مارٹن برینٹ کو جو بھی آدمی نظر آیا اس نے اس کو جان سے مار دیا یا پھر شدید زخمی کر دیا۔ پھر وہ ایک گیس اسٹیشن پر گیا۔ وہاں اس نے کار سوار جوڑے پر حملہ کیا۔ عورت کو تو جان سے مار دیا جبکہ اس نے مرد کو کار کی ڈگی ڈالا اور اسے یرغمال بنا کر پورٹ آرتھر سے چار میل کے فاصلے پر ایک ساحلی کاٹیج میں

گیا۔ جب برینٹ نے اس کاٹیج کو آگ لگائی تو وہ آدمی بھی جل کر مر گیا۔ وہ اور آدمی جو اس کاٹیج میں تھے (ان میں سے ایک کاٹیج کا مالک تھا) وہ بھی برینٹ کی بربریت کا شکار ہوئے۔ برینٹ پورٹ آرتھر پر گولیوں کی بارش کے سولہ گھنٹے کے بعد اس خونی کھیل کا یوں ہوا۔

برینٹ نے جب ساحلی کاٹیج کو آگ لگائی تو اس کے اپنے کپڑوں کو بھی آگ لگ گئی۔ وہ شعلوں میں لپٹا باہر کی سمت بھاگا۔ اپنے جلتے ہوئے کپڑوں کو اپنے جسم سے اتار پھینکا۔ اسی حالت میں اسے گرفتار کر لیا گیا اور علاج کے لیے ہسپتال لے جایا گیا اس کے جلنے سے پیدا ہونے والے زخم دوسرے درجے کے تھے۔

برینٹ کے ان انسانی شکاروں کی تعداد اس طرح تھی۔ مردہ 35' زخمی 18 اور ان کی عمریں تین سال سے 72 سال کے درمیان تھیں لیکن اس پر 69 دفعات کے تحت مقدمہ چلایا گیا جن میں سے 34 تو قتل عمد' 19 قتل کی کوشش سے متعلق تھیں جبکہ باقی کرنے کے لیے حملے' جسم کو شدید نقصان پہنچانے کے لیے زخم لگانے' آگ سے جلانے اور غیر قانونی طور پر کسی کی جائداد کو آگ لگانے سے متعلق تھیں۔ اسے ان تمام میں عمر قید کی سزا ہوئی۔

جب وہ جیل میں تھا تو اس نے چار مرتبہ خودکشی کی کوششیں کیں۔ اس نے اپنی سے ران کی شریان کو کاٹا' زیادہ مقدار میں نیند کی گولیاں کھائیں' پٹیوں کے ساتھ پھانسی لینے کی کوشش کی اور ایک ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب گلے میں پھنسا کر اپنا دم گھوٹنے کا اقدام کیا لیکن اس کی کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئی۔

مارٹن برینٹ کا معیار ذہانت 66 تھا لیکن وہ باعمل رہنے کا پکا ارادہ رکھتا تھا اور ذہنی طور پر مریض نہیں تھا۔ اسے مقدمے کا سامنا کرنے کے اہل قرار دیا گیا۔ اس کی نفسیاتی رپورٹ کہتی ہے: ''مسٹر برینٹ کی محدود شعوری وسعت اور اس کے برابر اہمیت رکھنے والی کسی کے جذبات کو سمجھنے اور کسی کے بارے میں احساس رکھنے والی اور اس احساس کا جواب دینے والی محدود گنجائش نے اس کے احساسات میں خلا پیدا کر رکھے ہیں۔ ان خلاؤں کی وجہ سے وہ بھرپور تباہی سے متعلق سوچنے ہی پر مجبور نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی سوچ کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ اس بات کے بھی شواہد موجود ہیں کہ برینٹ دوسروں کو دکھ پہنچا

کر خوشی اور جذباتی سرشاری کی کیفیات حاصل کرتا تھا۔"

برینٹ کی سابقہ دوست جینی ٹامیونی کے پاس بھی اس مجرم کے لیے اچھے الفاظ نہیں ہیں۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ وہ گولیاں برسانے تشدد سے بھرپور فلموں کا شائق تھا اور حیوانیت سے چھوٹے ریچھوں کی طرح ہر چیز کا انبار لگا تھا۔ اس کے ایک ہمسائے نے ایک غیر معقول، سرد مہر اور تنہائی پسند اکیلے شخص کا بنایا جو اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا ہے۔ اس پورٹریٹ کے تیار ہونے کے تھوڑے بعد برینٹ کا باپ پانی میں ڈوبا ہوا پایا گیا۔ برینٹ کی وزنی بچی اس کے جبکہ اس وقت برینٹ کو آبی بیلیں اکٹھی کرنے والے ایک شخص کے ساتھ دیکھا گیا۔

حکام کا خیال ہے کہ کچھ عناصر نے برینٹ کے اندر ایک عفریت کی تخلیق کی وہ کسی اخلاقی تقاضے یا ہمدردی کے شائبہ کے بغیر اس طرح کے قتل عام پر آمادہ ہوا

1- وہ ذہنی طور پر پسماندہ تھا جس کے باعث وہ دوسروں سے دور رہا۔

2- اسے شدید ترین عدم تحفظ کا احساس تھا جس کے تحت اس نے خطرناک خرید رکھی تھیں۔

3- اپنی تنہائی کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا اس کے خلاف ہے۔

4- اس کے پاس غیر محدود ذرائع دولت حاصل کرنے کے تھے۔ (اسے ایک عورت جس کے ساتھ وہ رہا کرتا تھا سے نصف ملین ڈالر ملے تھے۔)

اس سب کچھ نے ایک بے رحم قاتل کو جنم دیا جو یہ تو جانتا تھا کہ وہ کیا کر ہے لیکن اسے اپنے کیے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس نے کمال عیاری سے اپنے شکاروں کے ٹھیک ٹھیک نشانے لیے اور ان کو ایک ایک کر کے مارا۔ اس نے ان ہیلی کاپٹروں پر گولیاں برسائیں جو اس کے زخمیوں کو ہسپتال لے جا رہے تھے۔ جب عدالت میں مر والوں کے نام اونچی آواز میں پڑھے گئے تو اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

آج کل وہ ہوبرٹ تسمانیہ کی جیل میں انتہائی محفوظ کوٹھڑی میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ ایک اکیلے نشانچی نے ایک ہی دن میں قتل گری کے لیے جو ٹھیک ٹھیک نشا لگائے اور جو بدترین کرتوت کیے اس سلسلے میں ابھی تک اس کا ریکارڈ کسی نے نہیں توڑا۔

☆

48

جان وائین گیسی

"قاتل مسخرہ"

(1942ء تا 1994ء)

"آپ جانتے ہیں کہ مسخرے قتل سے بھاگ سکتے ہیں۔"

جان وائین گیسی

ساری پولیس مجھے پکڑنے کی کوشش میں ہے تاکہ وہ بغیر لائسنس کے ایک ماتمی خلوت کدہ (گورستان) چلا سکیں۔

جان وائین گیسی

اے ریا کاری' تیرا نام گیسی ہے۔

جان وائین گیسی کا نام ایک امریکن ہیرو کے نام پر رکھا گیا اور
خبیث زندگی کی طرح یہ بھی ایک جھوٹ تھا۔ اولوالعزمی جو ہیرو کی بہترین صفت
اسے گیسی جیسے خوفناک بدکردار شخص کے لیے استعمال کرنا اس صفت کی توہین
ہیرو کی بھی جس کے نام پر گیسی کا نام رکھا گیا اس ہیرو جان وائین نے تو اپنی
کمائی سے دنیا کا بہت بڑا کینسر ہسپتال قائم کیا ۔۔۔۔ مترجم) جان وائین گیسی
لواطت کا رسیا' زناکار' اغوا کرنے والا اور قاتل تھا بس اس نے محض
مسخرے کی نقاب پہن رکھی تھی اور کنایتاً ایک نقاب معزز شہری' ایک شوہر اور ایک
ہونے کی۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اگر جھوٹ نہیں بولا تو صرف اپنے
بارے میں اس وقت نہیں بولا جب اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے نہ صرف 33
اعتراف کیا بلکہ اس نے پولیس کی رہنمائی ان جگہوں تک کی جہاں اس نے اپ
مقتولوں کے اجسام زمین میں دبا رکھے تھے۔

گیسی کا باپ ایک بلانوش شرابی تھا۔ وہ اپنے بیٹے سے جو سلوک کرتا
بنا پر جونیئر گیسی نے نفرت' جارحیت اور اپنے رد کیے جانے کے باعث اپنے باپ
غلیظ سا عرفی نام رکھا ہوا تھا۔ جب گیسی جیل میں تھا تو اس کا باپ مر گیا۔ اس سے
جذباتی طور پر بڑا دھچکا لگا۔ بے شک ان کے تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہیں رہے تھے
گیسی کو امید تھی کہ اپنے دور بلوغت میں وہ اپنے باپ سے بہتر تعلقات پیدا کرنے
کامیاب ہو جائے گا لیکن بلوغت کا فساد اسے جیل میں لے گیا تھا اور وہ اپنے باپ
آخری وقت میں بھی اس کے پاس نہ ہو سکا۔

دیگر سلسلہ وار قاتلوں کی نسبت گیسی تنہائی کا شکار نہ تھا۔ اس کے کردار کا
بھی اپنی قاتل برادری سے بہتر تھا۔ کسی نے بھی اس کی گرفتاری اور اس کے جرائم منظر
پر آنے کے بعد بھی یہ نہیں کہا کہ وہ الگ تھلگ رہنے والا شخص تھا۔ واقعی وہ ایک خلق
کا شخص تھا۔ اپنے ابتدائے شباب میں وہ بوائے اسکاؤٹس تھا۔ ان ایام میں اس نے
سماجی اور خیراتی تنظیموں میں کام کیا۔ وہ اپنے ہم عمروں میں ایک قابل اعتماد محنتی کار
مشہور تھا۔ وہ اپنا دست تعاون دراز کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ پایا جاتا اور ایسی تقریب

ثبوت ضروری ہوتی جس میں علاقے کی کوئی سیاسی' کاروباری یا سماجی بہبود کی
نام اور معزز شخصیت آنے والی ہوتی۔ وہ سب اس کی اصلیت سے حقیقتاً کچھ نہ
جانتے تھے۔

ریاست الی نوئس میں سپرنگ فیلڈ کے مقام پر گیسی کی ملاقات میری لن مائرز سے
ہوئی اور اس سے گیسی نے پہلی شادی کی۔ وہ جے سی رو کلب کی ممبر سازی کی چیئرمین اور
ٹاک اتحرک کونسل کے بورڈ کی ممبر تھی (گیسی کی پرورش بھی کیتھولک معاشرے میں
ہوئی تھی) وہ الی نائس فیڈرل سول ڈیفنس میں رضاکار رہا' شکاگو کے محکمہ سول ڈیفنس میں
ڈنگ کیپٹن رہا۔ ہولی نیم سوسائٹی میں افسر اور پھر اس کا صدر رہا۔ مقامی جے سیز نے
"مین آف دی ایئر" قرار دیا۔ بعد میں جب وہ شکاگو میں رہتا تھا تو تب وہاں وہ
ڈیموکریٹک پارٹی کا رضاکار تھا اور پوگو نامی مسخرے کے روپ میں ہسپتالوں اور دیگر
بچوں کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیتا۔

1972ء سے لے کر اپنی گرفتاری کے سال 1978ء تک جان وائن گیسی نے 33
نوجوانوں کو اغوا کیا۔ انہیں نشہ آور ادویات کھلائیں' ان سے خلاف وضع فطری فعل کیا'
اذیتیں دیں اور پھر ان کو قتل کر دیا۔ ان کے مردہ اجسام کو اس نے اپنے گھر کے نیچے
اور گرد و نواح کی خالی جگہوں پر دبا دیا۔ چند کو اس نے دریا میں بھی پھینکا۔

ضمیر کی خلش کی عدم موجودگی کے علاوہ اس کی اقبال جرم کے چونکا دینے والی
شہادت کے پیش نظر عدالت اور جیوری کا کام آسان ہو گیا اور اسے 11 مارچ 1980ء کو 33
قتلوں کا مجرم قرار دیتے ہوئے سزائے موت سنائی گئی۔ ریاست الی نائس کو اس کی سزا پر
عملدرآمد کرنے میں چودہ سال لگ گئے۔ اسے 10 مئی 1998ء کو زہریلا انجیکشن لگا کر
ریاستی جیل میں کیفر کردار کو پہنچایا گیا۔

1968ء میں اس کی عمر 24 سال تھی جب اس نے ایک معصوم لڑکے کے ساتھ
لواطت کا جرم کیا اور دس سال قید کی سزا پائی جبکہ اچھے اخلاق اور نمونے کا کردار ادا کرنے
کی وجہ سے اسے اٹھارہ ماہ بعد ہی رہائی مل گئی۔ اس نے نئے سرے سے اپنے باپ کے
سرمائے کی مدد سے دوبارہ زندگی کی ابتدا کی اور وہ ایک ایسا اچھا شہری بن گیا کہ اسے کئی
تنظیمیں اپنی ہمسائیگی میں لینے کو تیار نظر آتی تھیں۔

اس نے پینٹنگ اور ری۔ ماڈلنگ کی ایک کمپنی کھولی جس کے مقاصد کی
بدی کے مقاصد تھے کہ وہ اپنے نوعمر ساتھیوں کو ـــ جو تمام کے تمام لڑکے تھے
جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنا ساتھی بنا سکے۔ اس کے کردار وعمل سے متعلق شبہات
نے تب سر اٹھایا جب اس کی کمپنی کے کچھ لڑکے یکے بعد دیگرے دوبارہ نظر نہ آ
سطح پر اچانک گم ہونا شروع ہوئے۔

بہت سے لڑکے گیسی کی رہائش کے نیچے رینگنے کے لیے چھوڑی گئی خالی جگہ
دفن دستیاب ہوئے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ایسے لوگ جو گیسی کے گھر دعوتوں پر آ
تو وہ آتے اور جاتے وقت انسانی اجسام کے گلنے سڑنے سے آنے والی بو کا ذکر
سے ناک سکوڑتے ہوئے کرتے۔ ایک ہمسایہ مصر تھا کہ اس کے گھر کی کسی دیوار
چوہے مرے پڑے ہیں۔ گیسی ایسی شکایات سن کر اثبات میں سر ہلاتا اور انہیں بتا
ری۔ ماڈلنگ کے لیے سانچوں میں ڈھالنے والے مواد اور نمی کا معاملہ ہے۔ جلد ٹھیک
جائے گا۔

بالآخر سچائی کا بول بالا ہوا اور گیسی کے تمام شیطانی کاموں اور قتلوں کا راز
کے رہا۔ اس کے وکیل صفائی نے عدالت میں گیسی کا دفاع کرتے ہوئے اس کے پا
ہونے کا ذکر کیا لیکن وہاں اس کے پاگل پن کی تردید کے بے شمار شواہد موجود تھے
اس قدر ذہین تھا کہ اس کے خلاف استغاثہ کی شہادت کے دوران اس کے ایک ہمسا
نے اسے "تیز طبع اور نامی گرامی آدمی" کہا۔

49

ڈین ایلن کورل

''میٹھی گولیاں دینے والا''

"سنو! ادھر آؤ اور دیکھو ـــ یہاں ایک عیاش مرا پڑا ہے۔"
وائمین ہنلے' ڈین ایلن کورل کو قتل کرنے کے
بعد پولیس کو بتا رہا ہے۔

والدین اور گھر کے بزرگ روز مرہ کی زندگی میں اپنے بچوں کو دنیا کے طور طریقوں سے متعلق بتاتے ہوئے ہدایت کرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنی حفاظت کس طرح کریں کہ:

- کسی دروازے پر دستک دینے والے سے کبھی نہ کہیں کہ وہ گھر پر اکیلے ہیں۔
- سڑک کو پار کرتے وقت بلی کی طرح دونوں طرف دیکھیں۔

- ⊙ قینچی لے کر ہرگز نہ دوڑیں۔
- ⊙ اگر وہ کھو جائیں تو پولیس کی مدد حاصل کریں۔
- ⊙ سب سے زیادہ اہم بات یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ کسی اجنبی سے چوسنے والی گولیاں (کینڈی) یا ٹافی نہ لیں۔

ڈین کورل کے ستائیس شکاروں سے مندرجہ بالا حفاظتی تدابیر میں سے ا تدبیر میں یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے میٹھی گولی تو لی لیکن جان پہچان والے شخص سے کسی اجنبی سے نہیں لی۔ اگر ڈین کورل ان کے لیے اجنبی ہوتا تو وہ میٹھی گولی نہ لیتے۔ نوعمر لڑکے جنہیں نشیلی گولیاں دی گئیں' جن سے بدکرداری کی گئی' جن پر تشدد روا رکھا اور جن کو جان سے مار دیا گیا سب کے سب ڈین کورل کو جانتے تھے۔

ڈین کورل ایک تیس سالہ کنوارا تھا اور اس عمر میں بھی اپنی ماں کا بڑا چہیتا تھا۔ اپنی ماں کی میٹھی گولیاں (کینڈی اور ٹافی) بنانے والی کمپنی کا پلانٹ منیجر تھا۔ اس کے علاوہ وہ ہاؤسٹن لائٹنگ اور پاور کمپنی میں بجلی کی رَو کو دور تک پہنچانے والے شعبے میں "ریلے ٹیسٹر" تھا۔ وہ ایک اچھا لڑکا نظر آتا تھا۔

وہ روزانہ اپنے ہمسائیوں کے نوعمر لڑکوں کو اپنی وین میں دور تک سیر کرانے لے جاتا اور ان کو ہاتھ تک بھی نہ لگاتا۔ واپسی پر وہ انہیں اپنی ماں کی کمپنی کی بنی ہوئی کینڈی دیتا۔ ہمسایہ لوگوں میں ڈین کورل ایک اچھا ہمسایہ اور حقیقی طور پر اچھا لڑکا شمار کیا جاتا تھا۔ کوئی اس سے متعلق مزید کچھ بھی نہ جانتا تھا۔

ڈین کورل نے مختصر عرصے کے لیے فوجی خدمات بھی سرانجام دی تھیں اور وہاں سے فارغ ہونے پر وہ پاسا ڈینا میں آیا تھا۔ اس نے نوعمر لڑکوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا اور انہیں اپنے گھر میں دعوتیں دینے لگا۔ اس کا گھر جلد ہی ایک ملاقاتی مرکز بن گیا۔ اس ملاقاتی مرکز کی جاذبیت کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ ڈین کورل اپنے گھر آنے والوں کی خوب تواضع کرتا' کبھی کبھی اس کی دعوتوں میں پینٹ' بھنگ اور بیئر بھی پیش کی جاتی۔

اپنے ہمسائیوں اور ان کے نوعمر بچوں کو یہ فریب دینے کے بعد کہ وہ ایک پسندیدہ اور بے ضرر شخص ہے اس نے بچوں کو اغوا' ان سے غیر اخلاقی فعل' تشدد اور قتل کی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ یہ سلسلہ تین سال تک چلتا رہا جس کے نتیجے میں 27 لاشیں

صوبے کے گرد و نواح میں دبائی گئیں۔ نشہ آور ادویات اور سرمائے کے عوض کورل نے ایک مقامی لڑکے واٗن ہیلے کی خدمات حاصل کیں جو ڈین کورل کا شریک جرم ہوا جس کے ذمہ یہ بھی تھا کہ وہ حالات بگڑنے اور پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے پہلے کورل کو بھی قتل کر دے گا۔

کورل ہر اس لڑکے کے لیے ہیلے کو دو سو ڈالر ادا کرتا جسے وہ کورل کے گھر میں لاتا۔ جب لڑکا ایک مرتبہ کورل کے گھر آ جاتا تو وہ سریش اور بیئر سے اس کا پیٹ بھر دیتا۔ حواس سے عاری ہو جانے پر کورل لڑکے کو اپنے تشدد کرنے والے کمرے میں لے جاتا۔ اس کو عریاں کرنے کے بعد اس کے ہاتھ اور پاؤں پلائی وڈ کے ایک تختے سے باندھ دیتا۔ بارے اپنی لواطت کا شکار بناتا اور پھر ان لڑکوں کو جان سے مارنے سے پہلے دو یا تین دن تختے ہی سے بندھا رہنے دیتا تاکہ وہ جب چاہے اپنی ہوس پوری کر سکے۔ پھر وہ ان کا گلا گھونٹ کر یا گولی مار کر خاتمہ کر دیتا۔

ہیلے کے مقدمے میں کورل کی اذیت رسانی کی تفصیلات بتائی گئیں۔ کورل لڑکوں کے زیر ناف بال ایک ایک کر کے اکھاڑتا۔ امتحانی نلیوں سے اس کے آگے اور پیچھے کے سوراخ بند کر کے ان کو چیخنے چلانے پر مجبور کرتا اور ان کی چیخوں کی آواز کو دبانے کے لیے اونچی آواز سے ریڈیو بجاتا۔ ان کے اجسام کو زمین میں دبانے کے لیے تین چار مقامات پر لے جاتا۔ کشتیوں کے رکھنے کی ایک سایہ دار چھت کے نیچے سے اس کی دبائی ہوئی سترہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ یہ سایہ دار چھت اس نے جنوب مشرقی کشتی سٹوریج سے کرائے پر لی تھی۔ ہیلے پولیس کو وہاں تک لے گیا۔ ایک اور جگہ سے چار لاشیں برآمد کی گئیں۔

کشتیاں رکھنے کی چھت کے نیچے سے ملنے والی لاشیں گلنے سڑنے کے مختلف مراحل پر تھیں۔ کچھ تو باقیوں سے نسبتاً تازہ تھیں۔ کورل نے لاشوں پر چونے کے سفوف کا چھڑکاؤ کر رکھا تھا تاکہ وہ جلد از جلد گل سڑ جائیں۔ ان لاشوں کو کھودنے کے لیے پولیس نے مجرموں ہی کو کام پر لگایا۔ انہوں نے صرف لاشیں ہی نہیں بلکہ ان لاشوں کی ملکیتی اشیا کو بھی کھود نکالا۔ ایک مجرم بدبو کی تاب نہ لا کر شدید قسم کی قے کرنے لگا۔ جب دسویں لاش برآمد ہوئی تو مجرموں کا حال تو پتلا ہونا ہی تھا پولیس والے بھی اپنا دل نہ

تھام سکے۔ یہ ایک سراغ رساں کے بھتیجے کی لاش تھی۔

میٹھی گولیاں بانٹنے والے کی بدمعاشیوں؛ حرام زدگیوں اور قتلوں کا
1973ء میں اس وقت ختم ہوا جب ہینلے نے 22 بور کے پستول سے کورل کے
گولیاں مار کر اسے ختم کر دیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسی ماہ میں ہینلے اپنی ایک دوست
کے ہاں دعوت میں لایا تھا۔ ساتھ ہی وہ کورل کے لیے ایک لڑکے کو بھی لایا تھا۔
بیئر سے اس رات ہینلے بھی ہوش کھو بیٹھا لیکن جب اسے ہوش آیا تو وہ کورل کے
سے بندھا ہوا تھا جس پر کورل نوعمر لڑکوں کو باندھا کرتا تھا۔ وہ عریانی کی حالت میں
اس کے ہاتھوں پر ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ کورل بھی عریاں حالت میں تھا۔ ہینلے
میں آتے دیکھ کر اس نے اونچی آواز سے چلانا شروع کر دیا کہ ہینلے کو اپنی دوست
دعوت میں لانے کی سزا دی جائے گی۔

ہینلے نے کورل کی منت سماجت کی جس پر کورل نے اس کے سامنے ایک
رکھی کہ ہینلے اپنی دوست کی عصمت دری کرے گا اور پھر اس کو گولی سے اڑا دے گا
کچھ کورل اغوا کردہ لڑکے سے کرے گا۔ اس شرط پر اتفاق کرنے کے بعد کورل نے
آزاد کر دیا۔ ہینلے نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اس نے ایک پستول لیا اور اسے کورل
سینے پر خالی کر دیا۔ کورل فوراً ہی مر گیا۔ ہینلے نے خود ہی پولیس کو بلایا۔ جب پولیس آ
تو ہینلے نے جو سچ تھا وہ بعینہ سب اگل دیا۔

تحقیق کے نتیجے میں 27 مقتولوں کے اجسام زمین سے حاصل کیے
مذکورہ بالا اجسام کے علاوہ چار سام رے برن کی جھیل سے اور چھ ہائی آئی لینڈ سے
کیے گئے۔ ہینلے پر مقدمہ چلا جس کے دوران میں بار بار یہ سوال اٹھا کہ تین سال
عرصے میں کتنے بچے گم ہوئے اور کبھی پھر تلاش نہیں کیے جا سکے تو کسی نے کیوں یہ
نہیں کی کہ جب بچے تلاش نہیں ہو رہے تو ان کا تعلق قتل وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔ گمشدگی
واضح رپورٹیں والدین نے پولیس کے پاس درج کرائی تھیں لیکن ہاؤسٹن پولیس کے
بیس لاکھ کی آبادی کے لیے صرف 2200 پولیس نفری تھی۔ ان کے لیے یہ ناممکن تھا
گمشدہ بچوں کے بارے میں کسی قاتلانہ سازش کے حوالے سے تحقیقات کرتے۔

اگر پولیس نے گمشدہ بچوں کی گمشدگی کی وارداتوں میں پائی جانے

بات پر ہی غور کیا ہوتا تو کورل کا زندہ ہی اس کے ہاتھوں لگ جانے کا امکان تھا اور
حالات ہینلے کے مقدمے کی بجائے برائی کی جڑ کورل کے مقدمے کا فیصلہ کر رہی ہوتی
ہینلے کی حیثیت ایک سلطانی گواہ کی ہوتی۔ اب گزرا ہوا وقت واپس نہ آ سکتا تھا۔
ہینلے کو 99 سال قید بامشقت ہوئی۔ باقی رہا کورل۔۔۔ تو اس کا شمار
سلسلہ وار قتل کرنے والوں میں کیا جاتا ہے اور تاریخ اس کے حصہ پر کالک ملتی رہتی
ہے۔

☆

50

جین ٹوپان

(1954ء تا 1938ء)

"میری خواہش یہ ہے کہ کاش میں نے زیادہ لوگوں کو مارا ہوتا — زیادہ بے یار و مددگار لوگوں کو — بہ نسبت اس مرد یا عورت کے جو زندہ رہا یا رہی۔"

جین ٹوپان

ہسپتال کا برآمدہ رات کے اس سے بہت خاموش تھا۔ نرسوں کے ربڑ کے تلوں والے جوتے ان کے چلنے پھرنے سے چوسنے کی آواز پیدا کرتے۔ ایسے میں وہ نمبر 109 کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نرس نے اپنے ہاتھوں میں دھات کی ایک ٹرے رکھی تھی جس پر ایک سفید تولیہ پڑا تھا۔ اس کے نیچے مارفین سے بھری سرنج تھی۔ یہ

کو ٹیکہ لگنے کا وقت تھا۔ وہ سخت درد میں تھا اور نرس نہیں چاہتی تھی کہ اس کا مریض درد سے کلبلاتا رہے۔ جب نرس کمرہ نمبر 109 تک پہنچی تو اس نے اپنے پیچھے خالی اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہال پر نظر ڈالی۔ ادھر کوئی بھی نہیں تھا۔ نرس ہنری کے کمرے میں داخل ہوئی اور اندر سے دروازے کو بند کر لیا۔ وہ ہنری کے بستر تک پہنچی اور ٹرے کو اس کے بستر کے قریب پڑی میز پر رکھ دیا۔ اس نے سوئے ہوئے ہنری کے چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کی مشکل سے سانس لینے کی آواز کو سن رہی تھی۔ وہ مریض کے بوڑھے چہرے پر ہونے والے درد کے تاثرات کی لہروں کو آتا جاتا بھی دیکھ رہی تھی۔

نرس نے اپنے ٹرے پر سے تولئے کو اٹھایا اور سرنج کو پکڑا۔ وہ سرنج کو روشنی کی طرف لے گئی۔ "ایک سو پچاس کافی رہے گا۔" اس نے دل میں سوچا۔ "یہ دبلا پتلا ہے۔" جب وہ اپنے ذہنی دلائل سے مطمئن ہو چکی تو اس نے تھوڑا سا محلول ہوا کے بلبلے خارج کرنے کے لیے فضا میں چھوڑا۔ پھر اس نے دوسرے آزاد ہاتھ سے الکحل میں ڈوبی ہوئی روئی سے مریض کے بازو کو صاف کیا۔ اسے محلول کو اچھالنے اور روئی سے جلد کو صاف کرنا بہت پسند تھا۔ پھر وہ ذرا سی مسکرائی۔ یہ دونوں کام وہ مریض کے تحفظ کے لیے کرتی تھی لیکن ٹیکہ لگانے کے بعد مریض کا تحفظ ایک غیر متعلقہ بات ہو جاتی تھی۔ جب وہ ایک مرتبہ سرنج کی سوئی جسم میں داخل کر لیتی تو پھر سرنج کو اس کی تہ تک خالی کر دیتی۔ ہنری کو ٹیکہ لگانے کے فوراً بعد اس نے اپنی یونیفارم کی جیب سے ایک سرنج نکالی اور پہلی سرنج کی سوئی کے چھیدے کے نشان کے قریب اس نے نئی سرنج سے بھی ہنری کو ایک اور دوا کا ٹیکہ لگا دیا۔

پہلا ٹیکہ سکون دینے والی دوا مارفین کا تھا جبکہ دوسرا اس دوا کا تھا جو مارفین کے اثرات کو بیدار کرتی ہے اور ساتھ ہی موت کی اینٹھن کو سنبھالتی ہے ورنہ اینٹھن شور شرابا پیدا کرتی ہے۔ نرس نے دونوں سرنجیں اپنے سفید کوٹ کی جیب میں رکھیں اور چند لمحوں کے لیے نیچے ہنری کے چہرے کو دیکھا۔ پھر وہ واپس مڑی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ جب وہ نرسوں کے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو وہ مسکرا رہی تھی۔ اس وقت تک کہ

وہ اپنے ایک پہنچے یا بیٹھے ہنری ختم ہو چکا تھا۔

مارفین افیون کا جوہر ہے اور ایک طاقتور درد دور کرنے والا نشہ ہے کا عادی ہو جاتا ہے اور یہ صدیوں سے بطور دوائی کے استعمال ہو رہا ہے مارفین مرکزی اعصابی نظام میں افسردگی پیدا کرتی ہے' خون اور سانس کے نظام پیدا کرتا ہے۔ انسان لمبے عرصے کے لیے بے ہوش بھی ہو سکتا ہے اور مر بھی سکتا کے لیے مارفین کی خوراک پانچ سے تیس ملی گرام تک ہوتی ہے اور اسے خون کی سرنج سے داخل کیا جاتا ہے جبکہ مارفین کی زیادہ مقدار زہر کا اثر رکھتی ہے۔

جین ٹوپان ایک نرس تھی اور وہ مارفین کے مفاد اور نقائص سے خوب یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ 1880ء سے 1901ء تک جین ٹوپان نے کم از کم مریضوں کو ہلاک کیا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس نے یہ کچھ اپنے ایک سو مریضوں کے ساتھ بھی کیا ہوگا کیونکہ ان کے انتقال بھی اس کی ہی نگرانی میں گرفتار ہونے پر اس نے صرف ایک درجن مارفین کے مقتولوں کا اقبال کیا لیکن وہ تفصیلات صرف 31 کے بارے میں بتا سکی۔

"ہاں میں نے سب کو موت کے گھاٹ اتارا۔" اس نے پولیس کو بتایا نے ان سب مریضوں کو بے وقوف بنایا۔ میں نے ڈاکٹروں کو دھوکہ دیا اور مریض لاعلم رشتہ داروں کو احمق بنایا۔۔۔ میں انھیں کئی سال سے احمق بنا رہی تھی۔ میں مریض عذاب میں مبتلا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب میں مرضوں کو مارتی تو وہ ایسی نیند سو جاتے سے وہ کبھی نہ اٹھ سکتے۔ میں مارفین اور ایٹروپیا استعمال کرتی تھی۔ دوسری اس لیے کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔"

جین ٹوپان کا پیدائشی نام "نورا کیلی" تھا اور وہ 1854ء میں بوسٹن میں پیدا تھی۔ اس کی تین بہنیں تھیں جب ان کی ماں کا انتقال ہوا تو وہ سب کی سب چھوٹی تھیں اب ان کی پرورش کی ذمہ داری باپ پر تھی۔ چار بیٹیوں کو سنبھالنا کوئی آسان کام ان کی ماں پیٹ کیلی تو جلد گھریلو امور جرات مندی اور سلیقے سے نبھاتی رہی

لیکن ان کے باپ کو ذہنی امراض کے ہسپتال میں جانا پڑا کیونکہ ایک دن وہ اپنی درزی کے کی دکان پر اپنی آنکھوں کے پپوٹے باہم سیتے ہوئے پایا گیا تھا۔

لڑکیوں کو اب اپنی دادی کی تحویل میں آنا پڑا لیکن وہ عمر رسیدہ عورت بھی جلد ان کا ساتھ چھوڑ گئی اب ان کو ایک یتیم خانے کا سہارا لینا پڑا۔

لوویلز کے ٹوپانز نے نورا کیلی کو یتیم خانے سے اپنا لیا اور انھوں نے اس کا نام جین رکھا۔ اس کا باقی بچپن معمول کے حالات میں گزرا۔ اس کے منگیتر تیکسی نے اور عورت کی خاطر اس کو نظر انداز کر دیا۔ اس پر وہ افسردگی اور خود ترسی کی مریض ہو گئی اور اس نے دو مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش بھی کی۔

اپنے چھبیسویں یوم پیدائش پر اسے خیال آیا کہ اسے نرس بن کر لوگوں کو ہلاک کرنا چاہیے۔ الزام لیے بغیر کسی کو قتل کرنے کا اس سے بہترین طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا؟ ہسپتال میں کام بھی کرو اور ایسے لوگوں کو مرض کی شدت سے نجات بھی دلاؤ جو جلد ہی طور پر مرنے والے ہوں۔ یہ کیسی عجیب سوچ تھی جین کی۔ اس نے ایک مقامی ہسپتال کے نرسنگ پروگرام میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے اس نے گریجوایشن کی اور بس پھر کیا ہونا تھا؟ مریض مرنا شروع ہو گئے۔ ہسپتال کے چیف نے اس سے ایک ہی ملاقات کے بعد اسے ہسپتال سے فارغ کر دیا۔ اب اس نے کھاتے پیتے لوگوں (جن کے ہاں کوئی عمر رسیدہ مریض ہوتا' اور انھیں مریض کی خدمت کے لیے تربیت یافتہ نرس کی ضرورت ہوتی) کے ہاں ملازمت کرنا شروع کر دی۔ جین کو کام تو ملتا رہا لیکن ایسے گھروں میں بھی وہی کچھ ہوا کہ ان کے مریض بھی پار ہونا شروع ہو گئے۔

ایک شخص کی بیوی بیمار تھی۔ وہ جین کی خدمات سے استفادہ کر رہا تھا کہ وہ مر گئی۔ عورت کے شوہر نے اپنی بیوی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کی۔ پتہ چل گیا کہ سچ کیا ہے؟ جین ٹوپان کو گرفتار کر لیا گیا اور اس سے پولیس نے پوچھ گچھ شروع کی۔

"میرا ضمیر صاف ہے۔" جین ٹوپان نے پولیس سے کہا: "میں تو ایک چڑے کی کلس مار سکتی اور اگر میساچوسٹس میں کچھ انصاف باقی ہے تو مجھے جانے دیا جائے۔"

پولیس نے اس کو جانے دینے کی بجائے نیو انگلینڈ میں قبریں کھو مرنے والوں کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی کرایا جس کی اموات جین کی نرسنگ کی کے دوران میں ہوئی تھیں۔ نرس جین ٹوپان کے تمام مریضوں کی اموات مارفین کی مقدار کے ٹیکوں سے ہوئی تھی۔

جب یہ رپورٹس سامنے آ گئیں تو جین کو اپنے جرائم کا اعتراف کرنا پڑا۔ جون 1902ء میں جین پر مقدمہ چلا۔ اسے پاگل قرار دے کر باقی عمر پاگل خانے میں رکھا گیا کیونکہ وہ مجرمانہ شبے کی پاگل تھی۔ وہ 83 سال کی عمر میں طبعی وجوہات کی بنا پر خود بھی موت کا شکار ہو گئی۔

جین ٹوپان نے اپنے مریضوں کو مہلک ٹیکے انہیں دکھ درد سے آزاد کرنے کے لیے نہیں لگائے تھے۔ اس نے ایسا محض اس لیے کیا کہ اس کو کسی کو جان سے مارنا دلچسپ فعل لگتا تھا۔ اس کے خالصتاً برے کرتوت اس کے پاگل قرار دیے جانے سے اپنی نہیں کم ہو سکتے۔

☆

لوئی "لیپکی" بوشالٹر

(1897ء تا 1944ء)

"اگر میں بہت سے بڑے لوگوں کی بات کروں تو وہ رنجیدہ ہوں گے۔ جب میں بڑا کہتا ہوں تو میرا مطلب بڑا ہی ہوتا ہے۔ نام آپ کو حیران کر دیں گے۔"

لوئی لیپکی بوشالٹر

"اس کی سزائے موت پر عملدرآمد میں التوا کا عرصہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اسے لگائے "الیکٹروکیوٹ" کرنے کے مجوزہ پروگرام پر عمل کیا جائے۔"

اس کی آخری خوراک بھنا ہوا مرغ، آلوؤں کے قتلے اور سلاد تھی۔ جب کوئی تا ہے تو اس کا معدہ اور مثانہ اپنی غلاظت خارج کر دیتے ہیں۔ موت کے چیمبر میں

ایسی صورت حال اور بعض اوقات اس سے بھی بری صورت حال سے بچنے کے لیے اور دیگر گواہاں کو کراہت سے بچانے کے لیے) مرنے والے کو لنن یا موت کا (جانگیہ) پہنایا جاتا ہے۔ پہلے یہ کام کمر کے گرد ربڑ باندھ کر کیا جاتا تھا۔ کار کی بات ہے۔ تاہم اپنے آخری وقت میں زیر جامہ کی نسبت لیپکی نے پسند کیا۔ وہ جانگیہ پہنانے کا بچوں والا کام کرتا بھی کیوں؟ وہ کوئی معمولی شخص اس نے قاتلوں کا ایک "کارپوریشن" تخلیق کیا تھا اور ہزاروں افراد کی موت کے وقتاً فوقتاً جاری کیے تھے۔ وہ ایک منفرد اور خوفناک تنظیم کا بانی تھا اور اب موت کے اسے بچوں کی طرح جانگیہ پہنانا جیل کے حکام، جلاد اور گواہوں کی کور ذوقی تھی۔

ایسے لوگ جو جرائم کی تنظیمیں قائم کرتے ہیں وہ کسی کو موت کے گھاٹ میں کسی تامل کا اظہار نہیں کرتے اور اپنے اس پیشے کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے جانے کو بھی کاروبار کا حصہ سمجھتے ہیں۔

ہجوم کے انصاف پر بجائے جج کے ہتھوڑے کے اکثر عملدرآمد کام کی کے کیا جاتا ہے۔ عدالتی انصاف میں عملدرآمدی آلات ہجوم کی کھوپڑی کے نیچے آنکھ کان کے مطابق بندوق، چاقو یا برف کی ڈلیاں اٹھانے والی چمٹیاں ہوتی ہیں یا گردہی آلات عام طور پر آگ اور کلہاڑے ہوتے ہیں۔ ضرورت کے پیش نظر انصاف پر افراد کی اس دنیا سے روانگی کے لیے زندہ جلانے، زندہ دفنانے، زندہ کے کرنے اور موت بذریعہ عذاب سے بھی عمل کیا جاتا ہے۔

"ظالم" کا لفظ ـــــ ہجوم کے سزائے موت دینے کے طریقوں کی ایک پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس نظام (ہجوم کے فیصلوں پر عملدرآمد) کے بارے میں ایک متعلق موجود ہے۔ ہجوم کے بارے میں سلسلہ وار فلموں میں اگلا۔ بی۔ او کی سوپرانوز" میں ہجوم کا سربراہ سوپرانو اس متحرک قوت کے بارے میں اپنے ماہر نفسیات باتیں کرتے ہوئے کہتا ہے: "کنبے کے افراد" اپنے آپ کو سپاہی کہتے ہیں اور جب لڑنے کے لیے جاتا ہے تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اس کے لیے مرنا ایک امکان ہے۔ وہ خاص طور پر شہریوں اور دشمن کے سپاہیوں کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچتے اگر ممکن ہو تو شہریوں کو ہلاکت سے بچاتے ہیں۔"

لوئی لیپکی بوشالٹر جو اس باب کا موضوع ہے نے اس سب کچھ کو (کو تھوڑے کے لیے) تبدیل کر دیا۔ جب اس نے 1930ء میں قتل کارپوریشن قائم کیا تو اس کا "قتل برائے منافع" تھا۔ یہ ادارہ سنڈیکیٹ کے نظام الاوقات کی ایک ذیلی ڈویژن ایک ہزار ڈالر سے لے کر پانچ ہزار ڈالر کی قیمت ادا کر کے کوئی کسی کو بھی کسی بھی سکتا تھا۔ قتل کا نام "ہٹ" (Hit) رکھا گیا جبکہ مقتول کو "بم" (Bum) کا نام دیا اور قتل کروانے والے گاہک کو "کنٹریکٹ" (Contract) پکارا گیا۔

جے رابرٹ نیش (1995ء) جو جامع جرائم انسائیکلوپیڈیا (بلڈلیٹرز اینڈ بیڈ کا مرتب ہے لکھتا ہے کہ کوئی اور واحد شخص "نیشن کرائم سنڈیکیٹ" قائم کرنے کا نہیں ہوا۔ وہ لیپکی کے قتل کارپوریشن کو امریکہ کی مہلک ترین تنظیم قرار دیتا ہے اور وہ کی بدترین وراثت کا ذکر کرتے ہوئے وہ الفاظ دہراتا ہے جو اس کے بارے میں بی۔ آئی کے ڈائریکٹر جے ایڈگر ہوور نے لیپکی کے "واہ واہ" کے دنوں میں اس متعلق کہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا بدترین خطرناک مجرم ہے۔

لوئی بوشالٹر 6 فروری 1897ء کو لوئی بک ہاؤس مین مین ہٹن میں پیدا ہوا۔ 4 مارچ سنگ سنگ میں برقی کرسی پر بیٹھ کر عدم آباد کو روانہ ہوا۔

جب وہ بچہ تھا تو اس کو عرفی نام لیپکی سے پکارا جانے لگا جس کے معنی چھوٹا لوئی ہیں۔ اسی نام سے وہ اپنے جرائم کی زندگی میں مشہور رہا۔ اس نے کوئی تعلیم حاصل کی اور پندرہ سولہ سال ہی کی عمر میں وہ ہتھ ریڑھی چلانے والوں کو لوٹنے لگا۔ 22 سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے وہ دو مرتبہ جیل کی ہوا کھا چکا تھا۔ جب وہ رہا ہوا تو وہ کے سربرآوردہ مجرموں کے گروہ کا رکن بن گیا جس میں یہودی، آئرش لوگوں اور کی بدمعاش گروہوں کے سربراہ شامل تھے۔

لیپکی ان سربراہوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا تیزی سے آگے [illegible] چلا گیا یہاں تک کہ قتل کارپوریشن" قائم کی جو جرائم کے سنڈیکیٹ کی ایک طاقتور ترین شاخ تھی۔ ایک سو واقعات تو خود لیپکی کا ذاتی [illegible] ہیں جبکہ کئی سو افراد اس کے احکامات کے کرائے کے قاتلوں نے قتل کیے۔ وہ ایک قتل کرنے والی [illegible] فورس کا کمانڈر تھا جس نے پورے امریکہ میں کم از کم ہزار افراد موت کے گھاٹ اتارے۔

لیپکی بے رحمی سے مزدوروں کی یونینوں اور کاروباری لوگوں سے ڈالر وصول

تھا۔ وہ ناقابل یقین حد تک طاقتور تھا۔ جج ' سیاستدان اور کانسٹیبل تک سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ ان کی کرپشن سے متعلق بہت کچھ جانتا تھا اور اگر وہ اس سے موا نہ کرتے تو وہ ان کو بے نقاب کر کے ان کی عوام سے بے عزتی کرا سکتا تھا۔

اس کا اپنا ایک تنخواہ دار "ڈیتھ سکواڈ" تھا۔ وہ خاص طور پر بروکلین کے معاوضہ پر "ہٹ" کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اپنے عروج کے زمانے میں اس کے پاس ہو مصدقہ قاتلوں کی ایک فوج موجود تھی۔ اس فوج کا ہر سپاہی اس کے بلاوے پر گھنٹے کے اندر اندر حاضر ہو جاتا۔ ہفتے میں کوئی دن بھی ان کی تعطیل کا نہ ہوتا اور وہ "ہٹ" کے متعلق کسی قسم کا سوال نہ کر سکتے تھے۔

اپنی زندگی کے تیسویں اور چالیسویں سال میں امریکہ میں اس کی طلب بہت زیادہ تھی۔ ایف۔ بی۔ آئی نے 25 ہزار ڈالر کا انعام اس سے متعلق ایسی معلومات حاصل کرنے کے لیے رکھا جو اس کی گرفتاری اور سزا پر منتج ہوں۔ بعد میں ایف۔ بی۔ آئی نے انعام کی یہ رقم دگنی یعنی پچاس ہزار ڈالر کر دی۔

لیپکی کسی مقابلے یا چھاپے کے نتیجے میں گرفتار نہیں ہوا۔ اس نے اپنے آپ کو خود ایف۔ بی۔ آئی کے سپرد کیا۔ اس سلسلے میں اس نے والٹر ونشل کو بیچ میں ڈالا جس نے جے۔ ایڈگر ہوور سے ذاتی طور پر ملاقات کی اور یہ طے کیا گا کہ اسے نیوجرسی کے سرکاری حکام کے حوالے نہ کیا جائے کیونکہ وہاں کا سرکاری وکیل تھامس ڈیوی' لیپکی کا ذاتی دشمن ہے۔

لیپکی کے لیے والٹر ونشل نے ایف۔ بی۔ آئی کے سربراہ سے کوئی معاملہ طے نہیں کیا تھا۔ ابتدا میں اسے چودہ سال قید کی سزا دی گئی۔ دیگر مقدمات میں اسے تیس سال کی سزا ہوئی جس کی ابتدا پہلی چودہ سال کی سزا کاٹنے کے بعد ہونا تھی۔ مگر مزید کئی مقدمات میں اسے بجلی کی کرسی پر بٹھا کر موت کی سزا دینے کا فیصلہ ہوا۔

☆

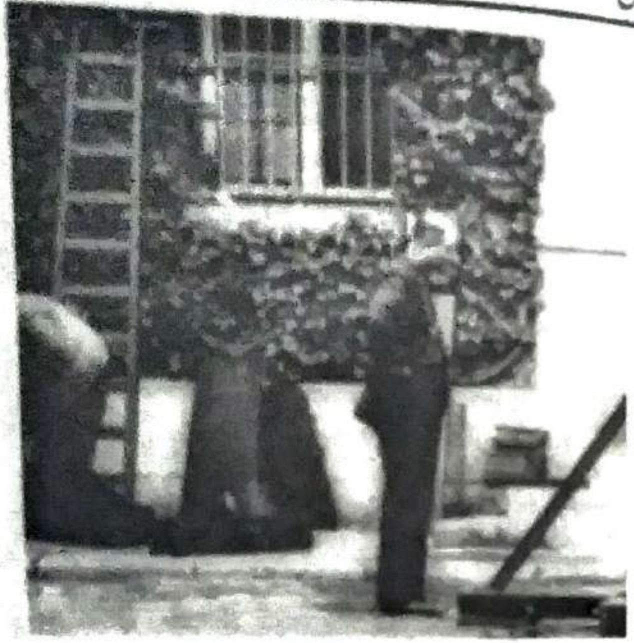

52

ڈاکٹر مارسیل پی شٹ

(1897ء تا 1946ء)

"یہ سنجیدہ معاملہ ہے۔ میرا سر خطرے میں ہو سکتا ہے۔"
ڈاکٹر مارسیل پی شٹ بہت سے
جرائم میں ماخوذ ہونے کے بعد

ڈاکٹر مارسیل پی شٹ ویلنوے' پیرس میں پیدا ہوا تھا۔ 1928ء میں اسے قصبے کا میئر منتخب کیا گیا اس وقت اس کی عمر 31 سال تھی۔ میئر بننے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کے روکڑ کے صندوق سے روپیہ چرانا شروع کر دیا۔

اس سے پہلے جنگ عظیم اول (1914ء تا 1918ء) میں اسے ادویات کی لنگ میں سزا ہو چکی تھی جبکہ وہ فوج میں تھا۔ اس نے ادویات کو بلیک مارکیٹ میں

فروخت کرنے کے لیے چرا لیا تھا۔ فوج نے اس سے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ ذہنی طور درست نہیں ہے۔ اس پر اس نے 1921ء میں چوبیس سال کی عمر میں ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری حاصل کر لی۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ فوج کے خیال کے برعکس کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ نہیں ہے اس نے میڈیکل سکول سے گریجویشن کر لی ہے۔ فوج کے اس سرٹیفکیٹ کے خلاف وہ قصبے کا میئر بھی منتخب ہو گیا۔

کسے خبر تھی کہ ڈاکٹر مارسل سولہ سال بعد روپیہ کمانے کی خاطر معالج ہونے کے باوجود اخلاقیات کے تمام تقاضوں اور طبی ضابطوں کے برعکس تین سال تک یہودیوں کو موت کے حوالے کرتا رہے گا۔

جنگ عظیم دوم کے دوران وہ فرانسیسی یہودیوں کو بے رحمی سے رات کے خوفناک خوابوں کے ڈراوے سے ڈراتا رہا اور جب وہ اس پر اپنا اعتماد ظاہر کرتے وہ ان کو سر سے لوٹتا اور جان سے مار دیتا۔

جنگ عظیم دوم میں جب نازیوں نے فرانس کے کچھ حصوں پر قبضہ کر لیا تو وہ فرانسیسی یہودیوں سے کہتا کہ وہ فرانسیسی تحریک مزاحمت کا رکن ہے اور وہ ان کو آسانی سے فرانس سے باہر نکال سکتا ہے لیکن اس کی کچھ قیمت ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر مارسل کی یہ فیس بہت زیادہ تھی لیکن یہودی نازیوں اور ان کے گیس چیمبروں اور ان کی انگیٹھیوں سے انتہائی خوفزدہ تھے اس لیے وہ ہر فیس ادا کرنے کو تیار تھے۔ ڈاکٹر نے ان کو بتایا کہ اپنے آزادی کے سفر میں جو بھی قیمتی چیز ساتھ لے جانا چاہیں لے جا سکتے ہیں۔ یہودی بڑے اعتماد سے اپنے صندوق اور تھیلے جن میں ان کے کپڑے، فر کے ملبوسات، قیمتی اشیاء اور زیورات وغیرہ ہوتے ڈاکٹر کے سپرد کر دیتے۔

جب ڈاکٹر کے کہنے پر فرانس سے فرار ہونے والے یہودی ڈاکٹر کے گھر پہنچتے تو وہ ان کو سب سے پہلے ٹائیفائڈ بخار کے امکان سے نجات دلانے کا ٹیکہ لگاتا۔ بیچاروں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ اس نے جو ٹیکہ ہر ایک کو لگایا تھا وہ ٹائیفائڈ سے تحفظ کا ٹیکہ نہیں بلکہ انتہائی نشہ آور درخت نکس وومیکا نامی کے بیجوں سے تیار کردہ مہلک محلول پر مبنی تھا۔ پھر وہ انہیں ایک تکونے سیمنٹ اور پتھروں سے تیار کردہ چیمبر میں بند کر دیتا اور ایک سوراخ سے ان کو انتہائی تکلیف دہ موت مرتے دیکھتا رہتا۔

وہ ان کی قیمتی اشیا اور سرمایہ اپنے قبضے میں کر لیتا اور اس میں سے کچھ اپنے بھائی کو جو چھ قصبے چھوڑ کر آگے ایک دوسرے قصبے میں رہتا تھا کو بھیجتا۔ جب اس کے شکار مر جاتے تو وہ ان کے اجسام کے ٹکڑے کرتا اور تہہ خانے میں بنی ہوئی انگیٹھی میں جلاتا۔ یہ ایک بڑا دشوار مرحلہ تھا لیکن اسے بہرحال یہ مرحلہ بھی طے کرنا ہوتا تھا۔ جب تک سب لاشوں کو جلا نہ لیتا وہ ایک کوٹھڑی میں ان کے ٹکڑوں کو اس طرح رکھتا جس طرح ترتیب سے ایندھن کو رکھا جاتا ہے۔

جس انگیٹھی میں وہ بدنصیب انسانوں کو جلاتا تھا اس پر ایک اونچی سی چمنی بنی ہوئی تھی لہٰذا گوشت جلنے کی بو اوپر ہی اوپر فضا میں تحلیل ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر مارسل کی بدقسمتی کہ مارچ 1944ء میں انگیٹھی کی چمنی نچلی سطح سے پھٹ گئی جس سے ایک خوفناک بو قصبے کے سارے رقبے میں پھیل گئی۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کا عملہ موقع پر پہنچا اور انہیں اس تہہ خانے سے 27 لاشیں دستیاب ہوئیں جن کو ابھی جلانا مطلوب تھا۔

ڈاکٹر نے پولیس کو جل دینے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ فرانس کی تحریک مزاحمت کا ممبر ہے اور لاشیں ان نازیوں کی ہیں جنہیں اس نے دریافت کیا، گرفتار کیا اور جان سے مارا۔ پولیس نے ڈاکٹر کے بیان پر یقین کیا اور اسے گرفتار نہ کیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ پیرس سے بھاگ گیا۔

نازیوں کو بالآخر فرانس سے نکال دیا گیا تو ڈاکٹر مارسل پی شٹ نے کیپٹن ہنری والیری کے نام سے پھر سر نکالا اور ویلری کے نام سے "مزاحمت" نامی رسالے میں ڈاکٹر مارسل اور اس کی وطن دوستی سے متعلق ایک خط لکھا جس میں اس نے ڈاکٹر مارسل کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پیرس کے کچھ لوگوں کو شک ہوا کہ اس نے پیرس کو اچانک کیوں چھوڑا اور اس کے تہہ خانے سے ملنے والی لاشیں نازیوں یا ان کے ساتھیوں کی نہیں تھیں کیونکہ اس بات کا کوئی ثبوت ہی نہ تھا۔ لہٰذا نومبر 1944ء میں ڈاکٹر مارسل کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس کی تحویل میں اس نے 63 افراد کو قتل کرنے کا اقبال کیا لیکن وہ اس بات پر اڑا رہا کہ وہ نازی تھے یا نازیوں کے ہمدرد۔

اس کی انگیٹھی میں کچھ ہڈیوں کے ٹکڑے اور انسانی چربی کے ننھے تالاب موجود تھے۔ تہہ خانے میں ایک نہیں کئی انگیٹھیاں تھیں۔ لاشوں کے اصطبل میں مردوں کا گوشت

گلانے کے لیے ان پر چونا بھی ڈالا گیا تھا۔ پولیس کو 47 کی تعداد میں ایسے سو بھی ملے جو قیمتی اشیا سے بھرے ہوئے تھے۔

تین ہفتے کے مقدمے میں ڈاکٹر مارسیل کے خلاف 27 افراد کے قتل کا جن میں سے وہ 24 کا قاتل ثابت ہوا۔ مقدمے کے دوران ڈاکٹر مارسیل تماشائیوں لیے ڈرامہ بازی کرتا رہا۔ وہ گستاخ، متشدد، مسخرہ اور عدلیہ کی بے عزتی کرنے والا اور کوئی بھی اس صورت حال کی ستم ظریفی کا اندازہ نہ کرسکا۔ نازیوں نے تو یہ بڑے بڑے چولہوں میں جلایا تھا جبکہ ڈاکٹر مارسیل ان کو گھریلو انگیٹھیوں میں جلاتا رہا 26 مئی 1948ء کو ڈاکٹر مارسیل پی شٹ کو گلوٹین کے سپرد کردیا گیا۔

* * *

53

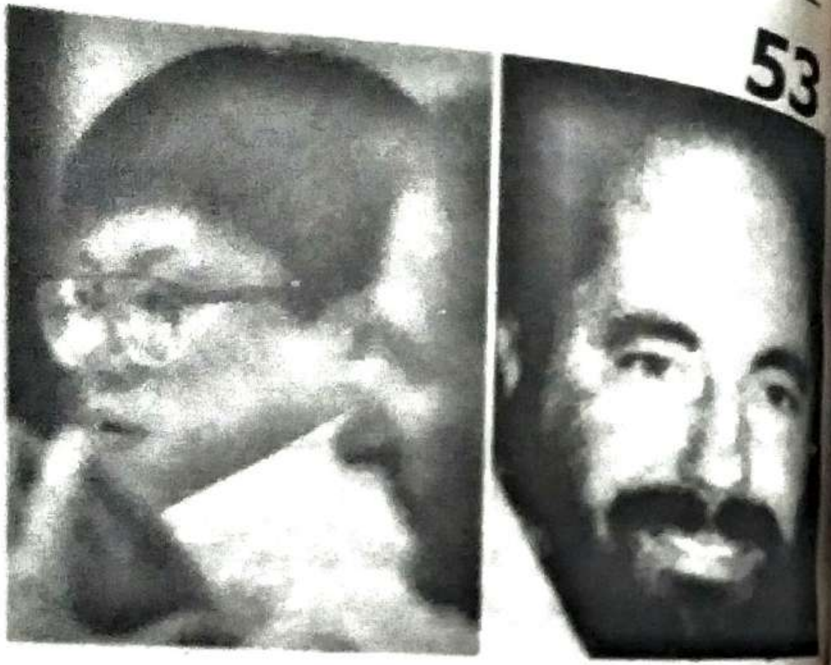

چارلس اِنگ اور لیونارڈ لیک

(1945ء تا 1985ء) (1960ء تا   )

"وہ کس قسم کے احمق لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو جرائم میں ملوث کر لیتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسا صرف برے اور پاگل لوگ کرتے ہیں۔"

جوورینسی میک ایون

"تمہیں ان کی چیخیں سنی چاہئیں، کبھی کبھی مجھے ان کے منہ میں کپڑا ٹھونسنا پڑتا کیونکہ وہ اتنا بھیانک چیختے تھے کہ میں بھی نہ سن سکتا تھا۔"

چارلس اِنگ

ان کے شکار مقتولوں کی عمریں دو سال سے چالیس سال تک تھیں۔ جب حکام چارلس انگ اور لیونارڈ لیک کے اس مکان جس میں انہوں نے قسم قسم کی بدمعاشیاں

اور قتل کئے تھے اور اس کے گردونواح کی کھدائی کی تو انہیں سب سے پہلے لیک ریڑھ کی ہڈی ملی جسے چھوٹی چھوٹی سنڈیاں کھا رہی تھیں۔ مزید کھدائی سے ان کے گلے سڑے انسانی اجسام کے ڈھانچے ملے۔ جلائے ہوئے اور جسم سے علیحدہ کئے انسانی اعضاء دستیاب ہوئے اور پھر انسانی اعضائے جسمانی کا پورا سلسلہ ملا اور 45 انسانی ہڈیاں بھی ہاتھ لگیں۔

چارلس این جی (وہ تلفظ چارلس انگ کرتا تھا) اور لیونارڈ لیک سلسلہ وار تھے۔ تشدد کرنے والے تھے اور بالجبر عورتوں سے زیادتی کے ملزم تھے۔ انہوں نے کے وسط میں دو معصوم بچوں' تین عورتوں اور دس آدمیوں کو اغوا کیا اور ان کو اپنے دینے کے چیمبر میں لائے۔ یہ چیمبر شمالی کیلیفورنیا کی پہاڑیوں میں قائم کیا لیونارڈ لیک نے خود ڈیزائن اور تعمیر کیا تھا۔ اس چیمبر میں انہوں نے عورتوں سے کی اور انہیں جان سے مارنے سے پہلے کافی تشدد کا نشانہ بنایا۔ جان سے مارنے کے ان کے اعضاء علیحدہ علیحدہ کئے اور ان کے باقی ماندہ اجسام کو جلایا۔

اپنی کارروائی میں تفنن طبع کا عنصر پیدا کرنے کے لیے انہوں نے اپنی ہوسناکیوں کو وڈیو کیمرے میں ریکارڈ بھی کیا۔ اپنے کرتوتوں کا ایک روزنامچہ بھی مرتب اور کچھ ساکن فوٹوگرافی بھی کی۔ انگ اور لیک دونوں اپنے شکاروں کو اذیت دے کر ہوتے تھے۔ وہ صرف جسمانی ایذا دہی پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ مظلوم کے صبر امتحان لینے کے لیے اسے نفسیاتی طور پر ذہنی اذیت کا شکار بناتے تھے۔ ایک وڈیو ٹیپ انگ کے مقدمے میں دکھائی گئی وہ پال کوزنر (جس کے بچے کو وہ اس وقت تک چکے تھے) سے کہتا ہے: ''تمہارا بچہ چٹان کی مانند گہری نیند سو رہا ہے۔ تم بھی دوسروں طرح جتنا مرضی ہے چلاؤ اور چیخو لیکن تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا—— ہم خاصے ظالم ہیں——'' دوسروں سے اس کی مراد جیوری کے ارکان تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ اور لیک دونوں کثیر جرائم کے ذمہ دار ہیں جبکہ ٹیپ میں سارے جرائم شامل نہیں ہیں۔

انگ کے مقدمے میں یہ شہادت پیش کی گئی کہ اس نے پال کوزنر کی پیشاب نالی کو رسی باندھ کر اس کے جسم سے علیحدہ کیا اور اس کی ہتھیلیوں میں ہتھوڑے سے ٹھونکے۔ اور اس نے برینڈا او کوزنر کو حکم دیا کہ وہ اپنے دوست کے سامنے اس کے ساتھ

جنسی حرکات کرے جو فحاشی پر مبنی ہیں اور شائستگی سے کوسوں دور ہیں۔ اس نے برینڈا کے دوست کو حکم دیا کہ وہ تمام حرکات کو بغور ملاحظہ کرتا رہے تاکہ وہ سمجھ سکے کہ جنسی تشدد کیا ہوتا ہے۔

انگ اور لیک کے جرائم گھناؤنے اور تنفر آفرین تھے۔ وہ ظلم و ستم اور بے راہروی کی تمام حدود سے آگے نکل چکے تھے۔

وہ اغوا کرتے' مغویوں کو زنجیریں باندھ کر رکھتے۔ ظلم اور زیادتی کا نشانہ بناتے' ان کو جان سے مار دیتے اور پھر ان کے اعضاء کاٹ کر جلا ڈالتے۔ بچے کھچے دھڑوں کو وہ زمین میں دبا دیتے۔ کیلیفورنیا کے عدالتی نظام کی تاریخ میں انگ کا مقدمہ 200 لاکھ ڈالر کا مہنگا ترین مقدمہ ہے۔ مظلوم مقتولوں کے رشتہ داروں اور عزیز و اقربا نے اپنے بچھڑ جانے والے پیاروں کی وڈیوں فلمیں کئی بار گھنٹوں دیکھیں۔ تب تک او۔ جے۔ سمپسن کا مقدمہ مہنگا ترین مقدمہ شمار کیا گیا تھا لیکن اب کیلیفورنیا کے ٹیکس دہندگان کو انگ کے ے پر اور ضمنی تحقیقات پر بہت ہی زیادہ خرچ کرنا پڑا تھا۔

اگرچہ انگ اور لیک کا خاصہ گٹھ جوڑ اور دوستانہ تھا۔ وہ ایک ٹیم کی شکل میں کام کرتے تھے۔ وہ جہاں رہتے تھے وہ مکان بھی لیونارڈ لیک کے سسرالیوں کا تھا لیکن لیک اپنے مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ جب اسے 1985ء میں دہ جرائم کے علاوہ ایک دکان کو لوٹنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تو اس نے سائنائیڈ کے کیپسول اپنے کوٹ کے کالروں کی گردن پر آنے والی اوٹ سے نکالے اور نگل لیے۔ چند سیکنڈوں کے اندر ہی اندر اس کا دم گھٹنے لگا۔ باوجود یکہ اسے فوری طور پر طبی امداد مہیا کی گئی لیکن تب تک وہ دماغی طور پر مفلوج ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے اس کو زندہ رکھنے کے لیے ایک سانس کی نالی لگا دی۔ اس کی گرفتاری کے چوتھے دن اس کے رشتہ داروں نے اس کی سانس کی نالی نکال دی اور وہ چند سیکنڈوں کے اندر اندر مکمل طور پر مر گیا۔

لیک کی موت سے عیار انگ کو یہ بہانہ میسر آ گیا کہ وہ اپنا مکمل دفاع کر سکے۔ اس نے کہا: ''میں نے لیک کے کچھ کاموں میں اس کا ساتھ دیا جیسا کہ وڈیو ٹیپوں پر دکھایا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ لیک کے خیالات و تصورات پر مبنی تھا۔ میں نے خود کسی کو سے نہیں مارا۔''

کسی نے بھی۔۔۔ حتیٰ کہ جیوری تک نے بھی انگ کے اس بیان پر
کیا۔ 30 جون 1999ء کو انگ کو گیارہ قانونی دفعات کے تحت جن میں
شامل تھے موت کی سزا سنائی گئی۔

انگ اور لیک کے شکار

1- سین ڈبنر 2- ڈیبرا ڈبنر 3- جارووے ڈبنر 4- کلفورڈ
5- جیفری جیرالڈ 6- مائیکل کیرول 7- کیتھلین ایلن 8- لونی بانڈ سینئر
9- رابن سکاٹ سٹیپلے 10- لونی بانڈ جونیئر 11- برینڈا اوکونر 12- پال کوزنر

انگ موخر الذکر پال کوزنر کا قاتل قرار دیا گیا۔ اگرچہ دیگر شواہد اس کے خلاف بھی تھے لیکن وہ کوزنر کے قتل کی کارروائی میں زیادہ سے زیادہ ملوث تھا لہٰذا یہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قاتل نہیں ہے۔

* * *

Luby's CAFETERIA

54

جارج ہینارڈ

(1956ء تا 1991ء)

"میں چاہتا ہوں کہ تم ہر ایک پر واضح کر دو کہ اگر انھوں نے میرے گھر کے اردگرد غل غپاڑہ کرنا ترک نہیں کیا تو کچھ نہ کچھ خوفناک ہو کر رہے گا۔"

—— جارج ہینارڈ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی معمولی سی بے نام جگہ تیزی سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ ایسا بیشتر تب ہی ہوتا ہے جب وہ جگہ کسی ناقابل بیان بدترین جرم کا مرکز بن جائے۔

لیوبیز کیفے ٹیریا ایک مشہور فیملی طرز کے ریستورانوں کا سلسلہ ہے جو امریکہ کے جنوب اور جنوب مغرب میں واقع دس ریاستوں کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ اور تقریباً دو سو

مقامات پر اس کے کیفے ٹیریا موجود ہیں۔ کمپنی کی بنیاد باب لوبی نے اپریل 1948ء میں سان انٹونیو ٹیکساس میں رکھی۔ ٹیکساس میں تقریباً 150 لیوبینز ریستوران موجود ہیں۔

اکتوبر 1991ء میں کلین ٹیکساس میں لیوبینز کیفے ٹیریا فوراً مشہور ہو گیا کیونکہ تب تک کی امریکن تاریخ میں اتنی تعداد میں ایک ہی جگہ پر اتنی تعداد میں قتل نہیں ہوئے تھے جتنے کلین میں ہوئے۔ اس سے قبل جارج ہینارڈ کی طرح غصے کی مثال کیلیفورنیا کے میکڈونلڈ میں ہونے والے قتل ہیں۔ جو جیمز ہوبرٹی نے 1984ء میں کئے تھے جن میں تقریباً 21 آدمی مارے گئے۔ جارج ہینارڈ نے لیوبینز کیفے ٹیریا میں 24 آدمیوں کو اپنے سمیت قتل یا زخمی کیا۔

جارج ہینارڈ ایک تنک مزاج' غصہ ور' عورتوں سے نفرت کرنے والا اور غیر ملنسار شخص بیلٹن ٹیکساس کا رہنے والا تھا۔ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نظر نہیں آئی تھی۔ وہ عورتوں سے نفرت کرنے میں مشہور اور غصے میں اعلانیہ سزا دینے کا نفسیاتی مریض تھا۔

لیوبینز کیفے ٹیریا میں قتل عام کا مظاہرہ کرنے کے واقعے کے بعد ہینارڈ کے نزدیک بیلٹن کی رہنے والی دو بہنوں نے جن کی ہینارڈ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اخبار کے نمائندوں کو بتایا کہ ہینارڈ نے غیر مربوط توہمات پر مبنی ان بہنوں کو چار صفحات پر مشتمل ایک خط لکھا جس میں اس نے بتایا کہ بیلٹن ٹاؤن کی تمام عورتیں ماسوائے ان دو بہنوں کے کتیائیں ہیں۔ ان لڑکیوں کی ماں اس وقت کے گورنر ٹیکساس این رچرڈ کی رشتہ دار تھی وہ اس خط سے خاصی پریشان ہوئی اور خط کو پولیس کے پاس لے گئی۔ چونکہ خط میں کوئی خصوصی دھمکی وغیرہ نہیں دی گئی تھی اس لیے خط پر پولیس نے کوئی توجہ نہ دی۔ لڑکیوں کے باپ نے جو ایک ہسپتال کا مہتمم تھا نے وہ خط ایک ماہر نفسیات کو دکھایا تو اس نے برملا کہا کہ لکھنے والا دونوں لڑکیوں سے متعلق پراگندہ جنونی خیالات رکھتا ہے۔ ماہر نفسیات نے یہ بھی کہا کہ ہینارڈ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

ماہر نفسیات نے سچ ہی کہا تھا 16 اکتوبر 1991ء کو جارج ہینارڈ اپنے ہلکے نیلے رنگ کی فورڈ پک اپ میں سوار ہوا اور کلین لیوبینز کیفے ٹیریا میں سامنے کی کھڑکی کو توڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ پک اپ سے باہر نکلا اور اس نے لوگوں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ وہ خود بڑا محتاط رہا۔ ارادتاً بعض لوگوں تک پہنچا اور ان کے سروں کا نشانہ لے کر ان پر گولیاں

دالیں۔ اس نے ایک بوڑھے آدمی کو سر پر اس وقت گولی ماری جبکہ اسے اس کی بیوی' بیٹی اور واسی دیکھ رہی تھیں۔ بوڑھے کی بیوی مرتے ہوئے شوہر تک پہنچی تو ہینارڈ نے اس کو بھی اس کی پیشانی پر گولی مار کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ پھر ہینارڈ نے ایک بڑے قلیظ اشارے سے ان کو ریستوران سے باہر نکل جانے کو کہا۔

لیوبینز ریستوران کا منظر ایک پاگل کی خونی دیوانگی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کے پاس دو پستول تھے' ایک گلاک 17 تھا جو تقریباً خود کار تھا جبکہ دوسرا رگر پی 89 تھا۔ اس نے ان کو خالی کرنے کے بعد دوبارہ گولیوں سے بھرا۔

کچھ لوگ اس ناگہانی آفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جیسے ایک آٹو کا کام کرنے والے نے اپنے آپ کو شیشے کی کھڑکی سے شیشہ توڑتے ہوئے باہر پھینک لیا۔ گو اس کے کندھے زخمی ہو گئے لیکن اسی راستے میں تمیں لوگ مزید بھاگ نکلے اگرچہ ان کو بھی گہرے زخم آئے۔ ایک ملازم دن کا بہت بڑا حصہ ڈشیں دھونے والے ٹب میں چھپا رہا۔ ایک نے خود کو فریزر میں چھپا لیا دونوں ہی بچ نکلے۔

جب ہینارڈ معصوم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا تھا تو اسنے چیختے ہوئے کچھ فضولیات بھی بکیں۔ اس نے کہا: "یہ وہ کچھ ہے جو میرے ساتھ بیلٹن نے کیا۔۔۔ یہ وہ ہے جو۔۔۔ میرے ساتھ بیل کونٹی نے کیا۔۔۔ " وہ چلایا: "مجھے امید ہے کہ یہ سب کچھ ٹیکساس کے شایان شان ہے۔"

چودہ منٹ بعد ہینارڈ جس کھڑکی سے داخل ہوا تھا اسی سے گھستا ہوا باہر نکلا۔ مشکل ہی سے وہاں چھپا ہوا منشیات کی تلاش کرنے والا افسر کین اوسلن ہینارڈ کو دو مرتبہ زخمی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے پہلے اس کے کندھے کو اور پھر جسم کے اوپر کے حصہ کو نشانہ بنایا۔ زخمی ہو کر گرنے کے بعد ہینارڈ نے اپنے آپ کو ایک غسل خانے میں چھپا لیا وہاں اس نے اپنی کنپٹی پر فائر کر کے خودکشی کر لی۔

لیوبینز کا قتل عام رک گیا۔

پولیس نے اس کے مرنے کے بعد یہ دریافت کیا کہ ہینارڈ نے جب خودکشی کی تو اس کے پاس پورے طور پر بھرے ہوئے پستول موجود تھے اور ان کے علاوہ اس کے پاس

وہ پیٹیاں گولیوں کی موجود تھیں۔ وہ بہت زیادہ تعداد میں لوگوں کو قتل کرنے
کا یہ بھی اندازہ تھا کہ اگر کیپٹن وسلن نے اس کو شناخت نہ کیا ہوتا تو وہ کم از کم
جانیں ضرور لیتا۔

جارج ہینارڈ بحری تجارت کے شعبہ میں 1961ء سے 1989ء تک کام
کے اس ادارے سے چند ماہ پہلے اسے فروری 1991ء میں دوبارہ ملازمت میں لینے
انکار کر دیا گیا۔ اسے اپنا یوں برخاست کیا جانا سخت ناگوار گزرا تھا اور اکثر لوگوں سے
رہتا تھا کہ بحری تجارت میں اس کا وہ سال (جب اسے ملازمت سے نکالا گیا تھا) بہترین
سال ثابت ہوتا تھا۔ اس کے کام کے سپروائزر نے پولیس کو بتایا کہ وہ قوانین کی پابندی
نہیں کرتا تھا بلکہ گستاخی اختیار کرتا تھا۔ جب اسے ایک تجارتی جہاز سے دوسرے پر بھیجا
گیا تو ایک تاجر دوست کے بتانے کے مطابق وہ کبیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ وہ ہر ایک کو
خوفناک نظروں سے دیکھتا، گالیاں بکتا، بد دعائیں دیتا، لعنتیں بھیجتا اور اونچا اونچا فضول
بولتا چلا جاتا۔

لیوبیز ریستورانٹ میں ہونے والی واردات سے بچ نکلنے والے ایک ۷۱ سالہ شخص
نے کیلیاس کے لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا: ”میں خوش ہوں کہ جارج
ہینارڈ مر گیا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ لوگ جس کے اہل تھے انہیں وہ مل گیا اور
جس کے اہل تھا اس کو بھی وہ مل گیا۔“

☆

55

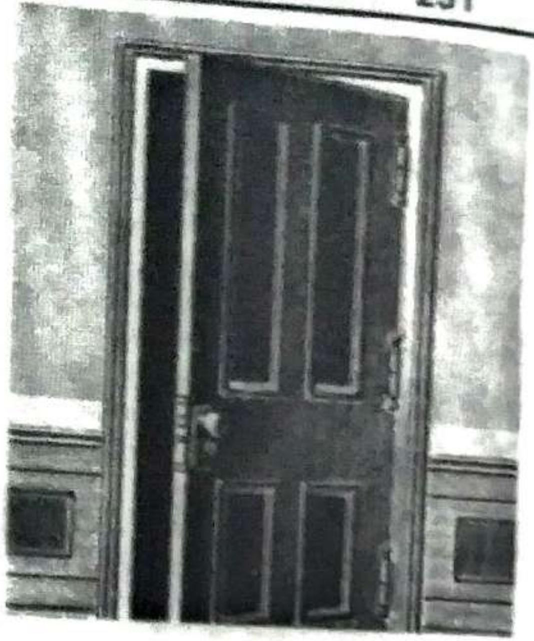

ارل لیونارڈ نیلسن

”گوریلا قاتل“

”گلا دبوچ کر مارنے والا سیاہ پوش“

(1897ء تا 1928ء)

”کمرہ کرایہ کے لیے خالی ہے۔“
یہ تختی کسی نئے شکار کی تلاش کے لیے ارل نیلسن کی مدد کرتی تھی۔

”میں عورت کا قتل (لیڈی کلنگ) صرف ہفتے کی رات کو کرتا ہوں۔“
ارل نیلسن

”جن لوگوں نے میرے ساتھ زیادتی کی میں ان کو معاف کرتا ہوں۔“
ارل نیلسن کے پھانسی پانے سے پہلے کے الفاظ

ارل لیونارڈ نیلسن ایک عورت باز پاجی' شیطان اور قاتل تھا۔ اس نے کینیڈا اور کے اندر دو سال میں 22 عورتوں کو بے دردی سے عزت لوٹنے کے بعد قتل کیا۔ یہ وارداتیں اس نے سان فرانسسکو' سان جوزے اوک لینڈ اور سانتا باربرا' کیلیفورنیا' لینڈ' اوریگان سٹی' اوریگان سیٹل' واشنگٹن' کونسل بلفس' آئیووا' کنساس سٹی' فلاڈلفیا' بفلو' نیو یارک' ڈیٹرائٹ' مشی گن' شکاگو' آلی نائس' اور ونی پگ' مانی ٹوبا کینیڈا میں کیں۔

نیلسن گوریلا قاتل کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کا یہ عرفی نام اس کی شکل وجہ سے پڑا تھا۔ وہ اوپر کو اٹھی اور آگے کو بڑھی ہوئی پیشانی رکھتا تھا۔ اس کے ہونٹ اور آگے کو لٹکتے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں پر گھنے سیاہ بال تھے اور اس کی ظاہری بالکل بندر جیسی تھی۔ مزید برآں اس کے عرفی نام میں بامعنی اضافہ اس کے جرائم میں جانے والی حیوانیت بھری وحشت نے کیا۔

جب ابھی وہ بچہ ہی تھا تو وہ گلی سے گزرتی کار سے ٹکرا گیا اور اس کے سر پر ایک زخم آیا۔ اس حادثے کی وجہ سے اسے عمر بھر کے لیے درد کا روگ لگ گیا۔ ہو سکتا ہے حادثے کی یاد اور مسلسل درد نے اس کی شخصیت میں تبدیلی پیدا کی ہو اور اسے جنسی طور جنونی اور متشدد بنا دیا ہو۔ اسی کی وجہ سے وہ عورتوں پر مجرمانہ حملے اور ان کو قتل کرتا رہا۔

نیلسن 1897ء میں فلاڈلفیا میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں آتشک کے مرض میں کر مری اس وقت نیلسن کی عمر ایک سال تھی۔ اسے پرورش کے لیے اس کی خالہ للیان دے دیا گیا۔ وہ ایک عجیب و غریب بچہ تھا۔ وہ بغیر کسی تامل کے اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے خوشی خوشی سکول جاتا لیکن جب واپس آتا تو اس نے گندے چیتھڑے پہن رکھے ہوتے۔ یہ یقینی بات تھی کہ وہ اپنے کپڑے راستے میں بے گھر فقیروں سے تبدیل کر لیتا۔ وہ کیوں ایسا کرتا تھا؟ کیا وہ ان کو خیرات دیتا تھا یا یہ اس کی ذہنی بیماری تھی؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

نیلسن کی خالہ ایک پابند مذہبی عورت تھی جو بائبل کے لغوی معنوں کی وضاحت کر تھی اور وہ اسے اپنا مقدس فرض سمجھتی تھی کہ وہ اپنے یتیم بھانجے کو بائبل کی تعلیم دے۔ اس نے یہ تعلیم جاری رکھی بلکہ اس وقت بھی جاری رکھی جب وہ عورتوں کی عصمت دری قتلوں میں نکتہ عروج پر تھا۔ وہ مذہبی جنونی کی طرح بائبل کی تبلیغ بھی کرتا اور اس کا مطالعہ

بھی کرتا رہتا۔

اچھی اور پاک کتابوں کے پڑھنے اور ان سے محبت کرنے کی کیفیت کے باوجود نیلسن اپنے اندر سے نفسانی خواہشات اور خون خرابے کی ہوس کو نہ مٹا سکا۔ 1919ء میں اس نے ایک ساٹھ سالہ کنواری عورت سے شادی کی جبکہ اس کی اپنی عمر بائیس سال تھی۔ وہ اس عورت کو مجبور کرتا کہ وہ اس سے دن میں دو مرتبہ تنہائی میں لازماً ملے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ہاتھوری کی قبیح عادت بھی تھی۔ اس کی شادی صرف چھ ماہ چلی اور ارل نیلسن کو خوفناک جرائم کی داستان ترتیب دینے سے نہ روک سکی جو اس نے ملک بہ ملک اور شہر بہ شہر گھوم پھر کر مرتب کی۔

26 سال کی عمر میں نیلسن کو دماغی امراض کی تربیت گاہ میں بند کیا گیا کیونکہ اس نے ایک چھوٹی سی لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔ وہ اس تربیت گاہ سے تین مرتبہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے پہلا قتل 20 فروری 1929ء میں کیا۔ وہ اپنی نفسانی تسکین کے لیے سان فرانسسکو میں گھوم رہا تھا کہ اسے ایک مکان کے سامنے کی کھڑکی پر "کمرے کرائے کے لیے خالی ہیں" کی تختی آویزاں نظر آئی۔ اس نے مکان کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولنے والی عورت سے کمرہ دیکھنے پر اصرار کیا۔ جونہی وہ اندر گھسا اس نے اس عورت کا گلا دبوچ لیا اور اسی وقت چھوڑا جب اس کا دم نکل گیا۔ پھر اس نے لاش کی مجرمانہ توہین سے اپنے نفس کی تسکین کی۔ اس نے اسی مکان کے بالا خانے پر لاش کو پھینک دیا۔

اگلے چند ماہ نیلسن ریاست ہائے متحدہ کی سیر کرتا رہا جبکہ ایک قتل کا مقدمہ اس کے خلاف قائم ہو چکا تھا۔ کمرے یا کمرہ خالی ہونے کی تختی اس کی سوچ کو مہمیز لگاتی اور وہ ایک کرایہ دار کی حیثیت سے کمرہ دیکھنے کی خواہش کرتا۔ اگر کمرہ دکھانے والی کوئی عورت ہوتی اور وہ ہوتی بھی اکیلی تو وہ اسے دبوچ لیتا اور اپنی ہوس کی تسکین کے لیے وہی کچھ کرتا جو اس نے اپنے پہلے شکار سے کیا تھا۔

نیلسن کا شکار ہونے والی عورتوں کی عمر 14 سال سے 63 سال کے درمیان تھیں۔ کنساس سٹی میں تو اسے اپنی 28 سالہ شکار عورت جرمینا ہارپن کی آٹھ ماہ کی بچی کا گلا بھی دبانا پڑا (شاید وہ ماں کی حالت دیکھ کر رونے لگی ہو۔)

گوریلے قاتل میں قتل کے جرم کے بعد لاش کو چھپانے کی خصوصیت تھی۔ اس
کبھی لاش کو کھلے عام وقوعہ کی جگہ پر نہیں چھوڑا۔ وہ یا تو لاش کو کسی چھوٹے
الماری میں بند کرتا یا پھر اس کو بستر کے نیچے چھپاتا۔

اس نے مقتولہ ایملی پیٹرسن کے کپڑوں کو پرانے کپڑوں کی خرید و فروخت کر
پر فروخت کیا تھا۔ ان کپڑوں سے اس کی نشاندہی ہونے پر اسے امریکہ کی سرحد سے
میل دور گرفتار کیا گیا اور اس پر مقدمہ ونی پیگ، مانی ٹوبا کینیڈا میں اس کی آخری
ایملی پیٹرسن کے قتل کے جرم میں نومبر 1927ء میں چلا گیا۔ اس کی موت کے بعد پ
نے اسے 1926ء میں نیوجرسی میں ہونے والے تہرے قتل کا مجرم بھی قرار دیا۔ جی
تینوں عورتیں مکانات کی مالکہ تھیں جنہیں دن کے اوقات میں قتل کیا گیا تھا اور پھر
لاشوں سے توہین آمیز سلوک کے بعد ان کو ان کے بستروں کے نیچے چھپایا گیا تھا۔
واضح تھا کہ ان دنوں نیلسن نیوجرسی ہی میں تھا لیکن اس پر ان قتلوں کا بوجھ مقدمے کی
صورت میں نہیں ڈالا گیا۔ اسے ایملی کے مقدمے ہی میں موت کی سزا ہوئی جس
عملدرآمد 13 جنوری 1928ء کو کیا گیا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے: "میں نے کبھی
نہیں کیا۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔۔۔۔ اور میں ان تمام کو معاف کرتا ہوں جنہوں نے
میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اس کے آخری الفاظ پر کسی نے یقین نہیں ک
اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی صورت پیدا ہوئی ہے کہ اس کے ان آخر
الفاظ پر یقین کیا جا سکتا۔ یہی سچ ہے کہ اس نے 22 عورتوں کا شکار کیا تاہم یہ امکان
موجود ہے کہ مذکورہ تعداد زیادہ ہو۔

☆

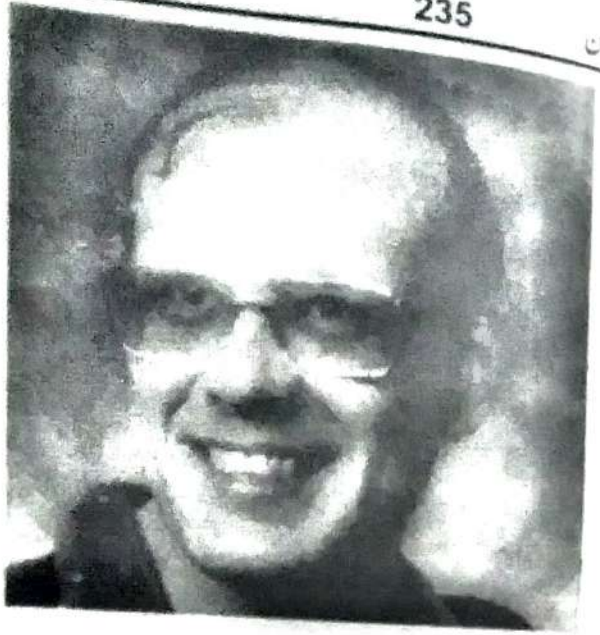

56

جیمز اولیور ہوبرٹی

(1942ء تا 1983ء)

"معاشرہ ہی ہمیں یہ موقع مہیا کرتا ہے۔ میں شکار کرنے جا رہا ہوں۔۔۔
انسانوں کا شکار۔۔۔ میں نے ویت نام میں ہزاروں شکار کئے اور میں مزید
شکار کرنا چاہتا ہوں۔"

جیمز اولیور ہوبرٹی

18 جولائی 1984ء کو جب جیمز اولیور' سان لیسڈرو' کیلیفورنیا میں واقع میکڈونلڈ
ستوران میں داخل ہوا اور اس نے معصوم لوگوں کی جانیں ضائع کرنی شروع کر دیں تو
ے ساتھ ہی دیوار پر بنی ایک امریکن بڑی شخصیت کی شبیہ کو بھی گولیوں سے بری
توڑ پھوڑ دیا۔ وہ ذاتی طور پر بچوں، میکسیکن اور امریکنوں سے نفرت کرتا تھا۔ بدقسمتی

سے میکڈونلڈ ریسٹوران ایک ایسی جگہ تھی جہاں یہ تینوں بکثرت مل سکتے تھے او اپنی بے مہار نفرت کا عملی اظہار کر سکتا تھا۔

جیمز ہوبرٹی 1942 میں کینٹن، اوہیو میں پیدا ہوا۔ تین سال کی عمر میں وہ پولیو ہوا۔ وہ اس بیماری سے بچ تو گیا لیکن اس موذی بیماری نے اسے لنگڑا بنا دیا۔ جب نے سکول جانا شروع کیا تو اس کے ہم مکتب اس کے لنگڑا کر چلنے کا تمسخر اڑاتے۔

جب ہوبرٹی سات سال کا ہوا تو اس کے باپ نے ایک فارم خریدا اور علاوہ اس کے بھائی کو بھی وہاں بھیج دیا۔ اس کی ماں نے کنبے کے ساتھ وہاں جا انکار کر دیا اور مذہبی جنون اپنا کر مشنری مبلغہ بن گئی۔

ہوبرٹ خاندان کا فارم پینسلوینیا کے آمش نامی علاقے میں تھا اور ان کے ہمسائے اپنے علاقے کے اخلاقی ضابطوں اور روایات کے سخت پابند تھے۔ ماں باپ سے اگر ایک کا انتقال ہو چکا ہوتا تو ایسی صورت میں آمش معاشرہ باقی کنبے کو قبول لہٰذا ایسی روایات کے پس منظر میں ہوبرٹی خاندان ماں کے زندہ ہونے کی وجہ ٹوٹ پھوٹ کی بنیاد پر دیہی معاشرے میں مطابقت نہ پاسکا۔ جیمز ہوبرٹی ایک بار ہم جماعتوں کے طعن و تشنیع کا ہدف بن گیا۔

اسی دور میں ہوبرٹی کو بندوقوں سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔

اس نے بالخصوص "ہاٹ لوڈنگ" کی تکنیک سیکھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کارتو میں بارود اس مقدار سے زیادہ ڈالا جا سکے جس مقدار کو بندوق اور کارتوس کے معیا مطابق مقرر کیا گیا ہے۔ (ماں کے مذہبی دیوانگی کے بعد ہوبرٹی کی دادی اپنے بیٹے پاس آ چکی تھی کہ اس کا بیٹا اپنے بیٹوں کی پرورش کر سکے۔) ہوبرٹی کی دادی نے ایک مرتبہ گرد کا ایک ڈھیر اس کمرے میں پڑا پایا جہاں ہوبرٹی "ہاٹ لوڈنگ" پر کام کیا تھا۔ اس نے اس گرد کو جھاڑو سے اکٹھا کیا اور اس گرد کو کچرے کے ڈھیر کو لگائی گئی پر ڈال دیا۔ وہ گرد دراصل بارود تھا لہٰذا زور کا دھماکہ ہوا اور بیچاری ہوبرٹی کی دادی اس جھلس گئی۔

ہائی سکول میں بھی ہوبرٹی یہی کچھ سیکھتا رہا۔ پھر اس نے کالج میں داخلہ لے لیا اسے کالج سے مردوں کی تجہیز و تکفین کے سکول میں بھیج دیا گیا۔ جب وہ تجہیز و تکفین

کی میں مہارتیں حاصل کر رہا تھا تو ہوبرٹی نے ایک عورت جس کا نام ایڈنا تھا سے شادی کر لی۔ جب ہوبرٹی اپنے قتل عام مظاہرہ کر چکا تھا تو جس پادری نے ہوبرٹی اور ایڈنا کیا تھا نے حکام کو بتایا کہ ہوبرٹی اس کو یاد ہے یہ ایسا آدمی تھا جو خود "دھماکہ" بننے تھا۔

جلد ہی ہوبرٹی نے دہریت اپنا لی لیکن اس کے باوجود یوں لگتا ہے کہ اس کا عقیدہ ہو جاتی رہا۔ اس نے کہا کہ وہ خدا پر اس لیے یقین نہیں رکھتا تھا کہ خدا اس کی ماں کو اسے جدا کر کے لے گیا۔ اس کے باوجود اگر خدا نہیں ہے تو پھر اس پر ہر الزام کیوں ہوتا ہے؟ یہ لطیف مذہبی نکتہ ہوبرٹی کی دانست سے باہر تھا۔

تجہیز و تدفین کا جو فن ہوبرٹی نے سیکھا تھا اس کے حوالے سے اسے اپنے پیدائشی میں ایک کفن دفن کی پارلر میں ملازمت مل گئی لیکن اس کی ملازمت زیادہ عرصہ چلی۔ وہ گو اپنے فن میں طاق تھا اور اپنے کام سے دلچسپی بھی رکھتا تھا لیکن وہ عورتوں سے اس قدر نفرت کرتا تھا کہ وہ مرنے والوں کی عزیز سے عزیز عورتوں کے ساتھ رسمی طور تعزیتی الفاظ بولنے کو تیار نہیں تھا جبکہ یہ بھی اس کے پیشے کا ایک کاروباری تقاضا تھا۔ عورتوں کا کوئی پیارا یا کوئی پیاری فوت ہو جاتی تو وہ ان کی فوت ہو جانے والے کے آہ و بکا اور تعزیتی کلمات کو بھی دل سے پسند نہ کرتا۔ اس نے یہ ماتمی پیشہ چھوڑ کر نگ کا کام سیکھنا شروع کر دیا۔

ہوبرٹی کو عوام کے مفاد میں بننے والی اشیا کے ایک کارخانے میں ویلڈنگ کا کام بھی گیا۔ اس نے اس پیشے سے اچھی آمدن بھی شروع کر دی۔ ایک مکان بھی خریدا لیکن وہ قصے میں رہتا کیونکہ وہ ایک بار پھر محلے داروں کی طعن و تشنیع کا موضوع بن گیا کارخانے میں اس کے ساتھی اسے جان بوجھ کر ہوبرٹی کی بجائے "پیرٹی" (بمعنی شباب) کہتے۔ وہ اس نام سے چڑتا اور غصہ کھاتا تھا۔

ہوبرٹی نے بہت سی بندوقیں اکٹھی کرنا شروع کر دیں۔ وہ مختلف قسم کی گولیوں کا ماہر اور وہ اکثر یہ باتیں کرتا رہتا کہ کونسی گولی انسانی گوشت کو کس قدر نقصان پہنچاتی ایسی گفتگو کرتے ہوئے وہ بڑا خوش نظر آتا۔ وہ تیزی سے اس نقطے کی طرف جا رہا تھا سے واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس حقیقت کا اظہار اس کی بدزبانی اور بڑا بننے کے

ہذیان سے ہوتا تھا۔ وہ امریکی حکومت' غیر ملکی دشمنوں' امریکہ میں مقیم غیر ملکیوں
صدور کی ناکامیوں اور دیگر ایسی باتوں جن سے متعلق وہ کچھ کہہ سکتا تھا
باتیں کرتا چلا جاتا۔ جب وہ اپنے گھر میں بھی ہوتا تو بھی وہ ایک بھری ہوئی گن
بندوق' پستول وغیرہ) اپنی دسترس میں رکھتا۔ اس نے یہ بھی اہتمام کر رکھا تھا کہ
گھر میں جتنی بھی گنیں تھیں اس نے ان کے حفاظتی کلپ (سیفٹی والو) نکال رکھے

ہوبرٹی نے جرمن شیفرڈ کتے رکھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے ایک کتے
ہوبرٹی سے ملنے آنے والے ایک شخص پر کود کر حملہ کیا اور اس کی کار سے
روغن اترا۔ کتے کے بھونکنے اور لپکنے کی آواز سن کر ہوبرٹی نے کتے پر ایسا کاری
وہ اچھل کر گرا اور مر گیا۔ ہوبرٹی نے فخر سے اپنے ملاقاتی سے کہا: "دیکھو' میں
مہمانوں کی حفاظت یوں کرتا ہوں۔"

ہوبرٹی اپنے ہمسایوں اور اپنے کام کے ساتھیوں کے ساتھ خصوصیت کی
باتیں کرتا رہتا۔ وہ بیوی اور بچوں کو جسمانی طور پر بھی چانٹوں اور مکوں سے
ایک مرتبہ اس نے اپنی بیوی کا جبڑا توڑ ڈالا اور اپنی بیٹی کے گلے پر چاقو تان
جانوروں پر بھی ناقابل بیان ظلم روا رکھتا تھا۔ میکڈونلڈ میں قتل کے واقعہ سے ایک
وہ کتابوں میں تحریر کی گئی بدخواہ شخصیت کی مثال تھا۔

18 جولائی 1984ء کو چار بجے کے قریب وہ سان لیسڈرو کے میکڈونلڈ میں
داخل ہوا اور ریستوران کی خاتون منیجر کو گولی سے اڑا دیا۔ پھر اس نے ہر ایک کو حکم
وہ سب فرش پر لیٹ جائیں۔ گاہکوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اسنے ان کو
نشانہ بنانا شروع کیا اور اپنی مرضی کے مطابق جسے جس طرح چاہا مارا۔ اس روز اس
زیر استعمال ہتھیار پی۔ 35 بڑی طاقت کا 9۔ ایم ایم۔ پستول' ونچسٹر 1200 پمپ
12 گیج کی شاٹ گن اور اسرائیلی فوجی انڈسٹریز کی 9۔ ایم ایم ماڈل اے کاربائن
آئی تھی۔

ہوبرٹی کے اس حملے کے نتیجے میں صرف ایک آدمی ہسپتال میں کافی عرصہ
باقی افراد یا مر گئے یا پھر زخموں سے چور بھاگ نکلے۔ اس نے اپنے شکار لوگوں میں
کی تخصیص روا نہیں رکھی۔ اس نے مردوں' عورتوں' دودھ پیتے بچوں اور دوسرے

کو نشانہ بنایا۔
بجکر 10 منٹ پر ساٹھ پولیس افسروں نے میکڈونلڈ کی عمارت کا محاصرہ کر لیا اور
میں سے ایک افسر نے اس کی دل سے خون لانے والی شریان کو نشانہ بنایا۔ ہوبرٹی
مقتولوں کی تعداد اکیس رہی جس میں مرد' عورتیں اور بچے شامل تھے اور انیس بری
طرح مجروح ہوئے۔ میکڈونلڈ نے اپنا ریستوران بند کر دیا۔ شہر کو کثیر رقم عطیہ کے طور
اور شہر نے مرنے والوں کی یاد میں ریستوران کی جگہ پارک تعمیر کر دیا۔

========☆========

57

کارل پینزریم

(1891ء تا 1930ء)

> "میں نے اپنی زندگی میں 21 انسانوں کو قتل کیا ہے۔ میں نے ہزاروں کے قریب نقب زنیاں' ڈکیتیاں' سرقے اور آتش زنیاں کی ہیں اور تقریباً ایک ہزار سے زیادہ مردوں کو لواطت کا شکار بنایا ہے۔ ان تمام کرتوتوں کے باوجود مجھے رتی بھر افسوس نہیں۔ چونکہ میرا ضمیر ہی نہیں ہے اس لیے مجھے کوئی کوفت نہیں ہوتی۔"
>
> کارل پینزریم

بعض اوقات کسی شخص میں برائی کی خالص گہرائی انتہائی مبہوت کرنے والی ہوتی ہے۔ کارل پینزریم بھی ایک ایسا ہی شخص ہے جس نے مہذب معاشرے کی جلد اقد

ضابطہ اور بنیادی قوانین کے لیے ہمیشہ نفرت اور مکمل کھلی گستاخی ہی کا اظہار کیا۔ قتل' ڈکیتی' آتش زنی' دھوکہ دہی' مجرمانہ حملے' لواطت اور آبروریزی اس کی روزمرہ کی مصروفیات تھیں۔ وہ موت کے وقت بھی ان لوگوں سے جو اسے بچانے کی کوشش میں تھے نفرت اور گستاخی سے پیش آیا۔

پینزریم ایک یکساں رَو انسان تھا۔ ایک مرتبہ اس نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا: "میں انسان (آدمی) خدا اور شیطان پر یقین نہیں رکھتا۔ میں اس تمام نسل انسانی سے نفرت کرتا ہوں جس میں میں خود بھی شامل ہوں۔ دوسرے انسانوں سے اور اپنی ذات سے نفرت نے پینزریم کی نفسیات میں انسانی شکل میں ایک عفریت پیدا کر دیا تھا۔ اس کے ہمہ وقت تصورات میں ایسا بھرپور تشدد موجود تھا جو قصبے میں تمام افراد کی بیک وقت ت پر منتج تھا۔ اپنی بہت سی جیل کی قیدوں کے دوران وہ مسلسل پانی کی ترسیل میں زہر ے یا بھر بھری ریل گاڑیوں کو دھماکے سے اڑانے سے متعلق سوچتا رہا تھا۔

پینزریم کو مختلف قید و بند کی سزاؤں میں مسلسل اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کو برہنہ لٹکا کر اس پر سے آگ پائپ کے ذریعے گزاری گئی۔ اسے نہانے کے ٹب میں ڈال کر بجلی کے جھٹکے دیئے گئے۔ اسے ایک سیدھی سادی جیکٹ میں اس طرح کسا گیا کہ اس کے جسم کے بعض حصوں میں خون کی آمدورفت بند ہوگئی۔ اس قسم کے واقعات سے اس کے ذہن میں ایک ناقابل تصور نفرت' ہر اس شخص سے جو اس سے ملا' بیٹھ گئی۔ اپنے اوپر ہونے والے تشدد کے حوالے سے وہ کہتا ہے کہ معاشرہ اس سب کچھ کی قیمت ادا کرے گا۔ تشدد اور لواطت جیسی سزاؤں کے سہنے کے بعد اس کا فلسفہ یہ ہوگیا کہ جن لوگوں نے اس پر مختلف قسم کے عذاب ڈھائے ہیں اگر وہ ان کو سزا نہ دے سکا تو وہ ان کی بجائے دوسروں ہی کو سزا دے گا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔

کارل پینزریم کو آٹھ سال کی عمر میں شراب نوشی اور بدتہذیبی کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ یہ آنے والے 31 برس کی برائی اور جرائم کی ابتدا تھی۔

جب پینزریم کی عمر گیارہ سال ہوئی تو 1903ء میں ایک پڑوسی کے ہاں نقب لگانے کے جرم میں اسے ایک اصلاحی سکول میں بھجا گیا۔ اسے اصلاحی سکول پسند نہیں آیا۔ وہ

محافظین اور استادوں کے پینے والے مشروبوں میں پیشاب ملاتا رہا۔ پھر اس نے
سکول ہی کو آگ لگا دی اور ایک لاکھ ڈالر کا نقصان کیا۔

سکول سے فارغ ہوتے ہی اس نے شراب نوشی شروع کر دی اور فوج میں
ہوگیا۔ چند ہی ہفتوں میں فوجی سامان چرانے پر اس کا کورٹ مارشل ہوگیا اور وہ
کے لیے لیون ورتھ کی جیل میں ڈال دیا گیا۔

رہائی ملتے ہی وہ جنوب مغرب کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ دوران سفر وہ لڑکوں
بدمعاشی اور چوریاں کرتا رہا۔ وہ کئی مرتبہ مختلف قسم کے جرائم کی پاداش میں گرفتار ہو کر
جاتا رہا اور مختلف میعاد کی قید کاٹتا رہا۔

1919ء میں جب وہ جیل سے باہر تھا اس نے سن کلیر آئل کمپنی میں ملازمت
مگر جلد ہی اس نے ایک رگ (تیل نکالنے والی مشین) جلا ڈالی۔

پھر وہ بحری سفر سے سکاٹ لینڈ چلا گیا۔ اس نے کچھ عرصے کے لیے یورپ
کیا اور جب وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تو وہ داؤ لگنے پر لوٹ مار اور قتل بھی کرتا۔
وہ افریقہ جا پہنچا جہاں وہ ایک بارہ سالہ لڑکے سے زیادتی اور پھر اس کے قتل کا مرتکب
ہوا۔ اس قتل سے متعلق اس نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا: ''میں ایک جگہ کچھ
سوچنے کے لیے بیٹھ گیا تھا۔ قریب سے ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا اپنی پشت
گزرا۔ وہ کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جو وہ تلاش کر رہا تھا وہ اسے مل گیا۔ میں اسے کنکروں
بھری زمین پر ایک گڑھے میں لے گیا۔ پہلے میں نے اس کے ساتھ جو کرنا تھا وہ کیا
اسے قتل کر دیا۔ جب میں نے اسے چھوڑا تو اس وقت اس کا بھیجا کانوں سے بہہ رہا
وہ مرنے سے بھی اگلی منزل پر تھا۔

جب وہ افریقہ میں تھا تو اس نے چھ قلی اجرت پر حاصل کیے کہ وہ اسے مگرمچھ
شکار پر لے چلیں۔ اس نے ان چھ قلیوں کو جان سے مار دیا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی
کی اور پھر ان کے اجسام کو مگرمچھوں کی ضیافت کے لیے پانی میں پھینک دیا۔

پھر وہ واپس امریکہ آیا اور نقب زنیاں کرنے لگا۔ بچوں کے ساتھ مکروہ حرکات

بھی اس نے مسلسل جاری رکھا۔ اس نے سالم میساچوسٹس میں ایک بارہ سالہ لڑکے کو
ہلاک کیا۔ حبشی لڑکے کی طرح اس کا بھیجا بھی کانوں کے راستے بہہ نکلا۔ ظالم کا تشدد ہی
اس قسم کا تھا کہ موت کے بعد بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے رہتے تھے۔

1920ء میں نیوانگلینڈ میں سے سفر کرتے ہوئے اس نے نیو ہیون کونیکیٹ میں
ایک سابقہ صدر ولیم ہاورڈ تافت کے گھر کو لوٹا۔ (تافت کو اس وقت صدارت سے سبکدوش
ہوئے سات سال ہو چکے تھے۔)

اس وقت تک پینزریم اپنی مالی حالت کو معقول بنا چکا تھا۔ کچھ سرمایہ خرچ کر کے اس
نے ایک ہلکی دخانی کشتی خریدی۔ اس نے فریب کاری سے دس ملاح کشتی پر اس وعدے
کے ساتھ سوار کیے کہ وہ ان کو کام دلائے گا لیکن اس نے الٹا ایک ایک کر کے ان کو اپنے
معمولات کے مطابق قتل کیا۔

پینزریم کو جب مقدمے کا سامنا کرنا پڑا تو اس کے نتیجے میں اسے عمر قید کے لیے
لیون ورتھ جیل بھیجنے کی سزا ملی۔ اس نے جیوری کے ممبران سے کہا کہ اگر وہ زندہ رہا اور
اسے موقع ملا تو ان میں کچھ کو ضرور عذاب دے کر جان سے مارے گا۔ جب وہ لیون ورتھ
جیل میں آیا تو اس نے جیل کے وارڈن سے کہا جو آدمی اسے پریشان کرے گا وہ اس کو
مار ڈالے گا۔ یہ آدمی جیل کا دھوبی رابرٹ ور کے تھا جو عام طور پر پینزریم کی غلطیوں کی
اطلاع حفاظتی دستے کو مہیا کرتا رہتا تھا۔ اس نے لوہے کے ڈنڈے سے دھوبی کے سر پر
گہرے زخم لگا کر اسے جان سے مار ڈالا۔ 25 سال کی جو قید پینزریم کاٹ رہا تھا اس
سمیت اس کو مزید سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

سزائے موت کی تنسیخ کے لیے جو سوسائٹی کام کر رہی تھی اس نے پینزریم کی سزائے
موت پر عملدرآمد نہ کرنے اور سزائے موت کو قید میں بدلنے کے لیے کوششیں شروع
کر دیں۔ پینزریم نے ان اراکین سوسائٹی کو لکھا ''میں تو تختہء دار پر لٹکنے کے وقت کا انتظار
شدت سے کر رہا ہوں۔ میں اپنے چہرے پر ایک مسکراہٹ سجائے ہوئے پھانسی کا پھندا
گلے میں ڈالنے کو بے تاب ہوں۔ وہ کیوں اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔۔۔؟''

اس نے سوسائٹی کے اراکین کو مزید لکھا: ”میری خواہش ہے کہ کاش تمام اراکین کی گردن ایک ہوتی اور میرے ہاتھ اس گردن پر ہوتے۔“

ولیم نے صدر ہوور کو بتاتے ہوئے لکھا: ”میں کسی قسم کی معافی [illegible] قبول کرنے سے قطعی انکار کرتا ہوں۔“ اسے شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس [illegible] کر رہا ہے۔ اسے 5 ستمبر 1930ء کو لیون ورتھ جیل ہی میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے آخری الفاظ سے بھی اپنے ارادوں کی پختگی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے پھانسی دینے والے جیل کے اہلکار سے کہا: ”حرامی ہوزیئر! جلدی کرو۔ جب سے تم میرے ساتھ لگے رہے ہو میں اس عرصے میں ایک درجن سے زائد افراد پھانسی پر لٹکا چکا ہوتا۔“

جلاد نے اس پر بڑا احسان کر دیا۔

☆

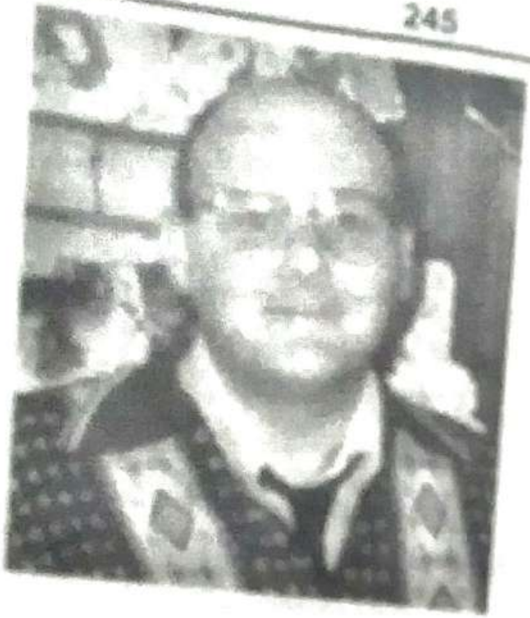

58

تھامس ہملٹن

(1952ء تا 1996ء)

میں سب لوگوں نے بہت دکھ پہنچائے ہیں۔ [illegible]
ہم ان بچوں کے بچپن سے کچھ بھی انکار کرتے ہے۔ [illegible]“
متعلقہ کے [illegible] پر دستخط“ کے عنوان کے
تحت [illegible] کی نظم۔ جسے تھامس
ہملٹن کے ہاتھوں قتل ہونے والے بچوں کو خراج
تحسین پیش کرنے کے لیے لکھا گیا تھا۔

تھامس ہملٹن کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے والا ڈاکٹر یہ جان کر سخت حیران ہوا کہ ہملٹن کی کچھ ہڈیاں غیر معمولی تھیں۔ یہ ایک حیران کن [illegible] تھی اور ڈاکٹر کے لیے

حیران کن صورت حال بھی کہ اتنی شکستہ پسلیوں والے ظالم تھامس نے موت کا اکھاڑہ کیسے جمایا؟ مزید تحقیق سے اسے پتہ چلا کہ قاتل کی ہڈیاں تھوڑی ہی دیر پہلے ٹوٹی ہیں۔ قاتل نے جو کچھ معصوم جانوں سے کیا تھا اس پر ایمبولینس کے ڈرائیور نے اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے قاتل کی لاش کو ایمبولینس میں رکھنے سے پہلے اپنے بوٹوں سے ٹھوکریں ماری تھیں جس کے نتیجے میں اس کی چند پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ ڈرائیور کو اس کی اس غلطی پر کوئی سرزنش نہیں کی گئی۔

13 مارچ 1996ء کو صبح کے تقریباً ساڑھے نو بجے تھے۔ مس ہملٹن نے اپنی کار کو ڈن بلین سکول کے سامنے پارکنگ والی جگہ پر کھڑا کیا۔ وہ کار سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں دو 9 ایم ایم براؤننگ پستول تھے۔ دو سمتھ اینڈ ویسن کے ریوالور تھے اور ان سے متعلقہ اسلحہ اور دیگر سامان تھا۔ اس نے تاروں کو کاٹنے والا کٹر استعمال کرتے ہوئے ٹیلی فون کی کچھ لائنیں کاٹیں جبکہ ان میں سے کوئی لائن بھی سکول کی نہ تھی۔ سب کی سب اردگرد کے مکانات کی تھیں۔ پھر وہ ایک بغلی دروازے سے سکول کے اندر داخل ہوا۔ اس نے دو گولیاں اسمبلی ہال کی اسٹیج پر داغیں اور دو لڑکیوں کے غسل خانوں پر۔۔۔ تین چار منٹ میں جو کہانی تخلیق ہوئی۔ اسے سکاٹ لینڈ کی سرکاری ”پبلک تحقیقات“ مورخہ 16 اکتوبر 1996ء میں یوں لکھا گیا ہے:

> پھر وہ جمنیزیم (ورزش گاہ) میں داخل ہوا۔ وہ ایک گہرے رنگ کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ پتلون سیاہ رنگ کے کارڈ رائے کی تھی جبکہ اس نے سر پر اونی ہیٹ پہن رکھا تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ وہ جمنیزیم میں چند قدم آگے بڑھا اور بغیر کسی کا نشانہ لیے اسنے دھڑا دھڑ گولیاں داغنا شروع کر دیں۔ مسز ہیرلڈ کو گولیاں دونوں بازوؤں، دائنے ہاتھ اور بائیں چھاتی پر لگیں۔ وہ لڑھک کر اسٹور کے جمنیزیم سے ملحقہ احاطے میں اوندھی گر گئی۔ اس کے بعد چند بچے بھی وہاں ہی گرے۔ مسز میئرز کو بھی کئی گولیاں لگیں اور وہ فوراً ہی انتقال کر گئیں۔ مسز بلیک کو بھی گولی لگی لیکن وہ چند بچوں کی آڑ میں ان کے پیچھے پیچھے اسٹور میں پہنچ گئی۔

جمنیزیم میں داخل ہونے والے دروازے کی آڑ لے کر ہملٹن نے پے در پے 29 گولیاں داغیں۔ اس آڑ سے اس نے ایک بچے کو جان سے مارا اور کئی بچوں کو زخمی کیا۔ اس گولیاں داغنے کے عرصے کے دوران چار زخمی بچے اسٹور تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اسٹور میں مسز بلیک اور مسز ہیرلڈ خوفزدہ پناہ لیے ہوئے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں۔ فرش پر خوف سے دبکے اور سہمے ہوئے بچے بے یارومددگار خون میں لیٹے ہوئے تھے اور اپنے ہم جماعتوں کی چیخیں اور کراہٹیں سنتے ہوئے کسی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔ تھامس ہملٹن جمنیزیم کی مشرق کی سمت بڑھا اور ادھر بڑھتے ہوئے اس نے چھ گولیاں مزید داغیں۔ آدھا فاصلہ طے کرنے کے بعد جمنیزیم کی مخالف سمت میں آٹھ فائر کیے۔ پھر اس نے جمنیزیم کے وسط میں پہنچ کر نصف دائرہ بناتے ہوئے ان بچوں پر 16 فائر کیے جو پہلی فائرنگ سے مفلوج ہو چکے تھے یا ویسے ہی جنہوں نے پناہ لینے کی خاطر خود کو فرش پر ڈال رکھا تھا۔ وہ ان کے قریب کھڑا ہو گیا اور نزدیک سے ان پر فائر کیے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد تھامس ہملٹن جمنیزیم کے جنوبی اختتام تک گیا اور وہاں سے اس نے مختلف سمتوں میں 24 گولیاں داغیں۔

وہاں سے پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور لائبریری کے سامان رکھنے والے کمرے پر چار فائر کیے۔ وہاں مسز گریس ٹویڈل عملے کی رکن کو پیشانی پر گولی سے زخم آیا۔ ایک اور معلمہ مسز کیتھرائن گولڈن اور اس کی کلاس نے گولیوں کی آواز سن کر اپنی جماعت کے بچوں کو حکم دیا کہ وہ فرش پر لیٹ جائیں۔ یہ بڑا بروقت اقدام تھا کہ اس کے ساتھ ہی اس کمرہ جماعت میں 9 گولیاں فائر کی گئیں۔“

اس وقت تک شاید ہملٹن فیصلہ کر چکا تھا کہ اس نے اپنا خونیں کام سرانجام

دے کر اپنا غصہ اتار لیا ہے اور اپنی دیرینہ سوچی سمجھی تباہی مچالی ہے۔ "پبلک تحقیقات" کی رپورٹ ان آخری لمحات کے بارے میں یوں لکھتی ہے:

"۔۔۔ تھامس ہملٹن تب دوبارہ جمنیزیم میں داخل ہوا جہاں اس نے پھر فائرنگ کی پھر اس نے پستول پھینک دیا اور ریوالور نکالا۔ اس نے پستول کی نالی اپنے منہ میں رکھی اور منہ کو اوپر کی سمت اٹھایا اور ریوالور کا گھوڑا دبا دیا۔ اسے جلد ہی موت نے آن لیا۔"

جمنیزیم میں ایک معلمہ اور پندرہ بچے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جبکہ داغی جانے والی گولیوں کی تعداد اٹھاون تھی۔ ایک بچہ جس کو گولی لگی تھی بعد میں ہسپتال میں چل بسا۔ سترہ دیگر بچوں کو بھی گولیاں لگی تھیں لیکن وہ بقید حیات رہے۔

تھامس ہملٹن اس خیال میں بڑا ہوا تھا کہ اس کے دادا، دادی ہی اس کے ماں باپ تھے اور اس کو جنم دینے والی ماں اس کی بہن تھی۔ وہ ایک غیر معمولی طالب علم تھا اور تنہا تنہا رہنے والا شمار کیا جاتا تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہوا توں توں وہ مالیخولیا کا مریض ہوتا چلا گیا۔ اس کے بعض جاننے والے کہتے ہیں کہ وہ احساس برتری اور ذاتی اہمیت کے احساس کا بھی شکار ہو چکا تھا۔

ہملٹن بیس سال کی عمر میں بوائے سکاؤٹس سے بھی وابستہ رہا لیکن اسے جلد ہی فارغ کر دیا گیا کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو غیر محفوظ طریقے سے نبھاتا تھا اور بوائے سکاؤٹس کے قواعد و ضوابط سے روگردانی کا عادی تھا۔ مثال کے طور پر وہ بوائے سکاؤٹس کو پتلے کپڑوں میں باہر سلاتا تھا۔ بوائے اسکاؤٹس سے اپنی معزولی کو نیم دلی سے قبول کرتے ہوئے اس نے ایک "بوائز کلب" کا اجراء کیا جس کے ممبران کی عمر سات سے گیارہ برس ہوتی۔ اس سے متعلق مشہور تھا کہ بالغ افراد میں بالخصوص عورتوں میں خود کو بے چین اور تکلیف میں محسوس کرتا تھا لہٰذا وہ زیادہ وقت اپنے کلب کے ممبران میں گزارتا۔

اپنی زندگی کے تیسویں سال میں اس نے گنوں اور اسلحوں کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ اسی بات کا ریکارڈ موجود ہے کہ اس نے آتشیں اسلحہ کا ایک لمبا سلسلہ قائم کیا، یہ ڈن بلین کے واقعے سے دو سال پہلے کی بات ہے جو دو پستول اس نے جمنیزیم میں استعمال کیے یہ اس کے جمع کردہ آتشیں ہتھیاروں میں سے تھے۔

ابھی تک اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہو سکی کہ تھامس ہملٹن نے کیوں ایک علمہ اور سولہ سالہ پانچ بچوں کا خون کیا اور پھر خود کو بھی بھیانک انداز میں اپنے آپ کو بھی گولی سے اڑا لیا۔

ہو سکتا ہے کچھ لوگ اسے ذہنی بیماری کا نام دیں یا معاشرے کے خلاف نفرت کا اظہار کہیں یا پھر یہ سب کچھ اس کی دوسروں سے اپنی بیگانگی کا بھونڈا اظہار ہو۔ تاہم ان وجوہات میں سے کوئی بھی وجہ مرنے والوں کے والدین کے دکھ میں کمی نہیں کر سکتی اور نہ ہی یہ وجوہات خوش قسمتی سے بچ جانے والے بچوں اور اساتذہ کے سوالات کا جواب دے سکتی ہیں۔

☆

59

جیفری ڈاہمر

"مل واکی کا آدم خور"

(1960ء تا 1994ء)

"میں دانتوں سے کاٹتا ہوں۔"

ڈاہمر مل واکی نے جیل کے محافظین کو بتایا۔

قاری پکار اٹھے گا کہ:
جیفری ڈاہمر کی کہانی میں بے حقیقیت اور من گھڑت عنصر پایا جاتا ہے کیونکہ اس سلسلہ وار قاتل کی کہانی ہے ہی بڑی ہیبت ناک اور ڈراؤنی۔ یہ انسان کی کہانی معلوم ہی نہیں ہوتی۔ ہم مجبوراً اپنے آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیفری ڈاہمر

ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ اس سے منسوب کیا جاتا ہے وہ کچھ واقع ہوا ہی نہیں کسی انسان کا بچہ وہ کچھ نہیں کر سکتا جو جیفری ڈاہمر نے کیا۔
ہم ثبوت موجود ہیں کہ بات حقیقی ہی ہے۔ جیفری ڈاہمر سے جو کچھ منسوب ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ بے شک اس نے وہ کچھ کیا جو ناقابل بیان ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں ایک بدترین شخص کے طور پر لیا جانے لگا جب ڈاہمر نے کے متعلق یہ بتایا کہ اس نے پہلے اپنی دادی کے گھر میں کیا کیا اور پھر 1990ء اس نے مل واکی وزکونسن کے ذیلی علاقے میں 25 شمالی سٹریٹ میں واقع اپنی کیا کیا؟ اپنی رہائش گاہ کو اس نے اپنی خباثت سے مردہ خانہ بنا دیا۔

ڈاہمر کی خباثتوں کا علم 22 جولائی 1991ء کو ہوا جب 32 سالہ ایک شخص ٹریسی نے پاگلوں کی طرح حرکتیں کرتے ہوئے اور ہتھکڑیاں پہنے ہوئے گشت پر نکلی ایک گاڑی کو روکا اور پولیس والوں کو بتایا کہ وہ ایک ایسے شخص کی رہائش گاہ پر تھا اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کو کاٹنے والا ہے اور کاٹنے کے بعد وہ اس کے دل کو گا۔ اس کی باتوں پر عمل کرتے ہوئے پولیس آکسفورڈ اپارٹمنٹس میں 213 نمبر پر پہنچی جہاں مجبوراً ڈاہمر نے ان کو لاتعلقی کے انداز میں خوش آمدید کہا۔

پولیس نے دیکھا کہ وہاں پولرائیڈ کیمرے سے کھینچی گئی لاتعداد تصاویر بکھری اور وہ اس قدر گھناؤنی ہیں کہ ان میں نظر آنے والے مردانہ اور زنانہ چہرے بھی قدر کریہہ ہیں جیسے ان کی تصاویر میں ان کے اعمال و حرکات تھیں۔ مگر اس گھناؤنے کے ساتھ پولیس نے جو کراہت وہاں کے ماحول میں محسوس کی وہ ایک ناگوار بو کی پولیس نے اس بو کو گلے سڑے گوشت اور تلی ہوئی چیزوں سے اٹھنے والی بو کا نظرانداز کر دیا۔ اگر پولیس کے سپاہیوں کا تعلق مردم کشی کے شعبے سے ہوتا یا انہوں نے کسی میں حصہ لیا ہوتا تو وہ فوراً شناخت کر لیتے کہ یہ وہ بو ہے جو انسانی لاشیں پھیلاتی ہے۔

ڈاہمر کے ماضی میں جھانکنے سے پولیس کو پتہ چلا کہ ڈاہمر ایک بارہ سالہ لڑکے جنسی حملے کے جرم میں گرفتار رہا تھا اور اب وہ آزمائشی عرصے کے لیے رہا تھا۔ اس نے پولیس سے تعاون کیا اور جو کچھ وہ پوچھتے رہے ان کا صحیح صحیح جواب دیتا رہا۔ اسی دوران

ایک دوسرے پولیس افسر نے ڈاہمر کے ریفریجریٹر کو کھولا تو اس نے وہاں ڈاہمر شکار کا کٹا ہوا سر پڑا دیکھا۔ یہ آلور لیسی کا سر تھا جو کھلی مردہ آنکھوں سے فرج کے خانے میں ایک کھلے ڈبے کے ساتھ پڑا پولیس افسر کو گھور رہا تھا۔ اس کے قر گوشت بھوننے میں استعمال ہونے والا سوڈا پڑا تھا۔ مزید تحقیقات کے دوران انتہا اور معدہ الٹ دینے والی دریافتیں ہوئیں۔ فرج کے فریزر میں تین پلاسٹک کے تھیلے ہوئے تھے جن میں انسانی جسم کے حصے یعنی دل' پھیپھڑے' انتڑیاں' گردے اور رکھے ہوئے تھے۔ ڈاہمر نے پولیس کو بتایا کہ اس نے یہ حصے اس لیے منجمد کر دیے تھے وہ ان کو بعد میں کھا سکے۔

ڈاہمر کی بدبودار رہائش گاہ سرکاری طور پر اب جرائم کا وہ منظر پیش کر رہی مل واکی کی تاریخ اور جدید نوعیت کے جرائم کے سلسلوں میں انوکھا اور بدترین تھا۔

ڈاہمر کی رہائش گاہ پر ایک بڑا سا فریزر بھی تھا۔ جب اسے کھولا گیا تو ا تین انسانی سر اور انسانی دھڑ کے بہت سے حصے موجود تھے۔ پولیس کو دو انسانی کھ فائلیں رکھنے والی دراز والی الماری سے بھی دستیاب ہوئیں اور ایک صندوق سے بھی کھوپڑیاں ملیں۔ کچھ کھوپڑیوں سے بال اور کھال کو صاف کیا گیا تھا اور ان پر سیاہ سفید روغن کیا گیا تھا۔ پولیس کو ایک 57 گیلن کا ڈرم بھی ملا جہاں بے سر کے تین اجسام پڑے تھے اور ایک سیاہی مائل سفید دیگچی (کیتلی) ڈاہمر کے اسٹوو پر ملی جس مردانہ اعضائے خاص اور دو گلے سڑے ہاتھ پڑے تھے۔

کئی گھنٹے' ڈاہمر کے ہمسائے' خواب کی سی حالت میں جرائم کے اس مرکز ہونے والی تحقیقات کو دیکھتے رہے۔ پولیس کے تفتیشی افسران سر سے پاؤں تک زرد کے بدبو سے محفوظ لباسوں میں تھے۔ انہوں نے ڈاہمر کی رہائش سے مایوسی اور پھیلانے والے تمام مواد کو باہر نکالا۔ فرج' فریزر اور پلاسٹک کے تھیلوں کو گاڑیوں پر جرائم کی تفتیشی لیبارٹری میں لے گئے۔ گواہاں کا کہنا ہے کہ ریفریجریٹر کی بو گلی بلاک تک پھیلی معلوم ہو رہی تھی۔

ڈاہمر پولیس سے تعاون کر رہا تھا اور اس نے اپنے سارے جرائم تسلیم کر تھے لیکن عدالت میں اس نے وکیل صفائی کے کہنے پر خود کو پاگل ظاہر کیا۔

آدم خور ڈاہمر کے جنسی جرائم جن کی پولورائیڈ تصاویر پولیس کے پاس تھیں اس مجسم شیطان ثابت کر رہے تھے جبکہ لاشوں کے بچے کھچے اجزا اس کی مردم کشی' بوچڑوں حرکات' انسانوں کے اغوا اور ان کے قتل کی شہادت دے رہے تھے۔ عدالت نے میں اسے سولہ جرائم کے تحت سولہ مرتبہ مسلسل عمر قید کی سزا دی۔ سزا سنانے کے ج لارنس گرام نے کہا: "سزا کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ وہ اب زندگی میں کبھی آزادی کا نہیں دیکھ سکے گا۔"

نومبر 1994ء میں اس کے ایک قیدی ساتھی نے باتھ روم کے اندر اس کو اس دیا کہ وہ مر ہی گیا۔

ڈاہمر نے ایک مرتبہ اپنے خوفناک کرتوتوں کے محرکات کے بارے میں کہا تھا:

> "میں انتہائی برا شخص ہوں یا پھر یہ کوئی ایک شیطانی اثر قسم کی چیز ہے؟ یہ بالکل میری سمجھ سے باہر ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں (بری) ارواح کی گرفت میں ہوں۔ کہا جا سکتا ہے کہ کیا میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا؟ لیکن وہ جو بائبل کہتی ہے کہ ایسی قوتیں موجود ہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ انسانی طرز عمل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بائبل ایسی قوتوں کو شیطان کہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب درست ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ ایسے تمام خیالات میرے اپنے نہ تھے' وہ میرے سر میں دندناتے ہوئے آتے تھے۔ یہ خیالات بڑے طاقتور اور تباہ کن تھے اور وہ آ کر جاتے بھی نہیں تھے۔ یہ خیالات ایسے نہ تھے جیسے آپ سر کو جھٹکا دیں اور ان سب کو نکال باہر پھینکیں۔ وہ جانے والے نہیں تھے۔"

اگر کوئی ایسا شخص ہے جو کسی خالص برائی کے جوہر کی شناخت رکھتا ہے تو وہ یہ ے گا کہ جیفری ڈاہمر ایک آسیب زدہ شخص تھا۔ ڈاہمر انانیت کا مارا ہر طرف سے جس خود ذات میں گھرا ہوا تھا وہ "تسکین ذات" تھا۔ وہ اپنی انسانی گوشت کی پاگل کر دینے طلب کی خاطر وہ سب کچھ کر گزرتا وہ جنسی نفسانی خواہشات کے مٹانے کے لیے کرتا ان دونوں خواہشوں کی تسکین کے لیے معصوم اور بے گناہ نوجوانوں کا اغوا' ان پر جنسی

نوعیت کے حملے ان کو ایذا رسانی ' ان کا قتل اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے کرنا ان کوئی بڑی اور کوئی بری بات نہ تھی۔ اس کے ذہن میں اپنے شکاروں کے انسان ان کے کنبوں کے وسائل خطرے میں پڑنے کے شعور کا گزر ہی ناممکن تھا۔ تسکین ذات کے لیے ایک شکار سے نمٹنے کے بعد دوسرا شکار تلاش کرتا۔ ابھی نہ اور کتنے نوجوانوں کو شکار کرتا کہ اسے جس طریقے سے روکا جا سکتا تھا وہ طریقہ لیے استعمال کیا گیا۔

پاگل یا نہیں —— برائی اسی طرح کرتی ہے جیسے برائی کو کرنا چاہیے۔ کے تمام افعال برائی کے سنگ میل تھے۔

ڈاہمر کو جیل میں خدا سے واقفیت ہوئی۔ وہاں اس نے اپنے اعمال پر محسوس کی۔ اسے یقین تھا کہ اس ندامت کی وجہ سے مسیح اس کو معاف کر دیں گے۔

========☆========

60

ڈینس نیلسن

(1945ء تا   )

"میں نے چاہا کہ میں رک جاؤں لیکن میں رک نہیں سکا۔ میرے لیے اور کوئی سنسنی خیز یا خوشی کی بات ہی نہ تھی۔"

ڈینس نیلسن

"میں نے ایک برتن میں سر رکھا۔ جلدی سے اوپر ڈھکنا رکھا اور اسٹوو کو آگ لگا دی۔ پھر میں کچھ موسیقی سنتا رہا اور اچھا مشروب لیا—— جب سر کو ابال آنے لگے تو میں نے ٹی۔ وی بھی دیکھا۔"

ڈینس نیلسن کی سزا سے پہلے کا ایک بیان

ڈینس نیلسن ایک مسلسل قتل کرنے والا برطانوی تھا۔ اس نے بہت سے ہم جنس

پرست مردوں کو نہ صرف جان سے مارا بلکہ ان کے اعضائے مخصوصہ بھی قطع کیے۔ کچھ اس نے 1970ء اور 1980ء کے عشروں کے آخری اور ابتدائی حصوں میں کیا نے اپنے تمام جرائم کا اقبال کیا اور مردوں کے کٹے ہوئے اعضا کی کافی تعداد اس کے کی زیر زمین گندے پانی کی نالی سے برآمد ہوئی۔ آج کل وہ برطانیہ میں عمر قید کی کاٹ رہا ہے۔

سب سے پہلے ڈینس نیلسن نے ایک نوجوان کو قتل کیا جسے وہ ایک شراب سے ساتھ لایا تھا۔ اس کا گلا اس نے اس کی ٹائی ہی سے گھونٹا۔ پھر اس نے کافی ایک سگریٹ نوش کیا۔ پھر اس نے تازہ لاش کو غسل دیا۔ لاش کو غسل دینے کے بعد بستر پر رکھا اور باہر چلا گیا۔ وہاں سے وہ ایک بجلی کا چاقو اور ایک بڑی سی کیتلی لایا۔ اس نے نوجوان کی لاش کو دوبارہ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ لاش بڑی خوبصورت ہے اور اس کی برید کرنا اس کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اس نے لاش کو ایک نیا انڈرویئر پہنایا۔ غسل کیا اور پھر لاش کی بے حرمتی کرنے کا سوچا لیکن وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوا۔ اس نے لاش کو فرش پر رکھا اور خود تھوڑی دیر کے لیے بستر پر سو گیا۔ پھر اس ٹی۔وی دیکھا اور لاش کو دفن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے کوشش کی کہ وہ لاش کو اپنے کے لکڑی کے فرش کے تختوں کے نیچے دفن کر دے لیکن اس وقت تک لاش کافی اکڑ چکی لہٰذا اس نے اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور خود سو گیا۔

اگلی صبح اس نے لاش کو مالش کی اور نرم ہونے پر بہت سے اعضا کو موڑ توڑ اس طرح سمیٹا کہ وہ فرش کے نیچے موجود جگہ میں ٹھونسی جا سکے۔ اس کی یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ وہاں لاش پورا ایک ہفتہ پڑی رہی۔ پھر ایک روز اس نے لاش کو نکالا اسے پھر نہلایا اور پھر سے اسے وہاں ہی سمیٹ دیا جہاں سے اسے نکالا تھا۔ ساڑھے سات ماہ بعد اس نے آگ کے ایک الاؤ میں گل سڑ جانے والی لاش کو جلا ڈالا۔

اس نے 1978ء میں کرسمس کے فوراً بعد قتل کا سلسلہ شروع کیا اور 1981ء تک وہ بارہ افراد ہلاک کر چکا تھا۔ یہ سب افراد یا تو ہم جنس پرست تھے یا پھر مرد طوائف تھے۔ نیلسن خود اس قدر غلیظ اور بدکردار تھا کہ مردانہ لاشوں سے ہی اپنے جنسی جذبات کی تسکین کرتا تھا۔ اس نے اپنے کچھ مقتولوں کے سر ابال کر پکائے لیکن اس نے ان کو کھایا نہیں۔

ان کو بھی اس لیے کھولتے پانی میں ابالتا تھا کہ وہ ان کی کھال اور گوشت آسانی سے سکے۔

وہ لاشوں کو نہلاتا پھر ان کو صوفوں پر اس طرح اپنے ساتھ بٹھاتا جیسے وہ لاشیں اس کے ساتھ ٹی۔ وی دیکھ رہی ہوں۔ اس طرح اپنی تسکین حاصل کر لینے کے بعد لاش کو فرش کے تختوں کے نیچے چھپا دیتا۔ بعض لاشوں کو وہ ہفتوں الماری میں رکھتا اور پھر تختوں کے نیچے چھپاتا۔ وہ بعض لاشوں کے ساتھ بھی سوتا لیکن اس سے قبل وہ ان کو تازہ پاجامہ پہنا لیتا۔ بعض اوقات وہ ان لاشوں سے گفتگو بھی کرتا جیسے وہ زندہ ہوں۔ وہ اپنے بستر کے گرداگرد آئینے بھی رکھتا تھا کہ وہ خود کو اور لاش کو ساتھ سوتے ہوئے دیکھ سکے۔ جب اس کا دل کسی لاش سے بھر جاتا تو پھر وہ اپنے باغ میں الاؤ جلا کر اس میں لاش کو بھی جلا ڈالتا۔ الاؤ جلتا دیکھ کر بہت سے محلے کے بچے وہاں جمع ہو جاتے اور خوش ہوتے۔ کوئی بھی اس سے یہ نہ پوچھتا کہ آخر وہ اتنا بڑا الاؤ کیوں جلا رہا ہے؟ اکثر اوقات اسے گلنے سڑنے والی لاشوں کو سوٹ کیسوں، دیواروں میں بنی چھوٹی الماریوں اور فرش کے تختوں کے نیچے رکھنی پڑتیں۔ ان کو کیڑوں سے بچانے کے لیے ان پر ادویات کا مسلسل چھڑکاؤ بھی کرنا پڑتا۔

جب اسے بعض لاشوں کو کاٹنا ہوتا تو وہ صرف نیکر پہنتا اور یہ کام اپنے باورچی خانے میں کرتا۔ وہاں ہی وہ سروں کو صاف کرنے کے لیے ابالتا اور اندرونی اعضائے رئیسہ کو پلیٹوں اور پلاسٹک کے تھیلوں میں رکھتا۔ ان کو باڑوں کے پیچھے چھپاتا اور باغ میں دبا دیتا۔ اس نے کچھ اور جگہیں بھی انتخاب کر رکھی تھیں جہاں وہ غلیظ ہو جانے والے انسانی ٹکڑوں کو چھپا کر ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ جب اس کی گرفتاری ہوئی تو پولیس نے اس کے باغ سے ہزاروں انسانی ہڈیاں اور دوسرے ٹکڑے کھوج نکالے۔

نیلسن کی گرفتاری اس طرح عمل میں آئی کہ اس نے اپنے ایک شکار کے کٹے ہوئے اعضا اپنے ٹائیلٹ کے ذریعے باہر بہا دیے۔ اس ٹائیلٹ کا تعلق ایک دوسرے کرائے دار کے ٹائیلٹ سے بھی تھا۔ جب ہمسائے کے ٹائیلٹ کا سارا پانی رک گیا تو اس نے ٹائیلٹ کی صفائی کرانا چاہی۔ پلمبر نے گوشت کے ٹکڑے اور انسانی سر کے بال کھال سمیت نکالے تو وہ حیران رہ گیا۔ یہ اشیاء ڈینس نیلسن کی طرف سے آئی ثابت ہو گئیں۔

پولیس کو اطلاع دی گئی تو ان کو نیلسن کے ہاں سے اور بھی بہت کچھ دستیاب ہوا۔

نیلسن 1945ء میں فریزر برگ، سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنی انتقالی
کے کچھ واقعات کو الزام دیتا ہے کہ انہوں نے اسے انسان سے عفریت بنا
عفریت جس کا نام ڈینس نیلسن تھا، جس نے چار برس تک انگلستان کو دہشت اور خوف
مبتلا رکھا۔ اسے اپنے دادا کی زخموں سے چور چور لاش یاد تھی۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ
ایک بڑے لڑکے نے ڈبونے کے لیے پانی میں دھکیلا تھا اور پھر کسی دوسرے لڑکے
اسے ڈبونے سے تو بچایا لیکن اس نے اسے اپنے جنسی تلذذ کے لیے غلاظت میں
کچھ لوگ یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ایسی کہانیاں اس نے خود گھڑی ہیں تا
اپنی حیوانیت اور درندگی کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرا سکے۔

اس کو یہ بھی یاد ہے کہ اس نے بطور سپاہی کی ملازمت کی جس کے دوران
کو مردہ خانے پر تعینات کیا گیا اور وہاں وہ لاشوں کا پوسٹمارٹم ہوتے دیکھتا رہا۔ انسانی
کی قطع برید اس نے وہاں ہی سے سیکھی۔

اس نے اپنے خلاف الزامات کی فرد سن کر گنہگار ہونے سے انکار کیا تاہم
نے خود کچھ ایسے روزنامچے لکھے جس پر اس نے اپنے جرائم پر تاسف کا اظہار کیا۔ عدالت
نے اسے دماغی طور پر درست اور مجرم قرار دیا، 1983ء میں اسے عمر قید کی سزا ملی۔
2008ء میں پیرول پر رہائی حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ تاہم ابھی وہ جیل میں ہے۔
”برطانوی جیفری ڈاہمر“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

☆

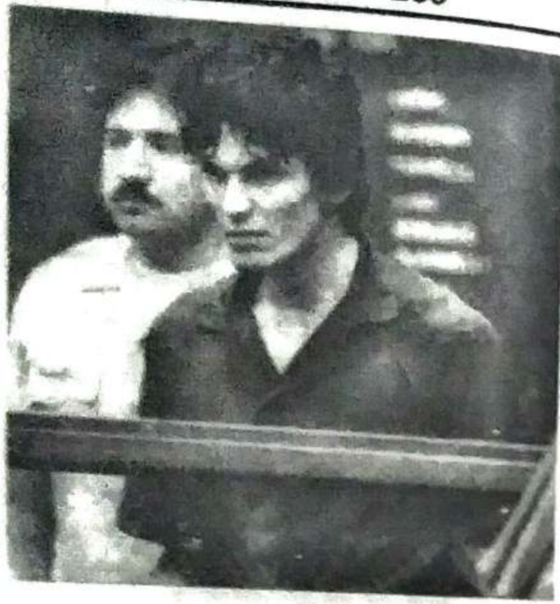

61

رچرڈ رامیرز

”راتوں کو گھات لگانے والا“

(1960ء تا   )

”اب تم حیران نہیں ہو گے جب تمہیں معلوم ہوگا کہ میں راتوں کو گھات لگا کر شکار کرنے والا ہوں۔“

رچرڈ رامیرز نے اپنی مالکہ مکان سے
گرفتاری سے پہلے کہا۔

”تم کیڑے مکوڑے مجھے بیمار کر دیتے ہو۔ میرا انتقام لیا جائے گا۔ شیطان ہم سب کے اندر موجود ہے ___ برائی ___ برائی ___ برائی ___ موت بھی علاقائی ہوتی ہے ___ ڈزنی لینڈ میں تم سے نمٹوں گا۔“

عدالت سے سزا پانے پر رامیرز نے کہا

رچرڈ رامیرز نے اپنے مقدمے کے دوران خود اعتراف کیا کہ وہ شیطان سے اور اس نے بار بار "برائی" سے دوسروں کو مسحور کیا ہے۔ اس نے مزید یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نے لوگوں کو اس لیے قتل کیا کیونکہ اسے دوسروں کو جان سے مارنے میں خوشی محسوس ہو تھی۔

رامیرز کے خلاف ایک گواہ نے کہا کہ وہ اپنی کرتوتوں کی طرح خود بھی سیاہ عام طور پر اس سے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کے دانت گلے سڑے تھے۔ چہرہ بدنما اور اس کی. مانس سے بدبو آتی تھی۔ اس کے جسم سے بھی منحوس سی بو آتی تھی۔

رامیرز کو 19 مرتبہ سزائے موت سنائی گئی۔ آج کل وہ کیلیفورنیا میں موت کی سز پانے والوں کی قطار میں کھڑا موت کی سزا کا منتظر ہے کہ اسے 19 مرتبہ کی بجائے صر ایک مرتبہ ہی سزائے موت دی جا سکے گی۔

رامیرز کا پہلا شکار ایک 29 سالہ عورت تھی۔ پہلے اس نے اسے چھرا گھونپا اور پھر اس کا گلا کاٹا' یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ پھر اس نے 1985ء کے موسم گرما میں لوگوں کو دہلا کر رکھ دینے والے قتلوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

- ⊙ اس نے ایک 25 سالہ عورت کو اس کے گھر میں اس کے گلے کو تیز دھار آ سے کٹ لگا کر جان سے مارا۔
- ⊙ اس نے ایک 75 سالہ عورت کو پہلے تو مار مار کر نیم مردہ کیا اور پھر اس کا گلا کاٹ دیا۔
- ⊙ اس نے ایک سولہ سالہ لڑکی کو اس کے گھر میں ٹائر کھولنے والی آہنی سلاخ مار مار کر ادھ موا کر دیا' اتفاق سے وہ ہلاک نہ ہوئی۔
- ⊙ اس نے ایک 61 سالہ عورت کو اس کے گھر میں مار مار کر جان ہی سے مار دیا اور پھر اس کی لاش کی شکل وصورت بگاڑ دی۔
- ⊙ اس نے زبردستی 33 سالہ عورت سے جنسی زیادتی اور جنسی تشدد کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے جان سے مارتا اسے موقع سے فرار ہونا پڑا۔
- ⊙ اس نے ایک 65 سالہ جوڑے کو ان کے بستر میں گولیاں ماریں اور پھر مرد کا گلا کاٹا یہاں تک کہ اس کا سر تقریباً جسم سے جدا ہی ہوگیا۔

- ⊙ اس نے سن ویلی میں ایک گھر میں نقب لگائی اور 32 سالہ شوہر کو جان سے مار دیا۔ شوہر کی لاش کی موجودگی میں اس نے عورت سے زیادتی کی۔ اس نے عورت کے آٹھ سالہ بچے کو رونے پر پیٹا جس سے وہ خوفزدہ ہوگیا۔
- ⊙ وہ نارتھ رج کے ایک گھر میں چوری سے داخل ہوا۔ شوہر اور بیوی دونوں کو ان کے بستر میں گولیاں مار دیں' مرد کو سر میں اور عورت کو چہرے پر —— تاہم یہ اتفاق کی بات تھی کہ وہ دونوں زندگی نہ ہارے۔
- ⊙ سن ویلی میں اپنے مخصوص انداز میں وہ ایک ایشیائی جوڑے کے گھر میں جا گھسا۔ شوہر کو تو سر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا جبکہ عورت کو پیٹا اور اس کی عزت بھی لوٹی۔ پھر اس نے عورت کو مجبور کیا کہ وہ جنسی عمل میں مرد کا کردار ادا کرے۔ عورت نے اپنی جان بچانے کی خاطر جو رامیرز نے کہا کیا۔
- ⊙ ایک اور گھر میں بھی رامیرز نقب لگا کر داخل ہوا۔ گھر کے مالک جوڑے کو قتل کیا مرد کو گولی سے اور عورت کو ذبح کرنے سے۔ پھر اس نے عورت کی شکل و صورت بگاڑنے کے لیے اس کی آنکھیں نکال لیں اور پیٹ پر جابجا چاقو سے زخم لگائے۔

ان عمداً قتلوں کے جرائم کے بعد رامیرز نے اعلان کیا کہ وہ شیطان کا چیلہ ہے اور اس نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ "سیاہ آقا" کی خدمت میں دل کی گہرائیوں سے قربانی کے طور پر نذر کیا ہے۔ اب جہاں وہ حملہ کرتا وہاں وہ اپنا نشان پانچ کونے کے تارے کی شکل میں چھوڑنے لگا۔ اس نے تارے کا یہ نشان ایک بوڑھی عورت کی لاش کی ران پر بھی بنایا۔ اس عورت کو بھی اسی نے قتل کیا تھا۔ ایک نشان اس نے بوڑھی عورت کے گھر کی دیوار پر بھی بنایا۔ وہ اس نشان میں تارے کے ایک کونے کو لمبا رکھتا اور اس کا رخ ہمیشہ نیچے کی طرف ہوتا۔ سراغ رسانوں کا کہنا تھا یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شیطان کا پرستار ہے۔

رامیرز کے جرائم ایک ظالمانہ بے راہ روی تھی۔ وہ اپنے شکاروں کی تلاش میں کوئی خصوصی تمیز روا نہ رکھتا تھا۔ اس نے جوان لوگوں کو' بوڑھے شہریوں کو —— مردوں کو —— عورتوں کو اور بچوں کو بلا کسی تخصیص کے قتل کیا۔ اس نے ایشین اور کاکیشین کی بھی کوئی تمیز

روا نہیں رکھی۔ جو اس کے سامنے آ گیا اس نے اسے لوسی فر (شیطان) کی نذر کر دیا۔ بعض مقتولوں کی آنکھیں نکال کر وہ اپنے ساتھ لے گیا۔

لاس اینجلز پولیس کا ایک سراغ رساں جو اپنے فن کا ماہر اور تجربہ کار تھا۔ رامیرز کے تمام جرائم کو بے سروپا وحشت قرار دیتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسے ایسے جرائم سے کم ہی سابقہ پڑا ہے جیسے بلا مقصد جرائم رامبرز نے کیے۔

مزید برآں رامیرز ایک ظالم تھا۔ وہ ظلم برائے ظلم کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک بہت ہی نوجوان لڑکے کو اغوا کیا۔ اس کے باپ کو تو اس نے جان سے مار دیا تھا جبکہ اس کی ماں کے ساتھ اس نے صرف زیادتی کی تھی۔ وہ لڑکے کو شہر سے دور ایک ویران جگہ لے گیا اور وہاں جا کر اسے تنہا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

رامیرز کو منشیات کی نقل و حمل میں گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ سراغ رسانی کی ٹاسک فورس جس میں دو سو افراد تھے' ان میں سے ایک فرینک کوسٹلو تھا۔ اس نے ماضی میں موقع واردات پر کینتھ بیانشی اور انجلو بونو کی مدد کی تھی۔ ان کو غلط اور فضول دلائل پیش کرنے کی ترغیب دی تھی جن سے مجرموں کی مکاری ظاہر ہو گئی تھی۔ اب بھی اس کی ترغیب اور ترکیب کے تحت رامیرز نے جج کو دھمکی دی کہ استغاثہ کے وکیل کو انگلی دکھائی اور اپنی ہتھیلی پر بنا ہوا پانچ کونے والا تارا دکھایا۔ قانونی تکراروں کے باعث رامیرز کا مقدمہ سالوں لٹکا رہا لیکن بالآخر اسے مجرم قرار دیا گیا اور سزائی سنائی گئی۔

☆

62

چارلس وہٹ مین

(1941ء تا 1966ء)

"میرا خیال ہے کہ بہت سے افراد ایسے حالات میں گھر جاتے ہیں کہ انہیں اپنے دفاع کے لیے تشدد کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ ہم ابھی زمانہ قدیم کے جانور ہیں اور ہمارا رجحان حقیقی طور پر تشدد کی طرف ہوتا ہے۔۔۔ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں۔۔۔ ہاں ہم میں سے بہت سے' بہت سے ہوائی جہازوں کی طرح ہیں۔۔۔

ٹی۔ ڈبلیو۔ اے کی پرواز نمبر 80 کو یاد کیجئے جو لانگ آئی لینڈ پر دھماکے سے پھٹ گئی۔ اس میں بجلی کا مسئلہ تھا۔ یا یوں کہیے کہ وہ اسے بجلی کا مسئلہ بتاتے ہیں جس کے نتیجے میں جہاز کو آگ لگ گئی۔۔۔ اور جب آپ کسی کو مضحکہ خیز لباس پہنے ہوئے دیکھتے ہیں اور جو اچانک آپ کو کاٹ کھاتا ہے

تو یہ مضحکہ خیز لباس پہننے والا اپنی خواہش نمو کا شکار ہوتا۔۔۔ چارلس وہٹ مین کی طرح۔۔۔ جو ٹیکساس ٹاور پر چڑھ جاتا ہے اور تمام موجود لوگوں پر گولیاں برسا دیتا ہے۔۔۔ تو وہ ایک مضحکہ خیز لباس پہننے والا بنیادی طور پر ایسا ہوتا ہے جیسے اس کی تاروں کو آگ لگ گئی ہو۔۔۔

1998ء میں "سالون" میگزین سے انٹرویو کے
دوران سٹیفن کنگ نے کہا

میں نہیں جانتا کہ مجھے کونسی شے مجبور کر رہی ہے کہ میں یہ حوالہ لکھوں۔ شاید یہ اس۔ لیے ہے کہ میں کچھ مبہم وجوہات اپنے کرتوتوں کے حوالے سے چھوڑ جاؤں۔۔۔ مجھے انتہائی شدید سر درد تھا۔ (وہٹ مین کی اپنی درخواست پر اور قانونی تقاضوں کے پیش نظر اس کی ایک پوسٹ مارٹم رپورٹ تیار کی گئی جس میں یہ درج تھا کہ اس کے دماغ میں ایک رسولی تھی۔ بعض اس رسولی کو اس کی گولیاں برسانے کی وجہ قرار دیتے ہیں لیکن مزید تحقیقات سے پتہ چلا کہ رسولی دماغ کے اس حصے میں نہ تھی جس کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے)۔۔۔ کافی غور خوض کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنی بیوی کیتھی کو ہلاک کر دوں۔۔۔ میں اس سے شدید محبت کرتا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے کرتوتوں کا سن کر وہ پریشان ہو۔۔۔ میں اسے کسی قسم کے درد کے بغیر مارنا چاہتا تھا۔۔۔ اسی قسم کی وجوہات نے مجھے اپنی ماں کی جان لینے کے لیے بھی انگیخت کیا۔

ٹیکساس ٹاور پر چڑھ کر گولیاں برسانے سے پہلے
چارلس وہٹ مین کا لکھا ہوا خط۔۔۔

ٹیکساس ٹاور یونیورسٹی ان دنوں آنے جانے والوں کے لیے کھلی ہے۔ بہت سے لوگ آئے ہیں اور ہر سال بہت سے لوگ ٹاور پر بذات خود یہ دیکھنے کے لیے چڑھتے ہیں کہ ناقابل یقین اردگرد کا خوبصورت دور تک پھیلا ہوا منظر کیسا ہے؟ ان سیر و سیاحت کے شوقین لوگوں میں زیادہ طبقہ نوجوانوں کا ہے جو شاید 1966ء میں جب چارلس وہٹ

یہ موت کا خوفناک خواب اچانک یونیورسٹی کے طلباء اور دیگر بدقسمت بے گناہ روحوں جو اتفاق سے غلط وقت پر غلط جگہ آ گئے تھے' مسلط کیا تھا۔ ٹیکساس ٹاور میں روزانہ بہت ...ادونے شاید چارلس وہٹ مین کا نام بھی نہ سنا ہو لیکن وہ ٹاور پر چڑھنے سے پہلے کی کرتوت سے پیدا ہونے والے تحفظات سے بہرہ مند ضرور ہوتے ہیں۔ اب ان کو ...یوں پر پاؤں رکھنے سے پہلے اس دھاتی دروازے میں سے گزرنا پڑتا ہے جو کسی کی ...میں پڑے ہوئے ناخن تراش کی بھی نشاندہی کر دیتا ہے۔

ٹیکساس ٹاور کا نظارہ امریکن تہذیب کا ایک نمونہ ہے۔ نوجوان طلبہ ہاتھوں میں ...کتابیں اٹھائے ایک دوسری کو کاٹتی راہوں پر چلتے نظر آتے ہیں۔ کالج کیمپس احتیاط اور ...سے آراستہ کی گئی لانوں اور پروقار عمارات سے بھرا ہوا ہے۔ یونیورسٹی کی کئی سابقہ ...شخصیتوں کے مجسمے اور یادگاریں یہاں وہاں کثرت سے ہمارا استقبال کرتی نظر آتی ...ہم نے اس منظر کو لاتعداد مرتبہ فلموں اور ٹی۔ وی شوز میں دیکھا ہے۔ ہم میں سے کئی ...ہیں جو بذات خود اپنی زندگی میں اس عمارت کو دیکھنے گئے ہیں اور اس کی لانوں اور ...پر گھومے ہیں۔ پڑھے لکھے عام لوگوں کے علاوہ کیمیا میں فائنل امتحان پاس کرنے ...تو یہاں ضرور ہی آتے ہیں۔

عوام کی اس ایک مشترکہ جگہ پر پھیلی بھینی بھینی خوشبو اور مانوس احساس کی لہروں ...خفقانی پہرے' جو کالج کی پوری فضا پر محیط ہیں' اس بات کی چغلی کھاتے ہیں کہ وارس ...ٹ مین نے کالج کے کیمپس کو خصوصی طور پر ڈراؤنا اور ناگوار بنا دیا ہے۔

چارلس وہٹ مین جو ایک سابقہ رضاکار اور اسکاؤٹ لڑکا تھا۔۔۔ قتل عام کے ...کمین گاہ سے گولیاں داغنے والا بن گیا۔ یکم اگست 1966ء کو اس نے اپنے 16 طلبہ کو ...کیا۔ جبکہ اس جرم سے پہلے کی رات کو وہ اپنی ماں اور بیوی کو بھی ٹھکانے لگا چکا تھا۔ ...نے 19 منٹ کے اندر اندر اس قتال کے علاوہ یونیورسٹی آف ٹیکساس ٹاور کے تیس ...کو زخمی بھی کیا۔ اس کی اس وحشت کو امریکہ کی پہلی "سکول شوٹنگ" قرار دیا گیا۔

31 جولائی 1966ء کو وہ اپنی ماں سے اس کے گھر کی لابی میں ملا۔ وہ ماں بیٹا ...سے اوپر اکٹھے گئے جب اس کی ماں گھر میں اپنے علیحدہ مخصوص حصے میں پہنچی تو اس ...اپنے بازو کے گرد چھپائی ہوئی پلاسٹک کی پانی کی سیاہ نالی کو اچانک ماں کے گلے میں

ڈالا اور اس زور سے اس کو مروڑ دیئے کہ ماں کچھ بول ہی نہ سکی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس نے اپنا خصوصی شکاری چاقو نکالا اور بے ہوش ماں کی چھاتی پر کئی گہرے زخم لگائے۔

مذکورہ کارروائی کے بعد وہٹ مین اپنے گھر آیا اور سیدھا اپنے بیڈروم میں جہاں اس کی بیوی سو رہی تھی۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنی سنگین بیوی کی چھاتی میں اتار دی کہ وہ پھر کبھی بیدار نہ ہو سکی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے مردہ بیوی کے جسم چادر ڈال دی۔ وہٹ مین پھر اپنی ماں کے گھر کے مخصوص حصے میں آیا کہ وہ وہاں سے فینیا مائن (پھیپھڑوں کی دوا) کی بوتل حاصل کر سکے جو وہ غلطی سے وہاں چھوڑ گیا تھا۔ بو حاصل کرنے کے بعد وہ واپس اپنے گھر آیا اور اگلے دن کے کام کی تیاری کرنے لگا۔

وہٹ مین نے رسی سے باندھ کر ٹیکساس ٹاور پر ہتھیار چڑھائے۔ اس نے دستی گنیں خریدی تھیں ایک تو 25 ایم ایم گلیسی' بریشیا پستول' ایک 9 ایم ایم لگر پستول ایک سمتھ اینڈ ویسن 357 میگنم ریوالور' چار رائفلیں' ایک ریمنگٹن 35- ایم ایم پمپ ایکشن رائفل' ایک ریمنگٹن 6 ایم ایم بولٹ ایکشن ہرن کا شکار کرنے کی رائفل جس کے اوپر دوربین بھی لگی ہوئی تھی اور ایک 30 کیلی بر ایم I' کاربائن اور ایک 12 بور کی بندوق۔ وہ ایک شکاری چاقو بھی چمڑے کے تھیلے میں اوپر لے گیا۔ وہٹ مین نے لوگوں کو سیڑھیوں کے گول سے بنے ہوئے کنوئیں ہی میں قتل کیا اور پھر وہ مشاہدہ کرنے والی جگہ پر بیٹھ کر لوگوں کو نشانہ بنانے لگا۔

وہٹ مین کا پہلا نشانہ ایک پیدا نہ ہونے والا بچہ تھا۔

صبح کے گیارہ بج کر اڑتالیس منٹ پر وہٹ مین نے اپنی ہرن کا شکار کرنے والی بندوق پر لگی نشانہ باندھنے والی نالی میں سے کلیری ولسن آٹھ ماہ کی حاملہ اٹھارہ سالہ لڑکی کو دیکھا۔ جب شست نالی کا کراس لڑکی کے سر کے بالوں پر آیا تو اس نے فائر کر دیا۔ گولی لڑکی کے پیٹ پر لگی اور ماں کے سر کی بجائے بچے کے سر کو توڑتی ہوئی نکل گئی اور بچہ اپنی پیدائش سے ایک ماہ قبل ہی مر گیا لیکن خدا کی رضا سے کلیری ولسن زخمی ہونے کے باوجود زندہ رہی۔

اس نے لوگوں کو اپنی کمین گاہ پر مختلف مقامات پر کھڑے ہو کر گولیاں مارنا جاری رکھیں یہاں تک کہ دو پولیس کے افسر چھپتے چھپاتے اس تک جا پہنچے۔ انہوں نے

لیاں وہٹ مین کے سر میں مار کر اس کو ٹاور کے فرش پر گرا دیا اور پھر گرے ہوئے کو چھ گولیاں مار کر ختم کیا۔ وہٹ میں ایک بج کر چوبیس منٹ پر اپنا پہلا نشانہ لگانے کے ڈیڑھ گھنٹے بعد مارا گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ چارلس وہٹ مین یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر ہیٹلی کو ملا تھا اور اسے بتاتا رہا کہ اسے یقین ہے کہ اس کے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ قتل کی اس ات کے بعد ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں ڈاکٹر ہیٹلی نے وہٹ مین سے متعلق ل کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ یہ تحریر اب ٹیکساس ٹاور پر ایک تختی پر کندہ ہے:

> "مریض نے یہ بتایا کہ غصے کے دوران وہ معمولی سی بات سے برانگیختہ ہو جاتا ہے۔ بار بار کی پوچھ گچھ سے اس کے تجربات کو تحلیلی انداز میں کامیابی سے سمجھنے میں میں ناکام رہا ہے لیکن اس نے اپنی جو ایک متحرک خیالی تصویر بنائی وہ یہ تھی کہ وہ سوچتا رہتا ہے کہ وہ ہرن کا شکار کرنے والی رائفل لے کر ٹاور پر چڑھ جائے اور لوگوں کو گولیاں مارنا شروع کر دے۔"

ڈاکٹر ہیٹلی نے حکام کو مل کر اس بارے میں مطلع نہیں کیا کہ چارلس وہٹ مین ستقبل میں معاشرے کے لیے ایک زبردست خطرہ ہو سکتا ہے۔

========☆========

63

مائیکل ریان

"ریمبو ریان"

"سودائی ہمسایہ"

(1960ء تا 1987ء)

"تم میرے سب سے بڑے ارضی کاہن رہے ہو لہٰذا اس لیے تم اس قوت کے اہل ہو جو میں پیش کر رہا ہوں لیکن فوڈی اس۔۔۔ ابھی تم نے ایک آخری آزمائش کو اور پورا کرنا ہے۔۔۔ کیا تم اپنے ساتھی کاہنوں کو جان سے مار سکتے ہو؟ میں تمہیں آخری بار للکار رہا ہوں۔ کیا تم میری دعوت مبارزت کو قبول کرو گے فوڈی اس! اور تم واپس زمین پر جاؤ گے اور ان کو قتل کرو گے اور لافانی خدا کی رضا کے مطابق ان کی روحوں کو نگل جاؤ گے۔۔۔ جب

تم جاؤ گے تو تم ایک جنگل میں کھڑے ہو گے۔ وہاں تمہارے سر میں ایک ہلچل برپا ہوگی۔۔۔ ایک پاگل پن ہوگا جو دراصل ناگ دیوتا کی طرف سے احساس مسرت ہوگا' تم جانتے ہو کہ تم نے کیا کرنا ہے؟ جانو' کہ تم نے کیا قوت اس سب کچھ سے حاصل کرنا ہے۔"

ایک پیغام جو مائیکل ریان کو تصورات پیدا کرنے کا کھیل
کھیلتے ہوئے ملا۔۔۔۔ بحوالہ "تصورات میں پیش قدمی۔"

مائیکل ریان کی عمر جب دس سال ہوئی تو اسے اس کی سالگرہ پر اس کی ماں نے
ئل کا تحفہ دیا۔ (ممتا کی ماری کو کیا خبر تھی کہ) سترہ سال بعد مائیکل ریان نے اپنی
تل کرنے کے لیے 19 ایم۔ ایم کا بریٹا پستول استعمال کیا۔ اس نے پہلے ماں کی
یں گولی ماری اور پھر اس کے پیٹ کو نشانہ بنایا۔ جب ماں اس سے اپنی زندگی کی
گتے ہوئے اسے مزید گولی نہ چلانے کی التجا کر رہی تھی تو وہ چلتا ہوا اس جگہ تک
جہاں وہ پڑی ہوئی کراہ رہی تھی۔ اس نے دو اور گولیاں اس کی پشت پر اس قدر
ب سے ماریں کہ اس کے پستول کی نالی ماں کے بلاؤز کی گرہ کو چھو رہی تھی۔ پھر
نے اپنے کتے کو بھی گولی سے مارا اور گھر کو آگ لگا دی جو دیکھتے ہی دیکھتے زمین
و گلے آن ملا۔

ہنگر فورڈ ایک اس قسم کا دیہاتی علاقہ ہے جو انگلستان میں لنڈن کے مغرب میں
ائل کے فاصلے پر ہے ہو سکتا ہے آپ کو اس کا نام انگلستان کے کسی نقشے میں نہ
وہاں آپ کو گنوار ترین لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھ کر حیرانی ہو سکتی ہے۔ ہر سمت ہی
ت ہیں۔ خاموش پارک' گلیاں گذریوں سے بھری ہوئی اور قدیم جنگلات وغیرہ بکھر
ہیں۔ اس بستی یا آبادی کو نقشوں پر لانے کا "سہرا" مائیکل ریان کے سر ہے۔
ں نے اپنے جنم کے دیہات کی گلیوں میں چلتے چلتے لوگوں کو جان سے مارنا شروع
ر جان سے مارنے کا سلسلہ اتنا دراز کیا کہ 16 افراد زندگی کی حدود پھلانگ گئے

جبکہ پندرہ شدید زخمی ہوئے۔

ماہ اگست کے انیسویں دن اس نے پہلا شکار کیا۔ گاڈفرے نامی ایک چلڈرن پارک میں اپنے بچوں کے لیے پکنک پر دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھی۔ ریان نے اسے جالیا اور اس سنگدل نے اس کو تیرہ گولیوں کا نشانہ بنایا۔ دس گولیاں نے اس کو پکنک پر کھانا پکانے کے مقام پر ماریں اور جب وہ کانٹوں والی تار کی باڑ گئی تو تین گولیاں مزید ماریں۔

اس کے بعد ریان نے رولینڈ اور شیلا میسن کو راستے سے گزرتے گزر کے گھروں میں گھس کر گولیاں ماریں اور پھر جب اس نے کین کلیمنٹ کو گاؤں کے زار کی طرف جاتے دیکھا تو اسے بھی مار ڈالا۔ پھر اس نے روجر پریری ٹن اور عب خان کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ کار میں گزرتا جارج وائٹ بھی اس کا نشانہ بنا۔ پھر ریان اپنے گھر گیا تو اس نے اپنی ماں کو قتل کیا۔ پھر اس نے کتے کے ساتھ جاتے ایک مارا۔ اس کے بعد دو آدمی کار میں شکار کیے ایک کو وین ہی میں موت کے گھاٹ پرائری روڈ پر جاتی ہوئی ایک کار سوار عورت کو بھی ہلاک کیا۔ پھر جیک اور مرئل گیز میں ان کے گھروں میں جالیا۔ اس کا آخری شکار ایان پلے ال تھا جو اپنے بیوی بچوں میں سودا سلف کے لیے لے جا رہا تھا۔ ان بے گناہوں کو جان سے مارنے کے اس نے وقفے وقفے سے فائر کر کے سولہ آدمیوں کو زخمی کیا جو اتفاق سے اپنی ہارنے سے بچے رہے۔

ریان اپنے موت کے اس کھیل کے دوران بالکل جذباتی ہوا نہ اردگرد غافل۔ وہ برابر ایک سمجھدار سپاہی کا کردار ادا کرتا رہا۔ اس نے اپنے آپ کو فوجی میں ملبوس کر رکھا تھا اور اس کے پاس ہتھیار بھی فوجی ہی تھے۔ اس کے پاس جنگ عظیم کی ونیچ ایم۔ 1 کاربائن' ایک اے کے 47 حملہ کرنے والی رائفل اور 9 ایم ایم پستول تھا۔ موخرالذکر ہتھیار سے اس نے اپنی ماں کی جان لی۔

اس قتال کے بعد ریان پناہ کی تلاش میں اپنے نرسری گرائمر سکول' دی

سکول چلا گیا۔ یہ سکول جون آف گونٹ' ڈیوک آف لنکاسٹر جس نے ہنگر فورڈ کے رہائشیوں کو جنگلوں میں شکار کو مستقل حقوق دے رکھے تھے' کے نام پر تھا۔ وہ اس سکول کی بالائی منزل پر چڑھ گیا۔ پولیس سارجنٹ نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ سکول کا محاصرہ کرلیا اور اس نے چھپے ہوئے ریان کے ساتھ جو گفتگو کی وہ یوں تھی۔

سارجنٹ: ریان' کیا تم اب مہربانی کر کے باہر آؤ گے؟

ریان: میں اس سے متعلق سوچنا چاہوں گا۔ تم مجھے میری ماں سے متعلق کیوں نہیں بتاتے؟

سارجنٹ: میں اس سے متعلق نہیں جانتا۔ جب تم باہر آؤ گے' تو پھر ہم دونوں چل کر پتہ کرلیں گے۔

ریان: کیا میرے ساتھ او۔ کے سلوک ہوگا؟

سارجنٹ: ہاں' لازمی طور پر۔

ریان: کیا میں لمبے عرصے کے لیے جیل جاؤں گا؟

سارجنٹ: میں نہیں جانتا مسٹر ریان' یہ میرا کام نہیں۔

ریان: تمہیں کچھ تو علم ہوگا ہی' مجھے عمر قید ہوگی' کیا ایسا نہیں ہوگا؟

سارجنٹ: مسٹر ریان میں نہیں جانتا کہ تم ایک لمبے عرصے کے لیے جیل جاؤ گے۔

ریان: کتنی عجیب بات ہے۔ میں نے ان لوگوں کو قتل کیا' لیکن میرے اندر اتنی اہلیت نہیں کہ میں اپنے بھیجے کو اڑا دوں۔

سارجنٹ: مسٹر ریان' تم اپنے ہتھیار اسی کمرے میں جس میں تم ہو چھوڑ دو اور جس طرح تم سے کہا جائے ویسے کرو۔ کوئی فضول حرکت نہ کرو۔ کیا تم بات کو سمجھ گئے ہو؟

ریان: اس وقت' کیا بجا ہے؟

سارجنٹ: چھ بج کر پینتالیس منٹ۔ تم وقت کیوں پوچھ رہے ہو؟

ریان: میں اس سے متعلق بھی سوچنا چاہتا ہوں۔ میں اس وقت تک باہر نہیں آؤں گا جب تک میں اپنی ماں سے متعلق نہیں جان لوں گا۔

سارجنٹ: میں کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تم نیچے آ جاؤ تو ہم دونوں مل کر کچھ معلوم کر
قابل ہوں گے۔

پولیس نے ایک گولی چلنے کی آواز سنی اور جب وہ موقع پر پہنچے تو انہوں ریان کے بھیجے کو پھٹا ہوا پایا۔ ریان خود مر چکا تھا۔ انگلینڈ کی تاریخ میں ریان کا اجتماعی خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

اخبارات نے بعد میں لکھا کہ ریان کی خودکشی کی خبر سن کر ہنگرفورڈ کے باشند نے خوب جشن منایا۔ اخبار لکھتا ہے کہ لوگ یہ چلاتے ہوئے گلیوں اور سڑکوں پر آئے۔ "لعنتی مر گیا ہے، حرامی مر گیا ہے۔" اخبار یہ بھی لکھتا ہے کہ ہنگرفورڈ کے بچے گلی میں سائیکلیں دوڑاتے یہ نعرہ لگاتے۔ "مر گیا مردود——ہم خوب بچے۔" ریان کی موت خوشی میں دیہی شراب خانوں میں ہنگرفورڈ کے باشندوں نے بہت سے جام نوش کیے۔

==========☆==========

64

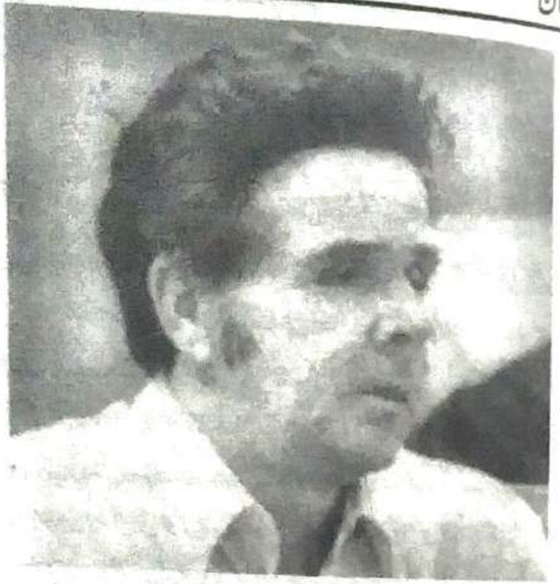

ہنری لی لوکس

(1936ء تا 2001ء)

"اس حقیقت سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کیا ہو چکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں؟"

ہنری لی لوکس اپنے آدم خور حصہ دار اوٹس طولے سے

"میری ایک جنسی الجھن ہے۔ میں تمام وقت عورتوں سے التجا کرتا رہتا ہوں۔"

ہنری لی لوکس سراغ رسانوں سے

"میرا تم سے کہنے کا یہ مقصد تھا—— اس وقت جب میں نے ان لوگوں کو پکایا۔ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

اوٹس طول، ہنری لی لوکس

"ہم نے کچھ خوبصورت برے کام کیے۔۔۔"

ہنری لی لوکس کے پولیس کے سامنے اقرار جرم کی ابتدا۔

"خوبصورت برے کام" موزوں اصطلاحی نام ہے اگر ہنری لی لوکس اور اس کے آدم خور ساتھی اوٹس طول کی وحشیانہ حرکات اور جرائم کی تحقیر اور مضحکہ خیزی بیان کر مقصود ہوتی (جبکہ یہاں تو ان کی حقیقی بربریت اور ظلم بیان کرنا مطلوب ہے۔) اگر وہ 360 قتل کرنے کا مجرم نہیں بھی ہے تو بھی جن چھ سو جرائم کا اس نے اقبال کیا۔ قانون نافذ کرنے والے لوکس کے اقبال کی روشنی میں یہ کہتے ہیں کہ وہ سب انتہائی نفرت انگیز اور انتہائی مکروہ اور برے ہیں۔ وہ دونوں جن خوفناک جرائم کے مرتکب ہوئے ان کی وضاحت ہنری لی لوکس کے اپنے بیان ہی میں ان الفاظ میں موجود ہے:

> ہم نے ان کو ہر طریقے سے جان سے مارا سوائے ایک طریقے کے۔۔۔ میں نے کسی کو زہر نہیں دیا۔ ہم نے ان کو کار کے نیچے کچلا' ان کو تیز دھار آلوں سے گھاؤ لگائے۔ ہم نے ان کو مارا' ان کو ڈبویا' ہم نے ان کو میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا' ہم نے مچھلیوں کی طرح ان کے اندر ہوا بھری' ہم نے ان کو جلایا اور کاروں میں سے ان پر گولیاں چلائیں' ہم نے اپنے ہاتھوں سے ان کے گلے گھونٹے' ہم نے ٹیلی فون کے تاروں کے پھندوں سے ان کی جانیں لیں۔ ہم نے ان کے گلے دباتے ہوئے ان کو چھرے گھونپے۔ ہم نے ان کو اس طرح باندھا کہ ان کی رسیاں ان کے سانس گم کر دیں۔"

اوٹس طول' لوکس کا شریک کار ایک آدم خور تھا۔ اسی کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنے اور لوکس کے شکار لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا' ان کو پکایا اور سلاخوں پر بھون کر چٹنیوں کے ساتھ کھایا۔ لوکس نے پولیس کو بتایا کہ وہ طول کے کام میں دخل انداز نہیں ہوا کیونکہ طول ہمیشہ انسانی گوشت پر گوشت کو سلاخوں پر بھوننے والی چٹنی لگاتا تھا اور اسے یہ چٹنی ناپسند تھی۔ اس کے اس بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی جب انسانی گوشت کو "باربی کیو" نہ کیا جاتا تو تب وہ اسے کھا لیتا تھا۔ اس کا ایک بیان یہ بھی ہے کہ اس نے طول کے

ساتھ انسانی گوشت نہیں کھایا کیونکہ اس نے انسانی گوشت کو شکار کی بو رکھنے والا پایا۔ اگر اس نے انسانی گوشت چکھا نہیں تھا تو پھر اسے "بو" کی شناخت کیسے ہوئی؟

ہنری لی لوکس 1936ء میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا نویں نمبر پر تھا۔ وہ ورجینیا میں چار کمروں کے چھپر کھٹ میں رہتے تھے جہاں بجلی نہ تھی۔ سب ایک ہی کمرے میں سوتے تھے اور اس کی طوائف ماں اپنا دھندا سب کے سامنے کرتی تھی اور اپنے بچوں کو اپنا کاروبار دیکھنے کو بھی کہتی تھی۔

ہنری کے بچپن کی زندگی' ہم کہہ سکتے ہیں' کوئی مثالی نہ تھی۔ اس کے بچپن کے ماحول اور اس ماحول میں رکھا جانے والا طرز عمل اسے آدم خور' زنا کار اور قاتل بنانے میں مد ثابت ہوا۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ وہ گھناؤنی زندگی دیکھتا ہی بڑا ہوا اور اسی میں اس کے ارادے بھی جوان ہوئے لہٰذا وہ "برا" بنے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک مرتبہ ہنری کو اس کی ماں نے ایک روزمرہ کا کام کرنے کو کہا۔ ہنری نے وہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی ماں نے غصہ میں اس کے سر پر ایک لکڑی کی چھڑی ماری۔ چھڑی بھی ٹوٹی لیکن وہ ہنری کی کھوپڑی کے چمڑے کو کاٹتی ہوئی ہڈی تک جا پہنچی۔ نتیجہ کے طور پر بقیہ سارا دن وہ بے ہوش رہا۔ اس کے والدین اسے ہسپتال لے گئے اور وہاں انہوں نے بتایا کہ وہ سیڑھیوں سے گر گیا ہے۔ اس نے ماں کے اس جھوٹ کی تصدیق کی کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ اگر اس نے سچ بولا تو اس کی ماں نہ جانے اس سے کیا سلوک کرے گی۔ گھر کی یہ چوٹ اسے ایسی مہنگی پڑی کہ وہ ایک مرض میں مبتلا ہو گیا جس میں وہ مختلف النوع آوازیں سنتا رہتا۔

ہنری کی ماں نے کبھی بچوں کے لیے کھانا نہیں پکایا اور کبھی گھر کی صفائی نہیں کی۔ اس کے باوجود وہ باقاعدہ ان کو بری طرح پیٹتی رہتی۔ اس مایوس کن طرز عمل کے نتیجے میں ہنری اور اس کے بھائیوں نے چھوٹی عمر ہی میں خوراک چرانا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ جب ہنری کی عمر دس برس ہوئی تو اس نے اسے شراب کشید کرنے کے برتن کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی اور ساتھ ہی اسے پی لینے کی اجازت بھی دے دی' جس سے وہ دنیا کا سب سے چھوٹی عمر کا شراب نوش بھی بن گیا۔

جب ہنری نے سکول جانا شروع کیا تو اس کی اس سال کی ماں وائیولا نے اس

کے بالوں کے گھونگھر بنائے اور اسے ایسا لباس زیب تن کرایا جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ دوسرے بچے ہنری پر بے رحم ہیں۔ ایک رحم دل ٹیچر نے پہلے تو ہنری کے بال کاٹے اور پھر اسے لڑکوں کے پہننے والی قمیض اور پتلون پہننے کے لیے دی۔ جب وہ نئے کپڑے پہن کر گھر گیا تو اس کی ماں اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہوگئی اور سکول میں آکر نیک دل استاد سے لڑی کہ اس نے بچے کی پرورش میں خواہ مخواہ دخل اندازی کی ہے۔

استاد کو قطعی حیرانی نہیں ہوئی کہ ہنری کیوں ہر وقت گندہ اور بھوکا رہتا تھا اور تعلیم حاصل کرنا کیوں اس کے لیے مسئلہ تھا؟ وہ ہر بات کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتا تھا۔

اس ابتدائی عمر سے ہی ہنری کے اندر خطرناک علامتیں پائی جانے لگیں تھیں۔ ایک مرتبہ اس نے ایک مردہ بچھڑے سے بدفعلی کی۔ پھر وہ مختلف جانوروں سے یہی کچھ کرنے لگا۔ وہ جانوروں کو شدید تنگ بھی کرتا اور اکثر جان سے بھی مار دیتا۔ اس نے تسلیم کیا کہ اس نے چودہ سال کی عمر میں پہلا قتل کیا۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ اس نے ایک سترہ سالہ لڑکی کو اغوا کیا۔ مار مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ اس بے ہوشی میں وہ اس کے ساتھ مصروف ہوا۔ اسی مصروفیت کے دوران لڑکی بیدار ہوگئی تو اس نے لڑکی کو گلا گھونٹ کر جان سے مار دیا۔ اس کے باوجود اس نے جرائم کا کوئی نشان باقی نہیں تھا جو پولیس کو ملتا۔ ہاں البتہ جب وہ پندرہ برس کا تھا تو نقب زنی کے جرم میں گرفتار ہوا اور اسے اصلاحی جیل میں رکھا گیا۔ جہاں وہ ایک کالے سے ہم جنسی جیسے تعلقات میں ملوث بتایا گیا۔

1960ء میں ہنری نے اپنی ماں کو قتل کیا اور اسے بیس سے چالیس سال قید کی سزا ہوئی۔ 1970ء میں اسے پیرول پر رہائی ملی لیکن وہ 1971ء ہی میں چار سال کے لیے واپس جیل میں چلا گیا کیونکہ پستول کی نوک پر اس نے ایک بس شاپ سے ایک نوجوان لڑکی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک بار پھر اسے 1975ء میں پیرول پر رہائی ملی۔ اب کے وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ساتھ ٹریلر میں منتقل ہوگیا۔ لیکن اس کی رشتہ دار کو جب یہ علم ہوا کہ وہ اس کے بچوں سے گندی حرکتیں کرتا ہے تو اس نے ہنری کو ٹریلر سے باہر پھینک دیا۔ کار کی چوری میں ملوث ہونے کے بعد 1985ء میں اس نے رہائی پائی اور فلوریڈا منتقل ہوگیا جہاں وہ اوٹس طول اور اس کی بھتیجی بیکی سے ملا۔

ہنری اور طول نے اب وحشیانہ سرگرمیاں شروع کیں۔ ٹیکساس میں ایک موقع پر وہ لڑکپن کی عمر کے ایک جوڑے کو جالیا جو سڑک پر ٹہل رہا تھا۔ انہوں نے اپنی کار کو روکا۔ طول باہر نکلا اور اس نے بے دھڑک لڑکے کو سر میں نو گولیاں ماریں اور لڑکی کو اغوا کر کے بھاگ نکلے۔ طول کار چلاتا رہا جب کہ پچھلی نشست پر ہنری لڑکی سے زیادتی کرتا رہا۔ طول کو ہنری کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے ایک جگہ پر کار روکی۔ لڑکی کو باہر اتارا اور اسے چھ گولیاں مار کر ہلاک کیا اور سڑک کے کنارے ڈال کر کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

لوکس اور طول کا ایک اور شکار ایک 33 سالہ عورت تھی جو مردہ حالت میں برہنہ ایک کھیت سے دریافت ہوئی۔ اس کی چھاتیاں جزوی طور پر کٹی ہوئی تھیں۔ اس کے جسم پر 35 زخم تھے اور اس کا پیٹ چاک کردیا گیا تھا۔ لوکس اور طول کے اگلے چند سالہ جرائم اتنے زیادہ اور اس قدر گھناؤنے تھے کہ ان کا تذکرہ یہاں کے محدود صفحات میں ناممکن ہے تاہم دریا کو کوزے میں بند کرتے ہوئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ وہ زبردستی عورتوں کی عصمت دری کرتے، قتل کرتے اور اپنی مرضی سے لوٹتے۔ لوکس نے جب پولیس کو بتایا کہ بعض اوقات کسی کو جان سے مارنا ایسا ہی ہے جیسے آپ چہل قدمی کر رہے ہوں تو یہ کوئی ٹھٹھے یا مذاق کی بات نہ تھی۔ اس نے مزید کہا کہ جب اسے شکار کی تلاش ہوتی تو وہ بس باہر نکلتا اور شکار کو پالیتا۔

لوکس نے آخر کار اپنی سچی محبوبہ بیکی کو بھی قتل کر ڈالا۔ اس نے ایک تلخ بحث کے دوران حق پر ہوتے ہوئے لوکس کو ایک طمانچہ مارا تھا۔ لوکس نے اسے چاقو سے کاری زخم لگا کر قتل کر دیا اور پھر اس کی لاش کی بے حرمتی کی۔ اس کے جسم کے ٹکڑے کیے اور ان ٹکڑوں کو تھیلوں میں ڈال کر سڑک کے کنارے یہاں وہاں پھینک دیا۔

لوکس کو گیارہ قتلوں کے جرم میں موت کی سزا ہوئی لیکن بعد میں ٹیکساس کے گورنر جارج ڈبلیو بش نے اس کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا۔ تاہم وہ جیل ہی میں صدمہ دل سے مارچ 2001ء میں مر گیا۔ اس نے مرنے سے پہلے کہا: ”میں نے پولیس کو احمق بنایا۔ میں ٹیکساس کی تمام قانونی برادری کو تباہ و برباد کرنے والا تھا۔“

بعض کا خیال ہے کہ لوکس نے ایسے تمام جرائم کا اقبال جرم کر لیا تھا جو ابھی تک حل طلب پڑے تھے تاکہ وہ کچھ حقوق اور مفاد حاصل کر سکے۔ کچھ یہ بھی تجویز پیش کرتے ہیں کہ لوکس جانتا تھا کہ وہ اگر ان جرائم کا اقبال نہ کرتا جن کی فائلیں پولیس، بند

[illegible]

[illegible]

* * *

65

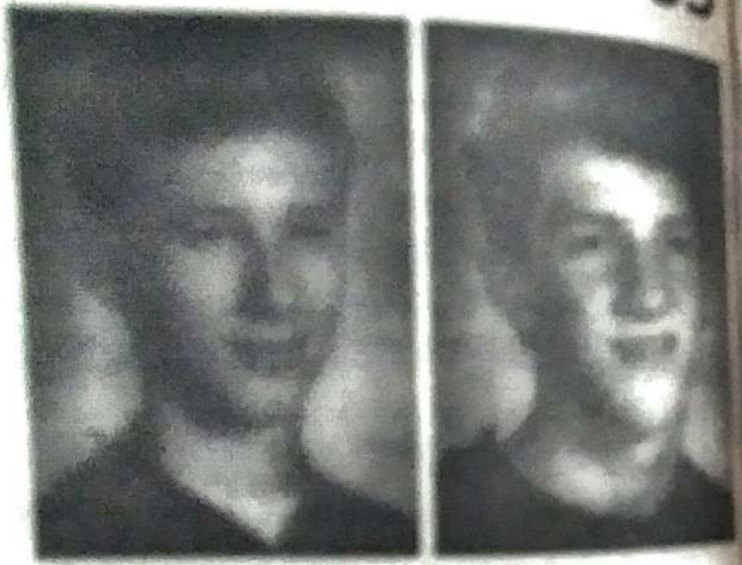

ایرک ہیرس اور ڈائلن کلی بولڈ

[illegible]

(1981ء تا 1999ء)

[illegible]

[illegible]

انہوں نے 20 اپریل 1999ء میں پانچ فاختاؤں جیسے پھول کی شکل میں بنے
سکول' واقع لٹلٹن' کولوریڈو میں قتل وخون کا حقیقی ڈرامہ رچایا۔ یہ حملہ اوڈلف
سو دسویں یوم پیدائش پر ہوا۔ سکول پر اس حملے کے دونوں "ہیروز" نازی ازم کے
ہٹلر سے محبت رکھنے والے اور اس کے پرستار تھے۔

کولمبائن پر حملہ' حکام کے خیال میں ایک سال کی منصوبہ بندی کا نتیجہ
حملے میں طلبہ اور اساتذہ سمیت تیرہ افراد ہلاک ہوئے جبکہ دیگر 25 کو شدید زخمی
دونوں "ہیروز" یعنی ایرک ہارس اور ڈائی لان کلی بولڈ نے اپنے جسموں کے ساتھ
باندھ رکھے تھے۔ وہ دونوں اپنے منصوبے کے مطابق ہٹلر کی روح سے جنم میں جانے
سکول سے پچاس مزید بم پارکنگ کے حصے میں اور اردگرد کھڑی کاروں سے بر
ہوئے۔ حملے سے بچ جانے والوں نے اپنے بیانات میں کہا کہ دونوں قاتل اپنے
گولی سے گرانے کے بعد اونچی آواز میں قہقہے لگاتے تھے۔

دونوں قاتلوں نے اپنے سکول کے پراجیکٹ کے مطابق نازی ازم پر ایک
بنا رکھی تھی کہ وہ دونوں کولمبائن ہائی سکول کے برآمدوں میں سے گزر رہے ہیں اور
کی راہ میں آتا ہے اسے وہ گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ ان کے اساتذہ نے اس فلم کو
ہونے کی وجہ سے سکول میں دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس انکار کی وجہ سے وہ دونوں
سے سکول کے خلاف بغض وکینہ پالتے اور قتال کا منصوبہ بناتے رہے تھے۔

پولیس کے سراغ رسانوں کا کہنا ہے کہ جب ان کو یہ علم ہوا کہ ہارس اور کلی
نے سو طلبہ اور اساتذہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا تو ان کے حواس اڑ کر رہ گئے۔
قتال ان کے منصوبے کا پہلا حصہ تھا اس کے بعد عام تباہی پھیلانا تھا۔ اگر وہ اپنے نص
کردہ بموں کو اڑا دیتے تو ان کا پہلا ہدف پورا ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرا ہدف یعنی "عام
تباہی" بھی پورا ہو جاتا۔ اس تباہی کے بعد ان کا ارادہ یہ بھی تھا کہ لٹل ٹن گاؤں میں
اور جو بھی ان کی راہ میں آئے گا اسے مرنے والوں کی صف میں شامل کر دیں گے۔
پورے منصوبے کے اختتام پر انہوں نے ایک جہاز کو ہائی جیک کرنا تھا اور اسے نیویارک
کے اوپر جا کر اپنے جسم سے بندھے بموں کے ذریعے اڑانا اور خود بھی ساتھ ہی اڑ جانا تھا

قتال کے بعد پولیس سراغ رسانوں نے دل دہلا دینے والے انکشافات کیے

اس امکان کا بھی ذکر کیا کہ ہائی سکول میں اس واقعے کے حقیقتاً روپذیر ہونے کو روکنے کے
لیے انہوں نے کیا انتظامات کر رکھے تھے۔ تاہم انہوں نے دو طلبہ کے منصوبے کو محض
"بچوں کا کھیل" ہی خیال کیا۔ ہارس اور کلی بولڈ نے دوسرے طلبہ سے اپنی نفرت کو
چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ انہوں نے ہارس کی ویب سائٹ پر اپنے بنائے ہوئے
پائپ بم کے تجربے کے نتائج بھی دکھائے تھے لیکن ان سب کچھ کو محض تخیل کی پرواز ہی
سمجھا گیا۔ حالانکہ ایک طالب علم ان کی موت پھیلانے کی دھمکی سے واقعی ڈر گیا تھا۔

اپنے شکار کردہ انسانوں سے ہارس اور کلی بولڈ کی نفرت ناقابل تصور تھی۔ یہ ایک
بے بنیاد چلتی پھرتی گھن اور کراہت تھی جس کی کوئی بنیاد نہ تھی۔ پولیس نے ان کی اس
نفرت کی بنیاد اور پرورش کے بارے میں تحقیق ہی نہیں کی۔ انہوں نے اس کام کو بے
کاری کی ایک مشق سمجھا۔

کولمبائن ہائی سکول کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور درس و تدریس کا سلسلہ پھر سے
شروع ہو گیا۔ کچھ طلبہ دوسرے سکولوں میں اس لیے چلے گئے کہ وہ سکول کے ان دروازوں
اور برآمدوں سے دور رہنا چاہتے تھے جو ایک خوفناک خواب کے اندر کھلتے تھے۔

ذیل میں پولیس افسر کی اس سانحے کے بارے میں تحقیقاتی رپورٹ سے سانحہ کا
اوقات نامہ درج کیا جاتا ہے:

صبح 11:14 تا 11:17 تک: ہارس اور کلی بولڈ بم لے کر سکول میں داخل ہوئے اور ان کو کیفی ٹیریا میں نصب کیا۔
صبح 11:17 پر: کیفی ٹیریا کے بم کو ناکارہ بنا دیا گیا۔
صبح 11:19 پر: "جاؤ' جاؤ" کی اونچی آواز کے ساتھ دونوں نے سیڑھیوں کے بالائی حصے سے مغرب کو جانے والے راستے سے گولیاں چلانا شروع کر دیں۔
صبح 11:21 پر: جیفرسن کونٹی سے الم ہرسٹ ڈرائیو اور ورڈز ورتھ بلیوارڈ سے دھماکے کی رپورٹ موصول ہوئی۔ وہاں ہارس اور کلی بولڈ نے بم رکھے تھے کہ پولیس سکول میں جانے کی بجائے وہاں پہنچے گی۔
صبح 11:23 پر: شیرف کو 911 نمبر پیغام پہنچا کہ وہ سکول پہنچے۔
صبح 11:24 پر: سکول کے رابطہ افسر نیل گارڈنر نے سکول میں گڑبڑ کی رپورٹ کا جواب

دیا اور ہارس کی گولیوں کا جواب دیا۔

صبح 11:25 پر: پہلی پولیس کار پہنچی۔

صبح 11:27 پر: کیفی ٹیریا میں پائپ بم پھٹا۔ طلبا ادھر ادھر بھاگ گئے۔ کمرے
دھواں چھا گیا۔ ہارس اور کلی بولڈ لائبریری میں داخل ہوئے۔

صبح 11:30 پر: پولیس نے قاتلوں کا داخلہ کولمبائن کیمپس میں روک دیا۔

صبح 11:34 پر: قاتلوں نے آخری گولی چلائی جس سے ان کا نشانہ کامیاب رہا۔ ایک
اور جان ضائع ہوئی۔

صبح 11:36 پر: ہارس اور کلی بولڈ لائبریری سے چلے جاتے ہیں۔

صبح 11:44 پر: ہارس اور کلی بولڈ کیفی ٹیریا میں جاتے ہیں کہ بم کو نشانہ بنا کر اسے
چلائیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتے۔

صبح 11:45 پر: ہارس ایک لمحہ رکتا ہے اور ایک کپ سے بچا ہوا مشروب پیتا ہے۔ پھر
دونوں کیفی ٹیریا سے انتظامی بلاک میں چلے جاتے ہیں۔

صبح 11:46 پر: دس پولیس افسر اکٹھے ایس۔ ڈبلیو۔ اے۔ ٹی کی ٹیم بناتے ہیں اور ایک
ٹرک کی اوٹ میں سکول تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

صبح 11:47 پر: کیفی ٹیریا میں ایک اور پائپ بم پھٹتا ہے۔

صبح 11:56 پر: ہارس اور کلی بولڈ بندوقیں اٹھائے کیفی ٹیریا میں آتے ہیں۔

12 بجے دوپہر: ہارس اور کلی بولڈ کیفی ٹیریا سے چلے جاتے ہیں پھر لائبریری میں آتے
ہیں اور وہاں خودکشی کرتے ہیں۔

دوپہر 12:06 پر: پولیس کی ایک اور ٹیم سکول میں داخل ہوتی ہے۔

شام 4:00 پر: شیرف کا ترجمان سٹیو ڈیوس اعلان کرتا ہے کہ دونوں قاتل خودکشی کرنے
کے بعد مردہ پائے گئے ہیں۔

شام 4:45 پر: شیرف جان سٹون لی وڈ ایلیمنٹری سکول میں والدین سے خطاب کرنے
حاضر ہوتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں
بچا۔

* * *

66

مارک لپائن

(1946ء تا 1989ء)

"اگر میڈیا میرے اوپر "پاگل قاتل" کا لیبل بھی لگا دے تو بھی میں اپنے آپ کو عقل منداور ذہین شخص سمجھتا رہوں گا جو برے اعمال کرنے پر "ہیبت ناک قاتل" کی آمد پر مجبور ہوتا ہے— پھر وہ زندہ رہنے کی کوشش کیوں کرتا ہے؟ محض اس لیے کہ وہ حکومت کو خوش رکھ سکے؟ کیونکہ وہ فطری طور پرپھسڈی ہے— عورتوں کے پاس تو ویسے ہی مجھے غصہ دلانے کا فن موجود ہے— وہ عورتوں کے مفاد کا بھی خیال رکھتے ہیں— جب وہ مردوں سے دست درازیاں کرتی ہیں— وہ اتنی موقع پرست ہوتی ہیں کہ مردوں کے عرصے سے کیے جانے والے تجرباتی علم سے فائدہ نہیں اٹھاتیں— کیا ہم سیزر کی خواتین کی فوج اور نسوانی غلاموں سے متعلق نہیں جانتے۔ ان غلاموں

نے پچاس فیصد مراتب حاصل کیے گو یہ مراتب کبھی موجود ہی نہیں رہے؟"

مارک لپائن کی خودکشی کی تحریر سے

"ہمارے معاشرے میں ایسی بات کیسے ہو سکتی ہے؟ سب سے بڑا اور اہم یکی
سوال ہے۔"

کیوبک پارٹی لیڈر جیکس پیرازو نے لپائن کی
گولیاں برسانے کی واردات سے متعلق سن کر کہا۔

صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی میں سکولوں میں گولیاں نہیں برسائی جا یہ انتہائی حماقتیں سکاٹ لینڈ کے تھامس ہملٹن نے بھی کیں اور اس باب کے کردار بدکردار مارک لپائن آف کینیڈا نے بھی کیں، جن سے یہ افسوسناک ثبوت بھی ملتا ہے ایسا برا فعل امریکہ کے علاوہ دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بھی ہوتا ہے۔

مارک لپائن ایک انجینئرنگ کی جماعت میں 6 نومبر 1989ء کو پانچ بجے سے کچھ دیر بعد داخل ہوا۔ دو طالب علم انتقال حرارت کے بارے میں عملی تجربات رہے تھے۔ وہ نہ تو تیزی سے چلا اور نہ ہی اس نے اونچی آواز میں کچھ کہا۔ اس نے رائفل دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ وہ ان دو طلبہ تک پہنچا اور بولا۔ "ہر کوئی، ہر کام بند کر دے۔"

مارک لپائن مسکرا بھی رہا تھا کیونکہ ایسی شوخیاں مدت سے دنیا کے تمام درجے کی درسگاہوں کے کیمپسوں کی روایت رہی ہیں۔ طلبہ اور ان کے پروفیسر کا ا ردعمل یہ تھا کہ یہ سب کچھ ایک مذاق تھا۔ کئی طلبہ تو لپائن پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے ہی لپائن کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا اور اس نے سختی سے طلبہ کو حکم دیا کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم جائیں۔ لڑکے الگ اور لڑکیاں الگ——— پہلے تو طلبہ ہچکچائے کہ وہ اپنے جیسا ہی طالب علم نظر آنے والے لڑکے کی بات کو تسلیم کریں یا کہ نہ کریں——— کیا وہ سنجیدہ بھی کہ نہیں اور اس کی رائفل اصلی ہے کہ نقلی؟ لپائن نے ان کا شک جلد ہی دور کر دیا۔ اس کمرے کی چھت پر گولیاں داغ دیں۔

جلد ہی طلبہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ لڑکے ایک کونے میں اور لڑ

رے کونے میں۔ پھر لپائن نے لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ باہر نکل جائیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی زندگیوں کا راستہ بند کر دیا گیا ہے اور ایک خونین ڈرامہ ہونے والا ہے۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔ لڑکیاں جن کی تعداد 9 تھی ایک کونے میں جمع ہو گئیں۔ وہ خوفزدہ تھیں اور نہیں جانتی تھیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

لپائن ان کے سامنے کبھی اِدھر جاتا اور کبھی اُدھر——— لیکن اس نے رائفل کی نالی خوفزدہ لڑکیوں ہی کی سمت رکھی۔ ان سے بغیر کسی تخصیص کے کہا: "کیا تم جانتی ہو کہ تم یہاں کیوں ہو؟"

ایک لڑکی جس کا نام نتھالی تھا اور جس کی عمر 23 سال تھی نے جواب میں کہا "نہیں۔"

اب لپائن نے ان کو اپنا پیچیدہ پروگرام بتایا اور ان پر واضح کیا کہ ان کو کیوں ال بلایا گیا ہے؟

"میں نسوانیت سے لڑ رہا ہوں۔"

نتھالی نے پھر ترجمان کا فرض سر انجام دیا اور لپائن کو بتایا کہ ہم طالبات ہیں رف نام کی عورت ہیں تجربہ کار خواتین نہیں ہیں۔ وہ تو نسوانیت سے متعلق کچھ جانتی یں۔ انہیں نسوانیت کا کوئی اصول یا کلیہ یاد نہیں۔

نتھالی کے یہ الفاظ جیسے لپائن نے سنے ہی نہیں۔ وہ پہلے ہی کچھ بیمار ذہنی تصورات ندھ چکا تھا۔ اس کے ذہن کی مملکت میں تمام عورتیں نسوانیت یا نسوانی پن رکھتی تھیں اور سوانیت یا نسوانی پن رکھنے والیاں برائی تھیں اور تمام نسوانیت اس کی دشمن تھی۔

اس نے ان کو گولیاں مارنا شروع کر دیں۔ وہ ایک جگہ پر کھڑا ہو گیا اور باری ان 9 بے یارومددگار لڑکیوں کے نشانے لینے لگا۔

کمرہ گولیوں کی آواز اور لڑکیوں کی چیخ و پکار سے ڈراؤنا خواب بن گیا۔ چھ لڑکیاں فوراً ہی مر گئیں جبکہ تین شدید زخمی ہو گئیں اور بعد میں وقفے وقفے سے مر لپائن مطمئن تھا کہ اس نے اس کمرۂ جماعت میں جو کچھ کرنا تھا کر دیا ہے لہٰذا وہ ہال میں پہنچا جہاں چند طلبا دہشت زدہ کھڑے تھے۔ لپائن نے ان کو گولیوں کا بنایا۔ صرف اتنا کہا کہ اسے عورتوں کی ضرورت ہے۔

اس نے ایک چھپ کر وار کرنے والے کی طرح یونیورسٹی کے برآمدوں اور

گیلریوں میں جھانکنا شروع کیا گویا وہ کسی جنگل میں اپنی کمیں گاہ سے دشمن پر
والا ہو۔ اسے ایک لڑکی نظر آ ہی گئی اور اس نے اسے گولی سے بھون ڈالا۔ پھر وہ
میں گیا اور وہاں خوف و دہشت سے ڈنر کو بھول جانے والی تین لڑکیوں میں سے
سیاہ کے قریب جان سے مارا۔ تیسری جو فوراً نہیں مری تھی اس کو اس نے اس کی
سنگین سے تین گہرے زخم لگائے اور اپنا مقصد حاصل کیا۔

اس موقع پر لپائن نے شاید فیصلہ کرلیا کہ اس کا مقصد پورا ہو چکا
ڈیسک پر بیٹھ گیا اس نے اپنی رائفل سے سنگین اتاری تاکہ رائفل کی نالی اس کی
کے ساتھ لگ سکے۔ اس نے رائفل کی نالی کو پیشانی سے لگایا اور کہا: "اوہ افکاف"
رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔

لپائن نے ایک ٹوپی پہن رکھی تھی۔ مرتے وقت بھی وہ اسے پہنے
کے چشم دید گواہان نے بتایا کہ اس کی ٹوپی اور آدھی کھوپڑی فائر کی آواز کے ساتھ
چھت تک اڑتی گئیں۔ بعد میں پولیس نے بتایا کہ اس کے گھر کے کھانے کے
سے بھی ایک انسانی کھوپڑی برآمد ہوئی ہے۔

یہ قاتل نوجوان کون تھا؟ اور عورتوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا کہ اس
عورتوں ہی کو نہیں عورت پن اور نسوانیت ہی کو اپنی نفرت کی آماجگاہ بنا لیا تھا۔ پولیس
بتایا کہ وہ تنہا اور تنہائی پسند تھا اور اس نے اپنی تنہائی کو کسی عورت کی موجودگی سے
تھا۔ اس کے ہمسایوں نے پولیس کو بتایا کہ وہ تمام رات اونچی آواز سے موسیقی
سنتا تھا۔ اس کی اس عادت کے خلاف تین بار پولیس بلائی گئی تھی۔

اس سے متعلق یہ بھی علم ہوا کہ اس کا باپ ایک الجیرین تھا اور تشدد آمادہ
اپنی بیوی اور بچوں کو اکثر مارتا پیٹتا رہتا تھا۔ مارک لپائن اس سے بلاناغہ پٹتا
ہونے کی وجہ سے باپ کے تشدد کا آخری نشانہ ہوتا۔ پولیس کو یہ بھی علم ہوا کہ لپائن
جب کینیڈا کی فوج میں شامل ہونا چاہا تو اسے بھرتی نہ کیا گیا۔

کوئی وثوق سے نہیں بتا سکتا کہ اس نے یونیورسٹی میں خونی ڈرامہ کیوں
پھر خودکشی کیوں کی؟ کینیڈا کی تاریخ میں یہ بڑا اہم افسوسناک سانحہ ہے جو لپائن نے

☆

67

جوشم کرول

"ضلع روہر کا شکاری"

(1933ء تا 1991ء)

"یہ تو آنتوں سے اٹا پڑا ہے"
اپنے ہاٹ پاٹ سے متعلق بتاتے ہوئے جوشم نے
کہا کہ اس میں اس کے پہلے شکار کے اندرونی
اعضاء پکائے گئے تھے۔

اس حقیقت کے بارے میں شاید ایک محفوظ شرط بدی جا سکتی ہے کہ موسم گرما 1976ء کے روز جرمن پولیس افسر نے جوشم کرول کے اسٹوو پر پڑے ایک برتن کے اندر

دیکھا اور پھر اس کے بعد اسے کبھی رات کے دوران گہری نیند نہیں آئی۔

اس موسم گرما میں شمال مغربی جرمنی کے ضلع روہر کی پولیس ایک چار سالہ لڑکی مونیکا کیٹنر کو تلاش کر رہی تھی۔ متذکرہ دن پولیس ان کھیل کے میدانوں کی چھان پھٹک کر رہی تھی جن کے قریب مونیکا رہتی تھی۔ لوگوں سے سوال و جواب کے دوران ایک بوڑھے آدمی نے اپنے ایک چالیس سالہ پڑوسی سے متعلق پولیس کو بتایا کہ وہ لوگوں سے نہیں ملتا اور اپنے آپ میں مگن رہتا ہے۔ اس آدمی نے ایک مرتبہ بوڑھے سے کہا کہ ہال وے کے آخر پر ان کا مشترکہ باتھ روم کام نہیں کر رہا۔ جب بوڑھے آدمی نے اس چالیس سالہ آدمی سے باتھ روم کے کام نہ کرنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا ٹائیلٹ آنتوں سے اٹا پڑا ہے۔

پولیس نے ٹائیلٹ کی تحقیق کا فیصلہ کیا اور ایک پلمبر کو بلایا۔ اس نے بند جانے والا ٹائیلٹ کا گول سا برتن کھولا اور اس میں پھنسے ہوئے گند کو ایک بالٹی میں پلٹ دیا۔ اس میں سے چھ انسانی جسم کے اعضاء برآمد ہوئے جن میں ایک جگر، دو پھیپھڑے، دو گردے اور ایک دل تھا۔ پولیس نے جلد ہی یہ معلوم کر لیا کہ یہ تمام اعضاء ایک چار سالہ بچی کی چھاتی میں عمدگی سے آسکتے ہیں۔

فیصلہ کیا گیا کہ پولیس بوڑھے آدمی کے ہمسائے جس کا نام جوشم کرول تھا کے بارے میں تحقیقات کرے گی۔ جوشم نے پولیس کو اپنے رہائشی حصے میں آنے کی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اجازت دے دی اور ان کی تحقیقات میں ذرہ برابر بھی مداخلت نہیں کی۔

اولاً پولیس نے جوشم کرول کا ریفریجریٹر کھولا اور اس کی پڑتال کی۔ وہاں علیحدہ علیحدہ پلیٹوں میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑے پڑے تھے۔ کچھ بڑی عمدگی سے کاٹے گئے ٹکڑے بھی تھے۔ پولیس کو یہ جاننے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ وہ چار سالہ مونیکا ہی کے گوشت کے ٹکڑے تھے۔

بظاہر جوشم کرول بسیار خور نظر نہیں آتا تھا۔ پولیس کو فریزر سے بھی گوشت کے ٹکڑے لپیٹ کر رکھے ہوئے ملے، جن میں سے بیشتر مونیکا ہی کے تھے۔

پولیس جوشم کرول کے اسٹوو کی طرف بھی متوجہ ہوئی جس پر چڑھائے گئے برتن سے متعلق اس نے بتایا کہ وہ آہستہ آنچ پر دم پخت کر رہا ہے۔ برتن کے اندر گاجریں، آلو

اور دوسری سبزیاں تھیں جبکہ ان کے درمیان کھولتے ہوئے پانی میں ایک لڑکی کا ہاتھ تھا جو پولیس کی دریافت کے وقت تک ہر لحاظ سے گل چکا تھا۔ 1955ء تا 1976ء جوشم کرول نے اپنے بیان کے مطابق وہ چودہ خواتین پانچ سے لے کر 61 سال کی عمر تک کو اغوا، زنا بالجبر، قتل اور ان کے اعضاء علیحدہ علیحدہ کر کے کھا چکا تھا۔

پولیس کی تحویل میں آنے کے بعد گرفتار جوشم کرول نے چودہ مذکورہ قتلوں کے اعتراف کے ساتھ یہ بھی کہا کہ کچھ قتل اور بھی ہیں لیکن اس کا حافظہ ان کی تفصیل بتانے سے قاصر ہے۔ تھوڑے کو ہی زیادہ سمجھا جائے۔

جوشم کرول سے متعلق کوئی کلمۂ خیر کہنا ناممکن ہے۔ وہ ایک بدترین بھٹکا ہوا شخص تھا۔ وہ اپنی کم عمر شکار لڑکیوں کے لیے گڑیاں جمع کرتا رہتا جن کو وہ موقع ملنے پر بطور ترغیب کے استعمال کرتا۔ وہ ایک پتھر دل قاتل تھا لہٰذا وہ جان بوجھ کر اپنے شکار مختلف عمر کے چنا کرتا تا کہ پولیس کو اس پر شبہ نہ ہو۔ اس کا یہ طریقہ کامیاب بھی رہا تھا۔ اگر وہ اتفاق سے پولیس کے ہتھے نہ چڑھتا تو وہ مزید کئی سال یہ مکروہ کھیل کھیلتا رہتا۔ وہ ایک بے ضمیر آدم خور تھا اور کسی طرح بھی جیفری ڈاہمر اور البرٹ سے آدمی خوری میں کم نہ ہوتا۔

اس نے اپنی رہائش گاہ پر ربڑ کی گڑیا رکھی ہوئی تھی۔ جو ہوا بھرنے سے قد آدم عورت بن جاتی۔ وہ اس سے حرام کاری کرتا اور اس کو مصنوعی طور پر حرام کاری پر آمدہ کرنے کے لیے اس سے لڑتا جھگڑتا اور اس کا گلا بھی گھونٹتا۔ وہ چیختی چلاتی بھی تھی کیونکہ اس کے میکنزم میں ایسی باتیں موجود تھیں۔ جب وہ کسی کم عمر لڑکی کو اغوا کر کے لاتا تو اس کے سامنے اپنی گڑیا سے سارے مراحل طے کرتا اور مغویہ کو بھی ویسے ہی مراحل سے گزارتا لیکن گڑیا کی موت تو اس کی ہوا نکالنے سے ہو جاتی تھی جبکہ مغویہ کی موت اس کی روح نکلنے ہی سے ہوتی اور یہ کام "انکل جوشم" کرنا جانتا تھا۔

ستم ظریفی کی بات یہ تھی کہ جوشم کرول اپنے ہمسایہ لوگوں میں "انکل جوشم" کے نام سے مشہور تھا اور انہوں نے کبھی اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی بچیوں کو اس نرم و نازک آواز کے مالک اور دھیمے مزاج کے چچا کے ساتھ سیر پر جانے کی اجازت دے دیتے۔ وہ بچیوں کے ہاتھ تھام لیتا اور پھر باغات اور پارکوں میں گھمانے کے بعد ان کو حفاظت سے واپس بھی لے آتا۔

کیا نابالغ اور بچپن کی عمر کی لڑکیوں کی معیت میں جوشم کرول
کی نیم تسکین کرتا تھا یا وہ ان کو آہستہ آہستہ اغوا پر مائل کرتا تھا؟ یہ سوال

جوشم کرول کے ہمسائے نے اس سے متعلق جو کہانی سنائی وہ بعد کے جرائم کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔

ایک روز جوشم کرول دس سالہ گیبریل ہیوٹ مین کو سیر پر لے گیا۔ جب ایک پارک میں بینچ پر تھوڑی دیر کے لیے ستانے کی خاطر بیٹھے تو جوشم نے اس کو
کے لیے ایک کتاب اپنی بغل سے نکالی۔ کتاب عریاں تصاویر اور پورنوگرافی پر
جب جوشم کرول اس کتاب کے اوراق پلٹ رہا تھا تو گیبریل دہشت اور خوف سے
زدہ ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے اور جب اس نے کرول
ہاتھ اپنے کندھوں پر محسوس کیے تو وہ فوراً اٹھی اور گھر کی سمت بھاگ کھڑی ہوئی۔ شاید
حادثے کے بعد کرول اپنی ربڑ کی گڑیا کے پاس پہنچا ہوگا۔ گیبریل نے اپنے والد
اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ شاید اس لیے کہ وہ لڑکی کے بارے میں
گے کہ اس نے کیسی گھٹیا تصاویر دیکھی ہیں۔

جب گیبریل اکیس برس کی ہوئی تو اسے "انکل جوشم" کی حقیقت معلوم
اسے پتہ چلا کہ وہ نادانی میں مہربان انکل کے کس قدر قریب ہو چکی تھی۔۔۔ وہ اس کا
بننے ہی والی تھی کہ وہ بچ نکلی۔۔۔ اگر وہ کتاب کو دیکھ لیتی تو اب تک وہ انکل کا شکار
بعد میں اس کا نوالہ بھی بن چکی ہوتی۔

جوشم کرول کا مقدمہ 1979ء سے 1982 تک چلا۔ وہ مجرم ثابت ہوا اور
9 مرتبہ عمر قید کی سزا ہوئی۔ وہ اپنی سزا رہین باش میں پوری کر رہا تھا کہ 1991ء
اچانک صدمہ دل سے مر گیا۔

=======☆=======

68

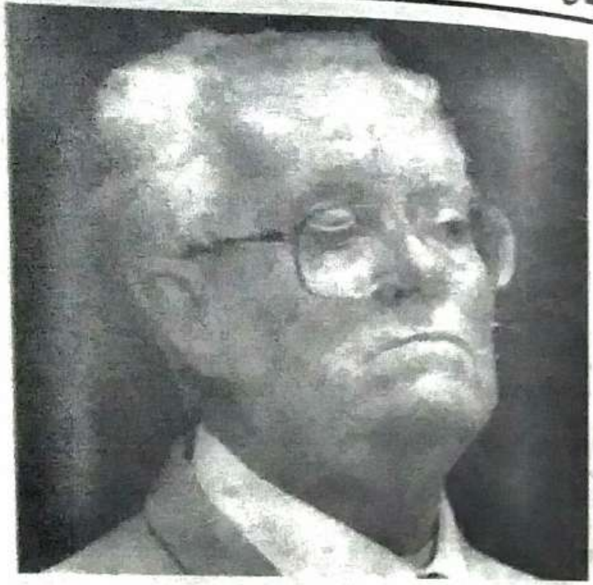

ہاورڈ انرو

(1921ء تا)

"وہ میرے اخلاق کے بارے میں توہین آمیز فقرے چست کر رہے ہیں۔۔۔ میں کوئی نفسیاتی مریض نہیں ہوں۔ میرا دماغ بہت اچھا ہے۔۔۔ اگر میرے پاس کافی مقدار میں گولیاں ہوتیں تو میں نے ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارا ہوتا۔۔۔

ہاورڈ انرو

ہاورڈ انرو' ایسٹ کیمڈن' نیو جرسی کا رہنے والا تھا۔ وہ اٹلی اور فرانس کی جنگ میں ایک ٹینک پر مشین گنر تھا۔ اس نے تیزی سے گولیاں برسانے کی تربیت بھی حاصل کر رکھی تھی۔ اسے اعلیٰ خدمات کے صلے میں جنگ عظیم دوم کی ٹینکوں کی مشہور لڑائی

"سیریل آف شیج" میں تحفظات بھی ملے تھے۔

ہاورڈ انرو کے ساتھ کام کرنے والوں نے بعد میں بتایا کہ اس نے [illegible] مارے جانے والے ہر شخص کا اپنی ڈائری میں اندراج کر رکھا تھا۔ [illegible] اپنے جرمن شکاروں کے اصل حلیے لکھ رکھے تھے۔ پھر ان کے قتل کے بعد ان کے [illegible] ہوئے حلیے بھی درج کر رکھے تھے۔ یہ اس کا خوفناک اور مردود قسم کا مشغلہ تھا۔ [illegible] کے اس مشغلے کو ایک خوفناک انجام کی پیش گوئی یا پیش خیمہ قرار دیتے تھے لیکن کسی کو جرات نہ تھی کہ وہ اس موضوع پر ہاورڈ انرو سے ہی کوئی بات چیت کر سکے۔

کچھ اور بھی تھا جس کو صرف ہاورڈ انرو ہی سے منسوب کیا جا سکتا تھا۔ موقع ملنے پر [illegible] اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر میں نہ جاتا اور اسے عورتوں سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ [illegible] کس چیز سے دلچسپی تھی؟ بائبل سے اور رائفل سے۔ وہ اپنی بیرک میں رہ کر بائبل پڑھنے پر کسی اور بات کو ترجیح نہ دیتا یا پھر وہ علیحدگی میں اپنی رائفل صاف کرتا رہتا۔

کسی کو ہاورڈ پر قریب سے نظر ڈالنی چاہیے تھی۔

تین سال بعد جب جنگ ختم ہوگئی تو اس نے تیزی سے گولیاں برسانے کی [illegible] مہارتوں سے خوب کام لیا۔ اگرچہ قتل عام کے مناظر برپا کرنے میں ہاورڈ انرو کے لیے کوئی مستحسن بات نہ تھی بلکہ اس کی خونی وارداتوں کی وجہ سے اسے جدید امریکہ میں "اجتماعی قاتلوں کا باپ" ہونے کا خطاب دیا گیا۔

6 ستمبر 1949ء کو ہاورڈ نے بارہ منٹ کی قتل کرنے کی مجنونانہ حرکت کی جس میں تیرہ جانیں ضائع ہوئیں۔ اپنی اس حرکت کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور اپنے آپ کو گھر میں بند کر لیا۔ پولیس کے پچاس افسروں نے اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس نے کیا کیا ہے تو اس نے کہا کہ اس کے پاس اسلحہ ہی اتنی مقدار میں تھا کہ وہ اتنے ہی لوگوں کو مار سکتا تھا۔ پولیس نے اسے موقع دیا کہ وہ اپنے آپ کو پرامن طریقے سے پولیس کے حوالے کر دے لیکن وہ نہ مانا تو پولیس نے اسے گھر سے نکالنے کے لیے آنسو گیس پھینکی اور دستی بم استعمال کیا۔ جب وہ گھر سے نکلا تو پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس پر تیرہ قتلوں اور تین بدکاری کے لیے حملوں کی فرد جرم عاید کی گئی۔

جب ہاورڈ جنگ سے واپس آیا تھا تو وہ اپنے والدین کے مکان کے تہ خانے

[illegible] تھا اور [illegible] حد تک معمول کے مطابق رہتا تھا۔ محلے داروں اور اس کے [illegible] جس بات کا اس سے متعلق نہیں سوچا اور جسے ماہرین نفسیات نے شناخت کیا [illegible] بات تھی کہ وہ آہستہ آہستہ شیزوفرینیا کی بیماری میں مبتلا ہو رہا تھا۔ جب پولیس نے [illegible] گرفتار کیا تو ڈاکٹروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ہاورڈ میں خلل دماغ کے آثار [illegible] جاتے ہیں۔ جب خلل دماغ کی وضاحت کی گئی تو یہ ذہن کی وہ حالت تھی جس میں [illegible] اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ اس رجحان کی واضح علامات اس میں ہمہ وقت موجود پائی گئی تھیں۔ بس ان پر غور نہیں کیا گیا۔

جنگ کے بعد ہاورڈ نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس کے ہمسایہ لوگ اس سے متعلق باتیں کرتے ہیں اور اس کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں۔ وہ اس پر گوشہ نشین ہوگیا کہ اس نے والدین کے مکان کے پچھواڑے میں لکڑی کی باڑ لگوا دی جس میں بڑا محفوظ گیٹ بھی لگوایا۔ تاہم یہ گیٹ محفوظ ثابت نہیں ہوا کوئی اس گیٹ کو 5 ستمبر 1949ء کی شام کو اکھاڑ کر لے گیا۔

گیٹ کی چوری سے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ہاورڈ کو تنگ کرنے کا ایک منصوبہ تھا کیونکہ اس کے ہمسائے لوگ جان گئے تھے کہ وہ کیا اور کیسا ہے؟ اپنی جذباتی ابتری کی وجہ سے وہ طعن و تشنیع برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی جو اس کے کردار کی جذباتی کمزوری کے حوالے سے ہوتی تو وہ خلل دماغ کا شکار ہو جاتا اور اپنی سوچ کی روشنی میں اپنی ہی پیش گوئی کو پورا کرتا۔

جب اس نے سنا کہ اس کا گیٹ چرا لیا گیا ہے تو اس کا رنگ سیسے کی طرح سیاہ ہوگیا۔ وہ غصے سے اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے ایک بھاری لوہے کا دروازہ اٹھا کر ماں کو دھمکی دی۔ وہ بچاری خوف کے مارے گھر سے بھاگ گئی۔ جونہی وہ گھر سے گئی ہاورڈ نے بھی اپنا 9 ایم۔ ایم لوگر اٹھایا اور موت کے سفر پر روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ وہ چند قدم پر ایک جوتوں کی دکان پر گیا اور دکان کے مالک کو گولی مار دی۔ پھر وہ اگلی دکان پر پہنچا۔ یہ دکان ایک حجام کی تھی وہاں اس نے ایک چھ سالہ بچے جو پہلے دن سکول جانے کے لیے بال کٹوانے آیا تھا کو گولی مار دی۔ پھر اس نے حجام کو بھی نہیں چھوڑا۔

ازاں بعد وہ دوائیوں کی دکان پر گیا۔ اس کے مالک کو ہنز سے ویسے ہی نفرت

کرتا تھا۔ جب وہ دوائیوں کی دکان میں داخل ہوا تو مکان کے اندر سے باہر نکل رہا تھا۔ ہاورڈ نے اس کو انتہائی قریب سے گولی ماری۔ کوہن نے نے کیا کیا ہے لہٰذا وہ دکان کی بالائی منزل پر اپنے گھر میں بھاگ گیا۔ ہاورڈ تعاقب میں گیا اور پہلے اس کی بیوی کو جو الماری میں چھپ گئی تھی مار کوہن کی ماں کو باورچی خانے میں جا لیا کیونکہ وہ وہاں پولیس سے رابطہ کر رہی تھی۔ اس اثنا میں کوہن گھر کی چھت پر چڑھ گیا تھا۔ ہاورڈ نے اس پر بھی لیکن وہ صرف زخمی ہو کر چھت پر گر گیا۔ ہاورڈ بھی اپنا کام ادھورا چھوڑنے والا نے کھڑکی پر چڑھ کر زخمی کوہن کو مزید گولیاں مار کر ختم کر دیا۔

ہاورڈ نے اب گلی میں چلنا شروع کر دیا۔ یہاں اس نے ایک موٹر چلانے کو ہلاک کیا۔ پھر کار میں سوار تین افراد جن میں ایک بچہ بھی تھا اور وہ سرخ بتی کی رک گئے تھے کو اپنے پاگل پن کے دورے کا شکار بنایا۔ پھر اس نے ایک لڑکے نشانہ بنایا جو صرف زخمی ہوا۔ اب کے وہ ایک درزی کی دکان میں داخل ہوا اور اس کی جان لی۔

ہاورڈ نے چلنا جاری رکھا اور اپنے آخری ہدف تک پہنچا جو ایک ۲ سال تھا۔ یہ بچہ کچھ دیر سے اپنے گھر کی کھڑکی سے ہاورڈ کا سارا کھیل دیکھ رہا تھا۔ ہاورڈ نے گھر نو بج کر بیس منٹ پر چھوڑا تھا اور اب اسے صرف بارہ منٹ ہوئے تھے۔ وہ اپنے گھر پہنچا۔ پولیس نے اس کا گھر اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ مقامی اخبار کے اسسٹنٹ ایڈیٹر نے ہاورڈ سے بات چیت کی۔

"تم لوگوں کو کیوں قتل کر رہے ہو ہاورڈ؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔" ہاورڈ نے جواب دیا: "ابھی میں بہت مصروف تمہارے سوالات کا جواب نہیں دے سکتا۔ میں تم سے بعد میں باتیں کروں گا۔"

ہاورڈ نے اپنے جرائم کا مقصد کبھی بھی نہیں بتایا۔ ماہرین جرائم و نفسیات اسے لاعلاج پاگل قرار دیا۔ اسے ٹرینٹن سائیکاٹرک ہسپتال جو مجرمانہ پاگلوں کے لیے وہ وہاں اب تک زندہ اور موجود ہے۔

* * *

69

"بوسٹن کا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے والا"

البرٹ ڈی سالوو؟

(1931ء تا 1973ء)

جارج ناصر؟

"مجھے معلوم تھا کہ یہ میں ہوں جس نے یہ کیا؟ میں نے یہ اور باقی تمام کچھ کیوں کیا؟ یہ میں نہیں جانتا۔۔۔ میں مشتعل نہیں تھا۔ میں نے اس سے متعلق سوچا بھی نہیں۔۔۔ میں رات کا کھانا کھانے بیٹھا اور اس سے متعلق بالکل نہیں سوچا۔۔۔"

البرٹ ڈی سالوو

ڈی سالوو کے معاملے میں ہم بوسٹن کا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے ہیں کیونکہ یہ بحث اب تک چل رہی ہے کہ کیا واقعی ڈی سالوو ہی تشدد پسند' والا اور قاتل تھا؟ ڈی سالوو نے خود سب کچھ تسلیم کیا لیکن اسے کبھی ان جرائم ملی۔ جب اس نے اقبال جرائم کیا تو اس وقت سے پہلے ہی وہ عزت لوٹنے زور پر ڈاکہ ڈالنے کے جرم میں قید کاٹ رہا تھا' لہٰذا اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کے طور پر مجرم نہیں گردانا گیا۔ ڈی سالوو کے بھائی اور ایک گلا گھونٹنے سے ہلاک والے شخص کی بیٹی یہ کوشش کرتے رہے کہ مقدمے کو زندہ کرنے کے لیے قاتل کی جائے۔ دسمبر 2001ء میں ڈی سالوو کی لاش قبر کشائی کے بعد حاصل کی گئی تا تشخیص کے لیے اس کا ڈی۔ این۔ اے ٹیسٹ لیا جائے۔

ڈی سالوو کو 1973ء میں جیل کے اندر ہی تیز دھار آلہ گھونپ کر قتل کر تھا۔ ایک رات پیشتر اس نے ڈاکٹر سے ملنے کا وقت لے رکھا تھا اس نے ڈاکٹر اہم بات کرنا تھی۔

جس کسی نے بھی وہ جرائم کیے جو بوسٹن کے گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے قاتل کے کھاتے میں ڈالے گئے اس کی شناخت نہیں ہو سکی لہٰذا اس کتاب میں بجائے اس قاتل کے کام کے حوالے سے اسے جگہ دی گئی ہے۔ یہ باب ڈی سالوو جارج ناصر سے منسوب ہے کیونکہ وہ ایسے جرائم میں ملوث رہے ہیں۔

14 جون 1962ء سے 4 جنوری 1964ء تک بوسٹن کے علاقے میں 13 عورتوں کی عصمت لوٹی گئی' انہیں جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر ان کا کپڑے گئے رسے سے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا۔ سرکاری طور پر تسلیم کیے گئے گیارہ عورتوں قتلوں میں شامل چھ عورتوں کی عمر 55 سے 75 کے درمیان تھی جبکہ دو دیگر مقتولہ عورتوں عمر 85 اور 69 سال تھیں۔ باقی پانچ مقتولہ عورتوں کی عمریں 19 سے 23 سال تک تھیں۔

گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے والے شخص کی حقیقی شناخت کے قطع نظر یہ اظہر من الشمس ہے کہ سفاک قاتل انتہائی ایذا رساں اور ظالم شخص تھا اور وہ انتہائی اور خوفناک حد تک بری شخصیت رکھتا تھا۔ اس بات کے شواہد ملے ہیں کہ وہ موت کے بھی مقتولوں کی بے حرمتی کے علاوہ ان کی لاشوں کو مسخ کرتا رہا۔ وہ اپنے شکار کو جب

پھینکتا تو اسے ایسی حالت میں رکھتا کہ لاش کے دریافت ہونے پر دیکھنے والوں جن میں عام لوگ' پولیس' رشتہ دار یا مقتولہ کے کنبے کے افراد شامل ہوتے سب کی پہلی نظر اس کے ستر پر پڑے۔ اسی سے قاتل کی کمینہ فطرت کے بارے میں اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بوسٹن کے اس قاتل میں انسانی جان لینے کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی بدچلنیوں کا سراغ ملتا ہے۔ اس کی ایک شکار کی چھاتی پر اس نے چاقو سے ہلکے ہلکے کٹ لگا کر بیل کی آنکھ بنا رکھی تھی۔ ایک مقتولہ کو اس نے بستر میں اس طرح بٹھا رکھا تھا کہ اس کے منہ سے بہنے والا پانی اس کی چھاتیوں پر گر رہا تھا۔ ایک چار انچ کی لکڑی اس کی ٹانگوں میں پھنسا رکھی تھی۔ ایک کے پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان اس نے "نیا سال مبارک ہو" کا کارڈ پھنسا رکھا تھا۔

البرٹ ڈی سالوو نے تفصیل کے ساتھ تقریباً ایک سو قتلوں کا اعتراف کیا۔ اس کے باوجود ماہرین کا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے جرائم سے متعلق تفصیل سے بتا سکتا تھا جبکہ وہ ذہنی امراض کی انسٹی ٹیوٹ میں جارج ناصر کے ساتھ قید تھا اور جو حقیقی طور پر بوسٹن کا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے والا عورتوں کا قاتل تھا۔

ایک موقع پر ڈی سالوو کو ناصر کے ساتھ اکٹھے بند بھی کیا گیا۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ماہرین کی نظر میں ناصر انتہائی ذہین اور حکمت عملی سے قتل کرنے والا تھا۔ اس نے ایک پٹرول پمپ پر کام کرنے والے کو پھانسی دینے کے انداز میں جان سے مارا۔ گلا دبا کر مارے جانے والے جو دو افراد اس کے ہاتھوں اتفاق سے بچ نکلے تھے انہوں نے ناصر کو شناخت بھی کیا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے کے کسی مقدمے میں ملوث نہیں کیا گیا۔

ڈی سالوو کی معصومیت کے امکان میں کچھ کہانیاں بھی ہیں مثال کے طور پر یہ کہ وہ اپنے کنبے کے ساتھ ایک بہت بڑے مالی معاملے کے حقوق فروخت کرتے گیا اور یہ کہ اس کی یادداشت فوٹو گرافی کے کیمرے کی طرح تھی کہ جو کچھ بھی اس کی نظر کے سامنے آتا وہ اس کے حافظے میں محفوظ ہو جاتا۔ وہ جرائم کی جو تفاصیل بتاتا وہ اس نے سنی یا پڑھی ہوتیں۔ کوئی جرم کا ارتکاب کرنے والا اپنی ہی کرتوتوں کو بیان کرنے میں اونچ نیچ کر سکتا ہے ڈی سالوو ایسا نہیں کر سکتا تھا بلکہ وہ جھوٹ کو سچ ثابت کر سکتا تھا۔

ڈی سالوو کے جرائم کی تفصیل میں اس کا پیشہ ''ناپ تول اور پیمائش کرنے ہونے کی وجہ سے اور پتلونوں کو سبز رنگ کرنے والے شخص کے نام پر ''گرین مین'' کارروائیوں کا بڑا حصہ شامل ہے۔

گلا گھونٹ کر قتل کی وارداتوں کی ابتدا سے پہلے ڈی سالوو دھوکہ دہی سے لڑ کو احمق بناتا رہا تھا۔ وہ جوان عورتوں کے گھروں میں کسی نہ کسی بہانے جاتا اور ان کو کہ وہ ''ماڈل ایجنسی'' کا آدمی ہے اور وہ ان کو اخبارات و رسائل اور ٹی وی کمر جاسکتا ہے۔ تفصیلات میں وہ چکمہ ہوتا جس میں گرفتار ہو جانا عورتوں کی کمزوری ہوتی۔ ان کو بتاتا کہ ان کی تنخواہ چالیس ڈالر فی گھنٹہ ہوگی اور ان کی ماڈلنگ میں عریانیت کم کی ہوگی۔ بس انہیں نائٹ گون پہننا ہوگا یا تیرنے کا لباس۔ ناپ تول اور پیمائش کے پیشے میں وہ ماڈل بننے کی خواہشمند لڑکیوں کو پھانس لیتا۔ وہ ان سے رقم بٹورتا اور بعض کے ساتھ تنہائی کے لمحات گزارنے پر بھی آمادہ ہو جاتیں۔

بعض اوقات ماڈلنگ کے اس چکمے کے بعد ڈی سالوو چکمہ میں آجانے عورت کے گھر زبردستی داخل ہو جاتا۔ اسے باندھ لیتا اور اس کا انڈرویئر اس کے منہ ٹھونس دیتا' پیار سے اس کو تھپکیاں دیتا اور اپنی جنسی پیاس بجھانے کے بعد اسے ز چھوڑ دیتا۔ عورتوں کے پولیس کو ڈی سالوو کی وارداتوں کے بارے میں بتانے کے ب اسے گرفتار کرلیا گیا اوراس نے اپنے جرائم کا اعتراف کرلیا۔ لہٰذا اسے جیل بھیج دیا گیا۔

گلا گھونٹ کر قتل کرنے کی واداتیں ڈی سالوو کے جیل سے رہا ہونے کے بعد شروع ہوئیں۔

البرٹ ڈی سالوو ستمبر 1931ء میں بوسٹن میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک شرابی تھا۔ اس نے اپنے بچوں کو چوری کرنے کے طریقے سکھائے اور اکثر وہ کسی طوائف کو گھر لے آتا اور اپنے بچوں کو مجبور کرتا کہ وہ دیکھیں کہ طوائف سے کیا کام لیا جاتا ہے نوجوان ڈی سالوو پہلے ہی طوائفوں اور ہم جنس پرستوں سے پیسے کی خاطر راہ و رسم رکھتا اور تمام بری اور گمراہ حرکات سے واقف تھا۔ اب اس کی جنسی ہوسناکی بھی اپنے عروج اور اس کے اندر ایسی کئی بد عادات مستحکم ہو چکی تھیں کہ وہ بوسٹن کا گلے گھونٹنے والا قاتل

کیا جاسکتا تھا۔

اپنی جوانی کے بیسویں سال میں اس نے فوج میں شمولیت اختیار کی اور ایک جرمن دوشیزہ سے شادی کی جس کے نتیجے میں ان کے ہاں ایک معذور بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد جرمن دوشیزہ نے اس کو اپنی قربت کا موقع نہیں دیا مبادا پھر کوئی اور معذور بچہ نہ پیدا ہو جائے۔ بچے کی پرورش میں ڈی سالوو کی جنسی جبلت مکمل طور پر غلط کاری کا شکار ہوگئی اور وہ ایک قسم کا باؤلا ہوگیا۔ اسی باؤلے پن کے تحت وہ ماڈلنگ کا چکمہ تسکین ذات کے لیے استعمال کرتا رہا تھا۔

بالآخر ڈی سالوو کو گرفتار کرلیا گیا کیونکہ ایک ''گرین مین'' کی حیثیت سے اس نے نیو انگلینڈ میں کثیر جرائم کئے تھے۔ جب وہ ''گرین مین'' کی حیثیت سے جیل میں تھا تو اس نے تسلیم کیا کہ اس نے کم از کم تین سو عورتوں کو اپنی جنسی جبلت کا نشانہ بنایا ہے۔ تب ہی اس نے اپنی کوٹھڑی کے دوسرے مکین قیدی جارج ناصر سے متعلق بتایا کہ حقیقتاً بوسٹن کا دم گھونٹنے والا قاتل وہ ہے۔ ناصر نے اپنے وکیل ایف ٹی بیلی کو بتایا کہ جو کچھ اس سے متعلق کہا گیا ہے وہ سچ ہے۔ بعد میں ڈی سالوو سے کی جانے والی ملاقاتوں کے نتیجے میں جارج ناصر کے وکیل کو اپنے موکل کے بوسٹن کا گلا گھونٹ قاتل ہونے پر یقین ہوگیا۔

ڈی سالوو کو کبھی بوسٹن کا قاتل ہونے کے الزام میں مقدمے کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ استغاثہ نے اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے پاگل ہونے کی بنا پر اپنا دفاع کرسکتا ہے۔ تاہم وہ ''گرین مین'' کے جنسی حملوں کے مقدمے میں ماخوذ ہوا اور ڈکیتی کے الزام میں بھی سزا پائی۔

ڈی سالوو کو جیل میں ہی ''گرین مین'' کے جرائم کی سزا بھگتنے کے دوران قتل کر دیا گیا جس کو حکام نے جیل کا جھگڑا قرار دیا۔

بعد کی بات

دسمبر 2001ء میں البرٹ ڈی سالوو کی لاش کو اس کے کنبے اور اس ک
شکار کے رشتہ دار کی فہمائش پر قبر سے ڈی۔ این۔ اے معائنے کے لیے نکالا گ
دونوں میں سے کوئی بھی یہ یقین نہیں رکھتا تھا کہ ڈی سالوو گلا گھونٹ کر ہلاک کر
ہے۔۔۔ اس تحریر کے منظر عام پر آنے تک کوئی ڈی۔ این۔ اے رپورٹ حاص
ہوئی۔

=======☆=======

70

پیٹرسٹ کلف

”یارک شائر کا قاتل“

(1946ء تا)

”مجھے گرفتار نہ کر سکنے پر میں تمہیں بدقسمت دیکھتا ہوں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم لڑکے اپنے آپ کی بے عزتی کر رہے ہو۔۔۔ تم تو ذرا بھی مفید نہیں ہو کیا تم مفید ہو سکتے ہو؟۔۔۔ میں کچھ عرصے کے لیے اپنا کام کرتا رہوں گا اس کے باوجود اگر تم میرے نزدیک پہنچ گئے تو میں پھر بھی تم سے پہلے خودکشی کرلوں گا۔۔۔ خوب' تم سے گفتگو اچھی رہی۔۔۔ تمہارا۔ جیک دی ریپر“

برطانوی پولیس کو بھیجی گئی یارک شائر کی طرف سے مزاحیہ ریکارڈنگ کہ پولیس پیٹرسٹ کلف سے دور رہے

تھی ٹرک میں ایک ایسا آدمی ہے جس کی پوشیدہ لیکن غیر فطری
متحرک کر دیا جائے تو وہ پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں گی' اس کی
اس کے گرد و پیش پر چھا جائے گی۔ بہتر ہے کہ اسے سیاسی رجسٹر
پیٹر سٹ کلف کے ٹرک سے ملنے والی

پیٹر سٹ کلف ان دنوں براڈمور انگلستان کی مینٹل انسٹی ٹیوٹ میں وہاں کی رپورٹیں یہ بتاتی ہیں کہ اس کی ذہنی حالت مزید ناگفتہ بہ ہو گئی وزن بے انتہا بڑھ گیا ہے۔ اسے دماغی امراض کی اس انسٹی ٹیوٹ میں اپنے کی پاداش میں تیرہ بار عمر قید کی سزا ملنے کے بعد بھیجا گیا تھا۔

پیٹر سٹ کلف کو 2 جنوری 1981ء کو اپنی گاڑی غلط مقام پر کھڑی جرم میں گرفتار کیا گیا۔ اس نے پولیس کو اپنا نام پیٹر ولیم بتایا اور پھر پولیس کے سے قبل اس نے پیشاب کرنے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی چنانچہ جھاڑیوں میں پیشاب کرنے چلا گیا۔ پھر وہ پولیس کے ساتھ چلا گیا۔ اگلی صبح پر پولیس کے سپاہی نے اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں وہ پیشاب کرنے گیا تھا۔ وہاں ایک گول ہتھوڑا اور لمبا سا چاقو ملا۔ یہی وہ ہتھیار تھے جو یارک شائر کا قاتل استعمال کرتا تھا۔

پیٹر سٹ کلف اگر اپنی گرفتاری سے پہلے پیشاب نہ کرتا تو اگلے پانچ سال پولیس کو دو لاکھ پچاس ہزار ملاقاتیں کرنا پڑتیں اور نہ ہی 32 ہزار بیانات دینے پڑتے نہ ہی 21 ہزار گھروں کو کھنگالنا پڑتا۔ بہرحال پولیس کو یہ محنت بلکہ مشقت کرنا پڑی اور کہیں جا کر پولیس نے اس پیشاب کرنے والے پیٹر ولیم کو پیٹر سٹ کلف کے ہونے والے بھیانک جرائم کے نتیجے میں گرفتار کیا۔

پیٹر سٹ کلف جو یارک شائر کا قاتل تھا' نے مغربی یارک شائر' انگلستان 1975ء سے 1980ء تک خوف و دہشت میں مبتلا کیے رکھا۔ اس نے بیس عورتوں پر کیے جن میں سے تیرہ جانبر نہ ہو سکیں۔ مرنے والی ان عورتوں کی عمریں سولہ سال سے کر 47 سال تھیں اور زیادہ تر طالبات اور گھریلو خواتین یا پھر طوائفیں تھیں۔ ان سب گول ہتھوڑے سے ضربیں لگائی گئی تھیں اور پھر ان کو چاقو کے پے در پے زخم لگائے گئے

تھیں ان سے حرام کاری بھی کی گئی تھی اور ان کی لاشوں کو مسخ بھی کیا گیا تھا۔ ایک عورت کا پیٹ اس بے دردی سے زخمی کیا تھا کہ زخموں کی راہ اس کی آنتیں باہر نکل آئی تھیں۔

قاتل عورتوں کو زخم لگانے کے لیے مختلف قسم کے چاقو استعمال کرتا تھا جس میں زیادہ تر کچن میں استعمال ہونے والے یا کھرچنے والے چاقو چھرے ہوتے۔ تاہم ایک موقع پر اس نے فلپ کینچی کا پیچ کس بھی استعمال کیا۔ اس کا تیسرا شکار ایک عورت تھی جو اپنے خاوند کے ایماء پر قاتل سے زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹورنے میں کوشاں تھی۔ سٹ کلف نے اس کے سر پر اپنے گول ہتھوڑے کی دو ضربیں لگائیں اور پھر سرے سے تیز کیے ہوئے پیچ کس سے اس کی گردن' چھاتی اور پیٹ پر زخم لگائے۔ اس نے اپنے بوٹ کے تلوے کا نشان بھی مقتولہ کی ران پر چھاپا اور پھر اسے قتل کیا۔

اپنے زیادہ تر شکاروں کو اس نے اسی طریقے سے قتل کیا۔ وہ ان کے سر میں گول ہتھوڑے سے ضرب لگاتا پھر ان کو چاقوؤں سے گھائل کرتا۔ اس کے لگائے ہوئے زخم بعض عورتوں پر پچاس کی تعداد تک تھے۔ وہ بعض عورتوں کے ظاہر اعضاء کی شکل قابل شناخت حد تک بگاڑ دیتا۔

سٹ کلف نے پہلا حملہ 4 جولائی 1975ء کو کیا۔ عورت کا نام اینا تھا۔ اس نے اینا کے سر پر اپنے گول ہتھوڑے سے ضربیں لگائیں پھر اینا کا پیٹ ننگا کر کے اس پر چاقو سے زخم لگائے۔ عورت کے بے پناہ شور مچانے پر جب ایک شخص اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بھاگ نکلا۔ عورت کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں ہنگامی حالات کے تحت بارہ گھنٹے تک اس کا آپریشن ہوا۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تھی لیکن وہ بچ گئی۔ تاہم تب سے اب تک وہ خوف و دہشت کا شکار ہے۔ وہ گھر سے بہت ہی کم باہر نکلتی ہے اور اگر نکلتی ہے تو سڑک یا راستے کے درمیان چلتی ہے اور اکثر یہ کہتی سنی جاتی ہے کہ کاش وہ حملے کی رات ہی مر گئی ہوتی۔ اسے ہر لمحے مرنا نہ پڑتا۔

سٹ کلف کو اپنے دوسرے حملے میں بھی پہلے کی طرح ناکامی ہوئی اور عورت بچ نکلی۔ اس کا دوسرا شکار ایک عورت دس دن ہسپتال میں رہی۔ خود تو وہ خوف و دہشت کا شکار تھی ہی اس کی بیٹی کو بھی اعصابی خلل ہو گیا۔ وہ ہر وقت یہ سوچتی رہتی کہ اس کی ماں

سٹ کلف کے قتل کا پہلا نشانہ ولما میکن تھی۔ اس اٹھائیس سالہ عورت کو اس نے 30 اکتوبر 1975ء کو قتل کیا۔ اس نے ولما کے سر کی پچھلی جانب مخصوص ہتھوڑے سے دو ضربیں لگائیں۔ پھر اس کی گردن، چھاتی اور پیٹ پر چاقو سے پندرہ وار کیے۔ پولیس نے عورت کے جسم پر سے مردانہ مادۂ تولید بھی حاصل کیا۔

قاتل کا دوسرا شکار ایملی جیکسن بیالیس سالہ عورت تھی۔ اس نے ایملی کے سر کے پچھلے حصے کو ضرب لگائی لیکن اپنے مخصوص ہتھوڑے کی بجائے اب کے اس نے بوٹ کی ٹھوکر سے کام لیا۔ جب وہ زمین پر گر پڑی تو پھر اس نے اسے ظالمانہ انداز ٹھوکریں مار مار کر ہلاک ہی کر دیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں ظاہر کیا گیا کہ قاتل نے کی لاش کی انتہائی بے حرمتی کی۔ قاتل کے مادۂ تولید میں خون بھی تھا لہٰذا یارک شائر پے در پے قتل کرنے والے کا خون "نایاب بی" قسم کا تشخیص کیا گیا۔

جب قاتل کی آخری مقتولہ جیکولن ہل کی لاش 1980ء میں دریافت ہوئی ایک برطانوی اخبار نے لکھا کہ کیا واقعی ایک شخص یہ سب کچھ کر سکتا ہے؟ قاتل کی گرفتاری کے بعد پولیس نے پیٹر سٹ کلف سے نو مرتبہ پوچھ گچھ کی لیکن نہ تو اس کی شناخت بطور قاتل کے ہو سکی اور نہ ہی ایک شخص کے علاوہ کسی نے اس پر قاتل ہونے کا شک ہی کیا۔ البتہ ایک سراغ رساں نے لکھا کہ وہ ہی یارک شائر کا قاتل ہے۔

سٹ کلف ایک "خدائی فوجدار" تھا اور خدا نے اسے گلیوں اور بازاروں سے طوائفوں کو ختم کرنے کا کام سونپا تھا۔ "ہاں کلیاں صاف کر رہا تھا۔"

قاتل بننے سے پہلے سٹ کلف بنگلے کے مردہ گھر میں گورکن تھا۔ وہاں سے اسے ایک قبر کے اندر سے "خدا" کی آواز نے حکم دیا کہ وہ دنیا کو طوائفوں سے پاک کرے۔ بعد میں اس کے اس دعوے کو محض اپنے دفاع کا ایک بہانہ خیال کیا گیا۔

22 مئی 1981ء کو پیٹر سٹ کلف کو 13 عورتوں کا قاتل ٹھہرایا گیا اور اسے 13 مرتبہ عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ ازاں بعد یارک شائر کی عورتوں نے سکھ کا سانس لیا۔ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ان کا دشمن ساری عمر کے لیے براڈ مور کی جیل میں ہے — لیکن وہ جو قاتل کے حملوں سے بچ چکی تھیں، ان کا ذہنی خوف قاتل کی اس سزا سے بھی دور نہیں ہوا۔

71

فریڈ ویسٹ
اور
روز میری ویسٹ

(1941ء تا 1995ء) (1953ء تا)

"بہتر ہے کہ تم گھر واپس پہنچ جاؤ۔ وہ پتھر کی تلاش میں باغ کی کھدائی کرنے والے ہیں—"

روز میری ویسٹ کا فریڈ ویسٹ کو اس روز کا فون
جس روز پولیس ان کے گھر وارنٹ لئے پہنچی۔

فریڈ ویسٹ کی بد اخلاقیوں کا مظاہرہ انسانی ذہن کو چکرا کر رکھ دیتا ہے۔ اس

کے جرائم اس کی بداعمالیوں کی ایک لمبی فہرست پیش کرتے ہیں جیسے اپنی بیٹیوں سے کی بلوغت سے پہلے ہی اپنی طلب کے تحت حرامکاری کرنا اور اپنی بیوی سے بدکاری کر نوجوان عورتوں کو ایک ہی وقت پر خوفناک آزار دہی اور آزار کشی اور جنسی کجروی کا بنانا۔ اس کے بعد ان کے اعضا کی قطع برید اور ان کا بہیمانہ قتل کرنا وغیرہ ہیں۔

فریڈ کی بیوی روز میری اپنے خاوند کی شراب اور فحاشی کی محفلوں' کمرہ جر تعلقات' ایذا دہی و ایذا رسانی اور قتلوں میں باقاعدہ شامل تھی اور اب انگلستان کی جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہی ہے۔ فریڈ اس کا ساتھ دینے کے لیے موجود نہیں ہے۔ اس 1995ء کے سال نو کے دن اپنی کوٹھڑی میں پھانسی لے کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا اس کے بھائی جوہن نے فریڈ کو اپنی نو سالہ بیٹی سے حرام کاری کی اجازت دے رکھی جب جوہن کی بیٹی کے کرتوت بھی سامنے آئے تو اس لڑکی نے بھی بدنامی سے بچنے لیے خودکشی کا سہارا لیا۔

فریڈ اور اس کی بیوی مختلف ترغیبات سے نوجوان عورتوں کو اپنے گھر واقع کراموِیل سٹریٹ' گلوسسٹر' انگلینڈ میں بلاتے اور پھر انجام کار ان کو قتل کرتے اور ان کے اعضا الگ الگ کر کے ان کو اپنے گھر کے عقبی باغ میں دبا دیتے اور پھر باغ کے اس حصے کو پختہ صحن کا حصہ بنا دیتے۔ فریڈ صرف اپنے مقتولوں کو ٹکڑے کر کے دفن ہی نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور انگوٹھے علیحدہ کرتا' گھٹنوں کے اوپر کی چپنیاں الگ اتار لیتا اور ان کو باقی جسم کے ساتھ مٹی میں نہ دباتا۔ کیا یہ کوئی شیطانی رسم تھی؟ یا کوئی احتیاطی تدبیر تھی؟ یا یہ کوئی فریڈ کی نفسیات کا حصہ تھا کہ وہ انسانی جسم کے ٹکڑوں پر انوکھا عمل ضرور کرتا تھا؟

فریڈ اور روز میری ویسٹ کے ستم کے شکاروں کی عمریں آٹھ سال سے اکیس سال تھیں۔ 1994ء میں فریڈ کی گرفتاری کے بعد پولیس نے ان کے باغ سے سیمنٹ کردہ حصے کو اکھاڑ کر نیچے مٹی میں کھدائی کر کے 12 انسانی ڈھانچے نکالے۔ ان میں فریڈ کی اپنی سولہ سالہ بیٹی ہیتھر کا ڈھانچہ بھی شامل تھا جسے 1987ء میں گم شدہ قرار دیا گیا تھا لیکن جو حقیقتاً اپنے ہی ماں باپ کے ہاتھوں 1987ء کے سال کے ماہ جون میں قتل ہوئی تھی۔ روز میری ویسٹ نے پولیس کو بتایا کہ ان کی بیٹی ان کو 1987ء میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

ئے اور ہم جنس پرستی کی عادی تھی اس لیے وہ ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ باغ میں اس کی لاش کو گیارھویں نمبر پر دبایا گیا تھا۔ وہاں سے ایک ایسی لڑکی کا ڈھانچہ بھی برآمد ہوا جسے انہوں نے اپنے پہلے مکان میں ایک کوٹھڑی کے اندر جلایا تھا۔ فریڈ نے پولیس کو بتایا کہ ہیتھر کے سر نے کچلے جانے پر خوفناک آواز نکالی تھی۔ اسے اپنی بیٹی کو دوبارہ مارنا پڑا کیونکہ جب وہ اس کے اعضاء کاٹ رہا تھا تو اس نے اٹھ کر چلنا شروع کر دیا تھا اور وہ اپنے کام میں تاخیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

جب فریڈ کی عمر بیس سال تھی تو اس نے ایک تیرہ سالہ لڑکی کو حاملہ کر دیا تھا۔ اس بات پر بڑی لے دے ہوئی اور کہا گیا کہ دیکھو' اس بدذات نے لڑکی کی عزت لوٹی ہے اور اسے رسوا کیا ہے۔ ''مجھے تو کچھ بھی غیر معمولی معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ لوگ نہ جانے کیوں مجھ پر انگلیاں اٹھا رہے تھے۔'' فریڈ کے نزدیک اگر جنسی تعلقات کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ اپنی بیٹی ہی سے کیوں اس کی بلوغت سے پہلے حرام کاری کرتا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ جو کچھ اس کی بیٹی' بھتیجی اور تیرہ سالہ لڑکی کو ہوا' اس نے ان سے حرام کاری ان کو وہ کچھ بنانے کے لیے نہیں کی تھی جو وہ بن گئیں۔

نومبر 1962ء میں فریڈ نے رینا کوسٹیلو سے شادی کی۔ اس وقت رینا حاملہ تھی اور اس کے ہونے والے بچے کا باپ ایشیائی تھا۔ جب شرمین پیدا ہوئی تو فریڈ نے بچی کے والدین کو بتایا کہ ان کی اصل بچی تو زچگی کے دوران ہی میں مر گئی تھی اور اس نے ایک ایشیائی بچی کو گود لے لی ہے۔ تاہم تھوڑے ہی عرصے بعد فریڈ نے رینا کو چھوڑ دیا اور روز میری سے ملنے لگا۔ یہ روز میری تھی جس نے شرمین کو آٹھ سال کی عمر میں قتل کیا۔ فریڈ نے شرمین کو دبایا اور اس جرم کے خوف سے روز میری فریڈ کے ہر معاملے میں شریک رہی۔ یہ بھی ہوا کہ رینا کی موجودگی کے دوران فریڈ نے اس کی ایک دوست کو بھی حاملہ کر دیا اور پھر اسے مار دیا۔ اس کی لاش دریافت ہونے پر اس کے پیٹ سے بچے کا ڈھانچہ سا بھی برآمد ہوا۔ اس نے رینا کو بھی طلاق نہیں دی تھی یا چھوڑا نہیں تھا' قتل ہی کیا تھا اور اس کی لاش ان کے گھر سے دس میل دور ملی تھی۔ انہی ایام میں اتفاقیہ طور پر اس کے آئس کریم ٹرک کے نیچے ایک چھوٹی سی لڑکی بھی آ کر مر گئی لیکن اس موت کو ''اتفاق'' کی وجہ سے فریڈ کے کھاتے میں نہیں ڈالا گیا۔

جب ریٹا اور شرین منظر سے غائب ہو گئے تو فریڈ اور روز
لڑکیوں کو اپنے "تہ خانہ گھر" میں ترغیبات سے بلا کر شروع کر دیتے
لیجی کی جاتی" باندھ کر رکھا جاتا ہے ایک متشدد عمل کے بعد
پھر ان کے ٹکڑے کر کے ان کو باغ میں دبا دیا جاتا۔

1973ء میں انھوں نے ایک بیس سالہ لڑکی اور ایک چودہ سالہ
طرح کا رواجی سلوک کر کے ان کو ٹھکانے لگایا۔ اکیس سالہ لوسی پارٹنگٹن
نگار مارٹن ایمس کی بھتیجی تھی سے بھی یہی سلوک ہوا۔

1974ء میں ان کا شکار 21 اور 15 سال کی لڑکیاں تھیں۔

1975ء میں فریڈ اور روز میری نے امریکہ کے ایک
سالہ لڑکی کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر دنیا سے رخصت کیا۔

1978ء میں انھوں نے ایک اٹھارہ سالہ حاملہ لڑکی کو بھی بے
1979ء میں ان کے شکار کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

ان جملہ تشدد آمیز جنسی کارروائیوں اور قتل پر منتج ہونے والی وارداتوں میں
میری فریڈ کی برابر شریک کار رہی۔ ایک شکار کو انھوں نے شکنجے پر بستہ باندھ دیا اور فریڈ
اپنی کمر کی پیٹی سے لڑکی کو اس کے نازک حصوں پر ضربیں لگائیں اور لڑکی جب
بدحال ہو کر رہ گئی تو تسکین بہم پہنچانے کی خاطر روز میری نے فریڈ کی بجائے اس
مصنوعی جنسی عمل کیا۔ پھر دونوں نے اسے مل کر قتل کر ڈالا۔

پولیس کے سامنے ابتدا میں تو روز میری نے ہر بات سے انکار کیا اور سارا
فریڈ کے سر ہی تھوپا۔ لیکن اس کی یہ چال مزید تحقیقات کے نتیجے میں ناکام رہی اور روز میری
کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ حال ہی میں روز میری نے بتایا کہ وہ ایک فریڈ جیسے ہی مجرم
جیل کے اندر اور قید ہی میں شادی کرنے والی ہے۔ اس نے ایک خط میں لکھا ہے:

> "یہ سچ ہے کہ ہم شادی کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ہم جیسے ہیں
> اور جو بھی ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔
> ہم دونوں کو ایک دوسرے کی بہت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
> وہ مجھ جیسی عورت جیسی کہ میں ہوں سے محبت کرتا ہے۔"

72

چارلس سٹارک ویدر
اور
کارل این فیوگیٹ

(1938ء تا 1959ء)(1943ء تا   )

"میں جتنا لوگوں کو دیکھتا میری نفرت ان سے اتنی ہی بڑھتی جاتی۔ میں ان سے نفرت کرتا تھا کیونکہ جن لوگوں کو میں جانتا تھا ان میں سے کوئی بھی میرا نہ تھا۔۔۔ ان پر خدا کی لعنت ہو وہ سب کتیوں کے بچے ہر وقت کسی ایسے شخص کی تلاش میں رہتے جس کا وہ ٹھٹھا اڑا سکیں۔۔۔ یہ مسکین لوگ سوائے چوزوں کو خوراک کھلانے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔۔"

چارلس سٹارک ویدر

چارلس سٹارک ویدر نے ایک پیٹرول پمپ کے ملازم کو ہلاک کیا۔ پھر اس نے اپنی ایک دوست کے خاندان کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد وہ ایک ہفتہ جشن موت مناتا رہا یعنی اس عرصے میں اس نے سات لوگوں کو گولی کا نشانہ بنایا۔ سٹارک ویدر کو برے لوگوں کی اس صف میں شامل کرنے کی "خوبی" یہ ہے کہ انتہائی بداخلاقی کے علاوہ اسے انسانی زندگی کا کوئی لحاظ نہ تھا اور وہ محض اپنے تفنن طبع کے لیے کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کو ہر وقت تیار تھا۔ اس کے ظلم کے شکاروں میں ایک معصوم دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔

ویلڈا اور میرئن بارلے کو اپنی شکاری رائفل سے گولیوں کا نشانہ بنانے کے بعد (جبکہ ان کی چودہ سالہ بیٹی یہ ظلم و زیادتی مجبوراً دیکھتی رہی) انیس سالہ سٹارک ویدر ان کی دو سالہ بیٹی جین بارلے کے کمرے میں گھسا اور اپنی رائفل کی نالی بچی کے گلے پر رکھ کر اس زور سے دبائی کہ بچی گلا گھٹنے سے مر گئی۔

بیٹی جین بارلے کی سوتیلی بہن اور ویلڈا کی اپنی بیٹی چارلس سٹارک ویدر کی گرل فرینڈ کارل این نیو گیٹ جو ان تمام قتلوں کو دیکھتی رہی تھی' اٹھی اور اپنے رہنے کے کمرے میں گئی اور اپنا پسندیدہ ٹی۔ وی پروگرام دیکھنے لگی۔ جس طرح کارل این فیوگیٹ کا یہ طرز عمل ناقابل یقین ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ناقابل یقین ہے (لیکن یہ سب کچھ سچ ہے) کہ اس سب کچھ کے بعد چارلس سٹارک ویدر بارلے خاندان کے باورچی خانے میں گیا اور اس نے اپنے لیے اور کارل این کے لیے سینڈوچز بنائے۔

رابرٹ کولورٹ ایک چوبیس سالہ نوجوان تھا اور ایک پیٹرول پمپ پر کام کرتا تھا۔ وہ چارلس سٹارک ویدر کا پہلا شکار ہونے والا تھا۔ یکم دسمبر 1957ء کو سٹارک ویدر اپنی گاڑی کو اس پیٹرول پمپ پر لے گیا جہاں کولورٹ کام کر رہا تھا۔ اس کو سٹارک ویدر نے اسلحے کے زور پر لوٹا۔ اسی بات پر ہی اکتفا نہیں کیا اس نے زبردستی کولورٹ کو اپنی گاڑی میں ڈالا اور اسے لنکن نیبر اسکا کے بنجر اور ویران میدانوں میں لے گیا اور وہاں اس کے سر میں کئی گولیاں مار کر اس کو جان سے مار دیا۔

رابرٹ کولورٹ کے قتل کے دو ماہ بعد وہ بارلے خاندان کے گھر بیٹھا اپنی دوست کارل این کی سکول سے آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ وہاں اپنی شکار کی 22 کیلیبر

رائفل ساتھ لے گیا تھا۔ وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے رائفل کو گود میں رکھے اس پر ہاتھ پھیر کر اس سے اپنے پیار کا اظہار کر رہا تھا۔

اچانک وہاں مسز بارلے آ گئی۔

وہ اس گستاخ لڑکے کو وہاں بیٹھے اور بڑی بے خوفی سے رائفل کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر بپھر گئی۔ وہ سٹارک ویدر تک پہنچی اور اس پر چیخنا چلانا شروع کر دیا کہ وہ یہ پسند نہیں کرتی کہ سٹارک ویدر ان کے گھر کے گرد منڈلاتا رہے اور ان کی بیٹی سے ملاقاتیں کرتا رہے۔ ویلڈا نے اسے اس قدر لتاڑا کہ آئندہ وہ ان کے گھر کا رخ ہی نہ کر سکے۔

سٹارک ویدر نے پہلا اقدام یہ کیا کہ وہ بھی اونچی آواز سے جواباً چلایا۔ اس پر خفا ہو کر مسز بارلے نے وہ غلطی کی جو اس کی موت کا سبب بنی۔ اس نے سٹارک ویدر کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔ سٹارک ویدر نے بھی جواباً اسے مارا۔ اس پر ویلڈا کے شوہر میرئین نے اپنی بیوی کے دفاع میں سٹارک ویدر پر حملہ کر دیا۔ اس پر سٹارک ویدر نے دونوں کو گولیوں سے اڑا دیا۔ تین قتلوں کے بعد سٹارک ویدر اور فیوگیٹ نے فیصلہ کیا کہ وہ چند دن کے لیے فیوگیٹ کے گھر پر ہی رہیں۔ انہوں نے گھر میں آنے والوں کے لیے باہر کے دروازے پر یہ اطلاع نامہ آویزاں کیا کہ اہل خانہ سخت قسم کے فلو میں مبتلا ہیں لہٰذا آنے والے احباب فوراً واپس چلے جائیں۔ انہوں نے آنے والے دو دن اکٹھے بستر میں ٹی۔ وی دیکھنے' اِدھر اُدھر کی فضول اشیاء کھانے اور باہم جشن مناتے گزارے۔ جب کھانے پینے کو کچھ نہ رہا تو وہ سات دن کی قتل و غارت' عیاشی اور ڈکیتیوں پر روانہ ہو گئے۔

پہلے انہوں نے ایک کسان کو اس کے گھر میں قتل کیا۔ پھر انہوں نے 2 نوعمر بچوں کو کار میں ڈال کر اغوا کیا۔ ان نوعمر بچوں میں ایک لڑکی تھی۔ وہ ان بچوں کو ایک ویران اور تنہا جگہ پر لے گئے جہاں فیوگیٹ کی موجودگی میں سٹارک ویدر لڑکی سے حرام کاری کرتا رہا۔ پھر اس نے دونوں بچوں کو قتل کر دیا اور فیوگیٹ جو حقیقتاً لڑکی سے حرامی کاری پر سٹارک ویدر سے ناراض تھی مگر اس نے غصہ لڑکی کی لاش پر نکالا اور ایک چاقو سے اس کے اعضاء قطع و برید کیے اور ساتھ ساتھ پاگل پن کا اظہار ان اعضاء کی نمائش کر کے کیا۔

انہوں نے اپنا عیاشی کا سفر جاری رکھا اور پھر ایک کاروباری شخص کے گھر میں

زبردستی داخل ہوئے۔ گھر میں ایک ملازم کام کاج میں مصروف تھا۔ سٹارک
فیوگیٹ نے اس آدمی کو باندھا اسے ایذا دی۔ مالک کی بیوی اور نوکرانی
پھر وہ دونوں اصل مالک کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ آیا تو اسے گھر
رکھتے ہی گولی سے اڑا دیا۔

وہ وہاں سے نکلے اور ایک سیلز مین کو اپنی گاڑی میں سوتے دیکھا۔ سٹارک
نے اسے بھی جان سے مار دیا اور اس کی کار کو چرانے کا فیصلہ کیا۔ ان کی بدقسمتی
سٹارک ویدر سیلز مین کی لاش اس کی گاڑی سے نکال رہا تھا تو پولیس کی گشتی گاڑی
گزری۔ فیوگیٹ نے فوراً اندازہ کر لیا کہ اب کیا ہوگا؟ اس نے سٹارک ویدر کو
پولیس کو بتایا کہ اسے سٹارک ویدر اغوا کر کے ساتھ لئے پھرتا ہے۔ قتل و خون کر رہا
اسے بھی رائفل سے اڑانے کی دھمکی دیتا ہے اور وہ مجبوری کی حالت میں اس کے
ہے۔

فیوگیٹ کی اس جھوٹی کہانی نے اس کی سزا کم کرنے میں مدد دی۔ دونوں کو
ہی قسم کے جرائم کی فرد جرائم دی گئی۔ سٹارک ویدر کو تو اپنے جرائم کی پاداش میں 25
1955ء کو برقی کرسی کے سپرد کر دیا۔ فیوگیٹ کو عمر قید کی سزا سنائی گئی لیکن اسے 1977
میں 32 سال کی عمر میں پیرول پر رہا کر دیا۔ اس وقت تک اس نے اٹھارہ سال کی
کاٹ لی تھی۔

سٹارک ویدر اور فیوگیٹ کی کہانی امریکہ کے پاپ کلچر کی علامت بن گئی ہے
کی وجہ سے مندرجہ ذیل فلمیں بڑی متاثر ہوئی ہیں۔ بیڈ لینڈز 1974ء' وائلڈ ایٹ ہارٹ
1990ء' ٹرو رومانس 1993ء' کیلیفورنیا 1993ء' نیچرل بارن کلرز 1994ء اور انہی فلموں
کی طرح بروس سپرنگس ٹین کا نغمہ نبراسکا نے بھی پاپ کلچر کو متاثر کیا ہے۔

☆

73

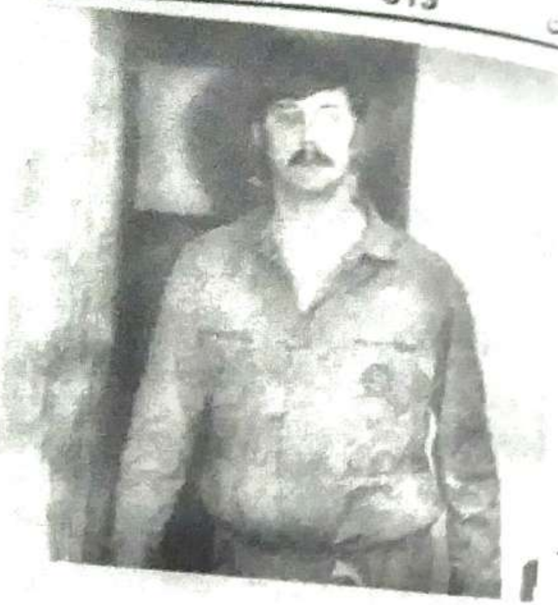

ایڈمنڈ کیمپر سوم

(1948ء تا)

"میرا ایک پہلو کہتا ہے۔۔ "واہ کتنا خوبصورت چوزہ ہے۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہوں گا اور ملنا چاہوں گا۔" میرا دوسرا پہلو کہتا ہے کہ اس کا سر کسی چھڑی پر کیسا نظر آئے گا۔"

جب ایڈمنڈ سے پوچھا گیا کہ وہ کسی خوبصورت لڑکی کو گلی میں چلتا ہوا دیکھ کر کیا سوچے گا۔۔۔۔ تو یہ اس کا جواب تھا۔

برائی کا سیاہ بیج کسی بھی عمر میں بویا جا سکتا ہے تاہم یہ جلد ہی پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ ایڈمنڈ کیمپر کے حوالے سے بھی ایسا ہی ہوا کہ بیج نے جلد ہی ٹہنیاں اور جڑیں پھیلا

دیں۔ سولہ سال کی عمر میں اس نے اپنے دادا دادی کو اپنی شکار کی رائفل سے قتل کیا متواتر اپنے دادا کی لاش کو ضربیں لگائیں۔ اس نے حکام کو بتایا کہ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ دادی کو گولی مارنا کس قدر حیران کن لمحہ ہوگا۔

اپنے جرم کے اقبال کے بعد ایڈمنڈ کو اٹس کیڈیرو سٹیٹ ہسپتال بھیج دیا گیا جہاں جلد ہی اس کے بارے میں تشخیص ہوگئی کہ وہ سماجی برائیوں کا مریض ہے۔ اسے اپنے دادی کی موت کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا اور ڈاکٹروں کو بتایا کہ جو کچھ اس نے کیا وہ اس کے بس سے باہر تھا۔ اٹس کیڈیرو میں اس نے اس وقت گریجوایشن کے کو کے سیمیناروں کی طرح گزرا اور اس نے متواتر زبردستی حرام کاری اور قتلوں کا سلسلہ چلا کے لیے اپنے ساتھی (مریضوں) قیدیوں کے کارنامے سنے اور ان کو گراں قدر اہمیت معلومات سمجھ کر مستقبل کے لیے محفوظ کرتا گیا۔ پھر جب اسے ذہنی امراض کے ہسپتال گیا تو بھی وہ وہاں اپنے مستقبل کے جرائم کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔ وہ بائبل کی تدریس دوران بھی بہتر انسان بننے کے لیے شامل نہیں ہوتا رہا بلکہ وہ جلد رہائی پانے کی فکر میں رہا

اناس کیڈیرو سے رہائی پانے کے بعد کیمپر کچھ عرصہ اپنی ماں کے ساتھ رہا جس کے ساتھ وہ تقریباً ہر وقت ہی جھگڑتا رہتا تھا۔ پھر وہ ایک دوست کے ساتھ ماں سے علیحدہ رہنے لگا۔ اس دوران یعنی بائیس تئیس سال کی عمر میں وہ بہت سی لفٹ مانگنے والی لڑکیوں کو بلا غرض اور بلا معاوضہ اپنی پولیس جیسی کار میں اِدھر سے اُدھر پہنچاتا رہا۔

جونہی اس کی عمر چوبیس سال کی ہوئی تو اس نے اپنے منصوبے پر شدومد سے عمل شروع کر دیا۔ اس کی پہلی تین شکار بالغ لڑکیاں میری این پیسے' انیتا لوچز اور آئیکو تھیں جن کو اس نے لفٹ دیتے ہوئے ہی اٹھایا تھا۔ اس نے ان کو قتل کیا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی' پھر ان کے ٹکڑے کیے اور ان کو ٹھکانے لگایا۔ اس نے ان کے سروں کو اس وقت تک اپنے پاس علامت کے طور پر رکھا جب تک کہ اس نے ان کے بقیہ اجسام کو ٹھکانے نہیں لگا لیا۔ یہ تینوں قتل اس نے اگست یا ستمبر 1972ء میں کیے۔

اس کی اگلی تین شکار کنڈی شال' روزا لنڈ تھراپ اور الائس لو تھیں۔ ان کو بھی اس نے لفٹ دیتے ہوئے غوا کیا اور ان سے بھی وہی کچھ کیا جو وہ اپنے پہلے تین شکاروں سے کر چکا تھا۔ تاہم اب کے وہ کنڈی شال کو قتل کرنے کے بعد اپنی ماں کے گھر لے

بیڈروم میں لے آیا۔ اب وہ پھر سے ماں کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔ وہ مسلسل اس لاش کے ساتھ سوتا رہا۔ اس کی رانوں سے نرم گوشت تراش کر اس نے اسے پکایا اور کریم رول کے رول میں کریم کی جگہ بھر کر اسے کھایا۔ گھر کے عقب میں اس نے کنیڈی شال کے سر کو اس طرح جلایا جیسے جلنے کے دوران سر اس کو دیکھ رہا تھا۔ باقی دو مغویان سے بھی اس نے یہی سلوک کیا۔

ایک ماہ بعد اس نے تین ہی سے اپنی آخری واردات کی۔ اس ماہ اس نے اپنی بوڑھی ماں کو سوتے میں ہتھوڑا مار کر اس کا سر کچل کر ہلاک کر دیا۔ ماں کے بھی ٹکڑے کیے اور اس کے سر کو بطور ٹرافی کے رہائش کے کمرے میں آتشدان پر بنی کنس کے اوپر سجایا اور پھر اس پر بچوں کے کھیل والے نشانہ لگانے کے تیر پھینکے۔ ان پلاسٹک کے بنے تیروں سے اس کی ماں کا چہرہ چھپ گیا۔ اس نے اپنی ماں کی ایک دوست سیلی ہال کو رات کے کھانے کی دعوت دی۔ اس کے آنے پر اس کا گلا دبا کر اسے بھی ہلاک کردیا اور اس کی اس کی بھی بے حرمتی کی۔

ماں اور اس کی سہیلی کے قتل کے بعد اس کے ضمیر نے اسے اقبال جرم کرنے پر اکسایا۔ پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور ایک ہجوم کے سامنے اس نے اپنے تمام کرتوتوں کا اعتراف کیا۔ اس نے وہ تمام مکروہ تفصیلات بھی بتائیں جو اس نے مقتولوں کے ساتھ روا رکھیں اور ان مقامات کی نشاندہی بھی کی جہاں اس نے لاشوں کے ٹکڑے دفن کیے یا چھپا رکھتے تھے۔

اسے عدالت نے آٹھوں بہیمانہ قتلوں کا مجرم قرار دیا۔ اسے تمام عمر کے لیے پیرول کی رہائی کے بغیر جیل کی سزا ہوئی۔ اس نے خود کہا کہ: ''اس کے لیے تشدد کی موت کی سزا بھی کم ہے۔''

کیمپر کی ابتدائی زندگی ہی میں اس کے اندر متشدد ہونے کی علامات پائی جاتی تھیں۔ جب وہ ابھی بلوغت کی سرحدوں کو چھو ہی رہا تھا تو جنس اور تشدد کے جذبات اس کی ذہنی سطح پر نمودار ہو رہے تھے اور کئی جذباتی خواہشیں اس کے دماغ میں مچل رہی تھیں۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ اپنی دوسری جماعت کی استانی کا منہ چومنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے اسے پہلے اپنی استانی کو ہلاک کرنا ہوگا۔ اس کی یہ استانی

وہی لڑکی تھی جس سے وہ "گیس چیمبر" کا کھیل کھیلا کرتا تھا۔ وہ مجھ
سزا سنائی گئی ہو تو لڑکی جلاد کا کردار ادا کرتے ہوئے مصنوعی تر
مصنوعی سائنائیڈ نکالتی اور وہ اونچے نیچے سانس لے کر مرنے کا کھیل کھیلتا
تفنن طبع کے لیے قتل کی شروعات ہوئیں۔

ایڈمنڈ کیمپر ایک ٹوٹے پھوٹے خاندان سے ہونے کا پس منظر بھی
اس کے سوتیلے باپ نے اسے شکار کھیلنا اور بندوق یا رائفل رکھنا سکھایا۔ اس کی
سٹرینڈر برگ اس سے پرتشدد سلوک کرتی رہی۔ جس واقعے نے ایڈمنڈ کیمپر
گہرے نقوش مرتب کیے وہ اس وقت پیش آیا جب کیمپر کی عمر دس سال کی تھی۔

کیمپر کی بہن نے بے ڈول اور لمبی چوڑی شخصیت والے سوتیلے
موجودگی میں آتے جاتے وقت اور بالخصوص رات کے وقت بڑا ڈراؤنا قرار
ماں نے کیمپر کو دوسری منزل سے نیچے تہ خانے میں اپنا بوریا بستر لے جانے کو کہا
کیمپر کو کفن سا لگتا تھا۔ اس کا فرش بھی سیمنٹ کا تھا' دیواریں چھیدوں اور دراڑوں
تھیں اور اوپر کی چھت لکڑی کی چوں چوں کی آواز دینے والی تھی۔ جبکہ وہاں کی بھٹی
کے دھماکے ویسے ہی ڈراتے تھے۔ سب سے بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ کیمپر کو نیچے تہ
تک پہنچنے کے لیے نصف راستہ سردی اور اندھیرے میں طے کرنے کے بعد بتی
والے بٹن تک پہنچنا پڑتا تھا۔ بعد میں اس نے تسلیم کیا کہ اس جگہ نے اسے دہلا دیا
ماہرین کا خیال ہے کہ کیمپر کے تہ خانے میں سونے سے ہی اس کی متشددانہ 'غیر معمولی
نفرت انگیز پہلوؤں نے راہ پائی۔

اس کے جرائم کی بظاہر وجوہات کچھ بھی ہوں لیکن ان کی تہ میں بیسویں صدی
کے ایک برے شہری کی خصوصیات پیدا کرنے میں اس کے ماحول اور خاندان کا بڑا
تھا۔ اس سچائی کا اندازہ خود کیمپر کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے' اس نے کہا تھا
"اگر اسے کبھی رہائی دی گئی تو وہ موقع ملتے ہی پھر سے وہی جرائم کرے گا جو وہ کر کے
میں پہنچا ہے۔"

☆

74

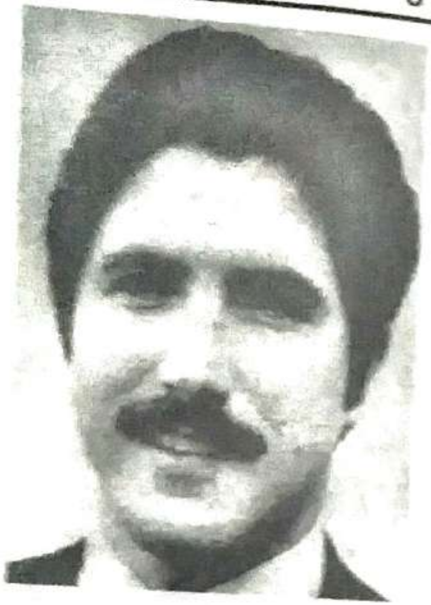

کینتھ بیانشی
اور
اینجلو بونو جونیئر

(1951ء تا   )(1934ء تا   )

"اینجلو بونو اور کینتھ بیانشی نے اپنے کئی قتل کیے جانے والے افراد کو مہلک گیس کا شکار بنایا' انہیں برقی جھٹکے دیے' رسیوں سے سانس کی آمدورفت بند کی اور خاموشی سے موت کی نیند سلا دینے کے ٹیکے لگائے۔ اس کے باوجود دونوں مدعاعلیہ کے مقدر میں ساری عمر ٹیکس ادا کرنے والے شہریوں کے کھاتے میں جیل میں رہنا' کھانا اور کپڑے پہننا لکھ دیا گیا ہے اور وہاں وہ کئی معاشرے کے قوانین کا احترام کرنے والے کنگال افراد سے بہتر

زندگی گزار رہے ہیں۔

رونالڈ جارج جج نے بیانشی اور بونو سے متعلق بیان
کر کہ جیوری نے ان کی موت کی سزا کو عمر قید میں
بدل دیا ہے کہا:

"مجھے یقین ہے مسٹر بیانشی اور مسٹر بونو کہ تم زندہ رہ کر اپنے مقتولوں اور ان
پر کیے جانے والے ظلم و ستم کا عصبی ارتعاش محسوس کرتے رہو گے اور جیسا
کہ مجھے یقین ہے کہ تم اپنے کرتوتوں پر کبھی ندامت محسوس نہیں کرو گے۔
تم میں ایسا کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔۔۔

رونالڈ جارج جج بیانشی اور بونو کو سزا سناتے ہوئے

کینیتھ بیانشی اور اینجلو بونو کو ذرائع ابلاغ نے "پہاڑی کے پہلو میں گلا کر قتل کرنے والے" قرار دیا کیونکہ وہ اپنے شکار کی لاش کو مخصوص نشان کے ساتھ چھو تھے۔ وہ لاشوں کو لاس اینجلس کیلی فورنیا کی پہاڑیوں کے پہلو میں جنسی عمل اور کلی کی حالت میں چھوڑتے۔ عورتوں کے اجسام اپنی حالت ہی سے وہ پوری داستان کہہ دیتے جو ان کے ساتھ بیتی ہوتی۔ جلنے اور زخم لگانے کے علاوہ ٹیکے لگانے کی علامات بھی ہو حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نشئی نہ ہوتا۔ ٹیکے کی سوئیوں کے نشانات کے با میں پولیس کو بعد میں پتہ چلا کہ وہ کھڑکیاں صاف کرنے والے محلول کے تھے۔ (خوفناک خباثت کو 1996ء کی فلم "کاپی کیٹ" جس میں سگورنی ویر نے ماہر نفسیات کردار ادا کیا جو دبے پاؤں اپنے شکار کے پیچھے جاتا' تشدد اور قتل کا مرتکب ہوتا اور اور بیانشی کی طرح اپنے شکار پر مخصوص علامات برائے شناخت چھوڑ جاتا۔ اس فلم م کھڑکیاں صاف کرنے کا ایک منظر بھی تھا جس سے بونو اور بیانشی متاثر تھے۔ قاتل کا ش تہ خانے میں ایک تختے سے بندھا ہوا دکھایا جاتا۔ قاتل ایک بہت بڑی سرنج میں ایک جگ سے نصف گیلن کے قریب نیلا محلول بھرتا اور اس سرنج کو اپنے شکار کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر اسے ڈراتے ہوئے کہتا۔ "ہاں۔ یہ تمہیں تکلیف پہنچائے گا۔")

بیانشی اور بونو کا پہلا شکار 21 سالہ الیزا کیسٹن وسط اکتوبر 1977ء میں فاریسٹ لان نامی مردہ خانے کے قریب سے ملی۔ دوسرے شکار یولینڈا واشنگٹن کی لاش دس کے اندر اندر گلن ڈیل کے گرد و نواح میں ملی۔

---

20 نومبر 1977ء کو اتوار کے دن دعائیہ عبادت سے ایک دن پہلے بیانشی اور بونو نے دو نوجوان لڑکیوں اور ایک بیس سالہ عورت کو اغوا کیا۔ لڑکیوں میں ایک بارہ سالہ دولورس سیپیڈا اور چودہ سالہ سونجا جانسن شامل تھیں جبکہ عورت کرسٹنا ویکلر تھی۔ ویکلر کی لاش ہائی لینڈ پارک میں ملی جبکہ لڑکیوں کی لاشیں الیسیان پارک میں پائی گئیں۔ تینوں لاشیں برہنہ تھیں اور ان پر تشدد کی علامات موجود تھیں۔ بعد میں بیانشی نے پولیس کو بتایا کہ ویکلر کی موت دم گھٹنے والی گیس سے ہوئی۔

> "اسے کچن میں لایا گیا اور فرش پر بٹھا کر اس کا سر ایک تھیلے سے ڈھانپ دیا گیا۔ گیس کی نالی ایک نئے لگائے گئے اسٹو سے اتاری گئی اور اسے تھیلے میں رکھ کر پیچھے سے گیس کھول دی گئی۔ شاید اس کی گردن پر نشانات ہوں گے کیونکہ تھیلے کو ایک رسی کے ساتھ اس کی گردن کے گرد کس کر باندھا گیا تھا تاکہ گیس باہر خارج نہ ہو۔"

دعائیہ عبادت کے تین دن بعد بیانشی اور بونو نے 28 سالہ جین ایولن کنگ پر مجرمانہ جنسی حملہ کیا۔ پھر اسے جان سے مارا اور اس کی عریاں لاش کو گولڈن سٹیٹ فری وے کی ڈھلوان سے ذرا دور پھینک دیا۔

1977ء میں دعائیہ عبادت کے دن سے ایک ہفتہ بعد بیانشی اور بونو نے لارن ویکنر اور کمبرلے ڈیانے مارٹن کو اغوا' تشدد' مجرمانہ حملے اور موت کا نشانہ بنایا۔ دونوں کی عمریں اٹھارہ سال تھیں۔

بیانشی اور بونو دونوں اطالوی کیتھولک تھے لہذا وہ کرسمس کے دنوں میں اپنی بدکاریوں اور قتل و غارت سے دور رہے۔ پھر 17 فروری 1978ء کو جمعہ کے دن ایک عمر رسیدہ برہنہ لاش ایک کار کے صندوق میں ملی۔ یہ لاش بدقسمت سنڈی لی ہڈز پیتھ کی تھی۔

بیانشی اور بونو نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ہیبت ناک تجربات' عصمت دری' تشدد اور قتل محض من کی موج کے تحت کرتے ہیں۔ 1975ء میں کینیتھ بلاشنی نے فیصلہ کیا کہ وہ نیویارک ریاست سے نکل کر کیلیفورنیا چلا جائے جہاں وہ اپنے کزن اینجلو بونو کے ساتھ رہا۔ اس دوران ان دونوں جنسی اور نفسیاتی مریضوں نے باہم بات چیت اور بحث کے دوران فیصلہ کیا کہ کسی کو جان سے مارنا کیسا رہے گا۔۔۔ اور خاص طور پر کسی عورت کو۔

ایک روز انہوں نے اس مفروضے کو حقیقت کا روپ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ ان کے ا وحشت ناک پہلے تجربے نے ان کے اندر خون کی ہوس کو تیز کر دیا اور وہ دل و جان سے اس کام میں الجھ گئے۔

بیانشی اور بونو کسی رکاوٹ کے باعث لاش درمیانے درجے کے لوگوں کی ہمسائیگی میں چھوڑ گئے۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ ایسا انہوں نے دانستہ کیا تھا تاکہ لوگ جب اپنے گھروں سے نکلیں تو لاش کو دیکھیں۔ ان کا شکار ایک سولہ سالہ لڑکی تھی جس کے ساتھ انہوں نے الٹی سیدھی نازیبا حرکات کی تھیں۔

پہاڑیوں کے پہلو میں گلا گھونٹ کر ہلاک کرنے والوں کے بارے میں ایک جرائم کی تفتیش کرنے والے ماہر نفسیات قاتل کی شخصیت کا خاکہ تیار کیا۔ اس نے لکھا قاتل سفید فام ہے، پچیس سال سے پینتیس سال تک عمر ہے۔ اکیلا ہے یا خاندان سے علیحدہ کر دیا گیا ہے یا مطلقہ ہے۔۔۔ اوسط درجہ کا ذہن رکھتا ہے، کہیں ملازم نہیں، شاید سابقہ سپاہی ہے۔ سرد مہر ہے۔ سازشی شخصیت رکھتا ہے۔ کسی ٹوٹے ہوئے خاندان کا فرد ہے اور بچپن میں ماں نے اسے دھتکار رکھا ہے۔

بیانشی 1951ء میں روکسٹر، نیویارک میں پیدا ہوا اور اس کی ماں ایک شرابی طوائف تھی۔ اس کی ماں نے اسے کسی کو لے پالک کے طور پر دینا چاہا تو بیانشی خاندان نے اسے گود لے لیا۔ بچپن میں وہ بہت بڑا جھوٹا تھا۔ وہ اسے کیتھولک سکول میں گیا او اس نے کنواری/طوائف کے مسائل کو عورتوں کے درمیان ابتدائی عمر ہی میں خوب اچھالا۔ ہائی سکول کی تعلیم کے بعد اس نے 1971ء میں شادی کر لی۔ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر آٹھ ما غائب رہا تو اس کی بیوی نے طلاق لینے کا صائب فیصلہ کیا۔

پھر بیانشی نے معاشرتی کالج میں داخلہ لیا جہاں اس نے پولیس سائنس اور نفسیات کا مطالعہ کیا لیکن اسے کالج سے نکال دیا گیا۔ جب اس نے شیرف کے محکمے میں درخواست برائے ملازمت دی تو اس کی درخواست کو مسترد کر دیا گیا تاہم وہ سیکورٹی گارڈ بن گیا۔ جن جگہوں کی حفاظت پر اسے مامور کیا گیا وہ وہاں ہی چوری کا مرتکب ہوا۔

انجلو بونو اپنے آپ کو اطالوی گھوڑا کہلواتا تھا۔ اس نے چودہ سال کی عمر ہی سے جنسی حرام زدگیاں شروع کر دی تھیں۔ یکے بعد دیگرے کئی بیویاں رکھیں اور کئی بچے

پیدا کیے۔ اپنے خاندان میں اس نے ہر ایک کو جسمانی اور جنسی طور پر نقصان پہنچایا۔ وہ اتنا حرام کار تھا کہ وہ اپنے آپ کو کارل چیسمین کا ہم پلہ خیال کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے اپنی ہی بیوی پر اس قدر خوفناک تشدد کیا اور جنسی حملہ کیا کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئی کہ انجلو بونو اسے قتل کرنے والا ہے۔ ایک موقع پر اس نے ایک غیر عورت کے ساتھ رہنا شروع کر دیا اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے اس عورت کی چودہ سالہ لڑکی سے ناجائز تعلقات استوار کر لیے جب لڑکی کی ماں کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے انجلو بونو سے بھرپور احتجاج کیا تو حرام خور بونو نے کہا کہ وہ کیا کرتا کہ اس کی لڑکی خود ہی بلوغت کی دنیا میں داخل ہونے کی متقضی تھی۔ اس حرام کار نے بعد میں اپنے لڑکوں کو وہ لڑکی ”گفٹ“ کر دی۔

ایک دفعہ اس نے پیٹر لوری کی لڑکی کو بھی اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن جب اسے علم ہوا کہ اس لڑکی کا باپ کون ہے تو وہ اپنے ارادے سے باز آیا۔

آخر بیانشی اور بونو کا دنیاوی یوم حساب آ پہنچا۔ وہ گرفتار ہوئے اور ان پر مقدمہ چلا۔

بیانشی نے اپنی گرفتاری اور فرد جرائم کے جواب میں ایک مکارانہ فرضی کہانی گھڑی اور اس کے پس منظر میں ایسا منظر نامہ تخلیق کیا جس میں وہ انتہائی خراب حافظے کا انسان تھا اور اس کی شخصیت کی کئی جہتیں تھیں۔ اس کے وکیل دفاع نے عدالت سے درخواست کی کہ پاگل ہونے کی وجہ سے اسے مجرم قرار نہ دیا جائے کیونکہ جتنے بھی گھناؤنے جرائم اس سے منسوب کیے گئے ہیں وہ اس نے خود کو اسٹیو کی شخصیت سمجھتے ہوئے کیے ہیں۔ اصل مجرم اسٹیو ہے نہ کہ بیانشی۔ تاہم کیلیفورنیا میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔

بیانشی کی طرح اس کا جرائم کا ساتھی بھی مجرم ٹھہرایا گیا اور وہ والا والا ریاستی جیل، واشنگٹن میں اپنے جرائم کا خمیازہ عمر قید کی صورت میں بھگت رہا ہے۔

☆

75

بابی جوئے لانگ

(1951ء تا   )

"میں جانتا ہوں کہ میں نے اس مال (یعنی لاش) کو گاڑی میں ڈالنا ہے اور پھر لیک لینڈ یا میامی یا ڈے ٹونا یا پھر ریاست ہی سے نکل جانا ہے کہ وہ میرا نشان بھی کہیں نہ پا سکیں۔۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

بابی جوئے لانگ نے 1992ء میں کہا

سلسلہ وار نامی گرامی امریکن قاتل بننے سے پہلے بابی جوئے لانگ نے 1974ء سے 1984ء تک کے عرصے میں 25 سے لے کر 150 عورتوں کو لوٹا۔۔۔ صرف ان کا مال ہی نہیں بلکہ آبرو بھی۔۔۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اس نے پولیس کے ذریعے سترہ سالہ لڑکی ایک

جسے اس نے 28 گھنٹے جنسی غلام بنا کر رکھا تھا اور پھر اسے جانے دیا تھا' سے معذرت چاہی۔

میک وی اپنی سائیکل پر علی الصبح دو بجکر تیس منٹ پر اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی سمت آ رہی تھی لیکن لانگ اسے اغوا کر کے اپنی رہائش گاہ پر لے آیا اور نہ جانے کتنی بار اس سے لگاتار حرام کاری کی۔ تمام عرصہ اس نے مجبور لڑکی کو لباس سے عاری رکھا اور اسے جنسی تسکین کے کئی نئے نئے انداز سے آگاہ کیا۔ وہ بعض اوقات اسے لباس بھی پہناتا رہا' اپنے ساتھ ہی شاور کے نیچے کھڑا کر کے اسے نہلاتا رہا' اس کے بالوں کو برش بھی کرتا رہا اسے کھلاتا بھی رہا اور جو چاہا وہ اس کے جسم سے کرتا رہا۔ اس کا طرز عمل ایسا تھا جیسے میک وی اس کی گرل فرینڈ ہو اور لانگ کو اس سے بڑی ہی محبت ہو۔ یہی وجہ اور مجبوری تھی کہ میک وی کو اس کا ہر حکم ماننا پڑا۔

جب اس کا دل میک وی سے بھر گیا یا وہ خود تھک گیا تو وہ کار پر دور لے گیا جہاں اس نے میک وی کو، رہا کر دیا اور اسے اپنے گھر پہنچنے کے لیے دو گھنٹے پیدل چلنا پڑا۔ اس نے میک وی کو رہا کرتے وقت اسے اپنی حفاظت کرتے رہنے کو بھی کہا۔ میک وی نے بعد میں لانگ کی شناخت عدالت میں کی۔

میک وی' لانگ کا واحد شکار نہیں تھی جسے اس نے رہائی دی۔ ایک مرتبہ اس نے ایک نوجوان طوائف کو بھی اغوا کیا۔ اسے زبردستی کپڑوں سے بے نیاز کیا' اسے باندھا اور ایک ویران مقام پر لے جا کر اس سے ہر قسم کی جنسی بدتمیزی کی۔ اسے بھی متعدد حرکات' جو طوائف ہونے کے باوجود لڑکی کے علم میں نہیں تھیں' کرنے کو کہا۔ اس نے اسے سستی اور کمزوری دکھانے پر پیٹا بھی اور اس نے اپنی اور مغویہ کی تمام خرافات کی تصاویر بھی بنائیں۔ پھر اسے اس کے قدرتی لباس میں ایک ویران جگہ پر چھوڑ کر خود اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

1984ء میں اپنے چھ ماہ کے قاتلانہ سلسلے میں لانگ اپنے شکاروں کے لیے بڑا سفاک اور جابر بنا رہا۔ اس نے ان کی رحم کی التجاؤں' درخواستوں اور آہ و زاری کی رتی بھر پرواہ نہیں کی بلکہ ان کو ایذا دے کر خوش ہوتا رہا اور ان کی آہ و زاری کے جواب میں چیخ چیخ کر ان پر جنسی اور لواطتی حملے کرتا۔ پھر انجام کار وہ ان کو قتل کر دیتا اور ان کی لاشوں کو

بیکار اور ردی اشیا کی طرح جرم کے موقع پر چھوڑ دیتا۔ ان کے کپڑے چیتھڑوں کی شکل میں ادھر ادھر بکھرے نظر آتے۔ وہ اس بات کی بھی قطعی پرواہ نہ کرتا کہ کچھ شہادتیں موقع پر موجود رہ گئی ہیں۔ جب چند لاشیں پے در پے دریافت ہوئیں تو پولیس نے شک کی بنا پر لانگ کی رہائش گاہ سے بالوں، رسیوں، روئی اور چٹائیوں کے نمونے مع تولیوں وغیرہ کے ثبوت حاصل کیے۔

لانگ کا شکار کے تعاقب میں جانے کا اور شکار کو قابو کرنے کے بعد قتل کرنے کا طریق یہ تھا کہ وہ عام طور پر لڑکوں کو پھانسنے والیوں، پیشہ ور طوائفوں، تنہا رہنے والیوں اور اچھے انداز میں مٹر گشت کرنے والیوں پر ہاتھ ڈالتا۔ جب وہ اس تک کار کے قریب آتیں اور اپنا منہ دروازے کی کھڑکی میں سے اندر کرتیں تو وہ ان سے پوچھتا تمہارے پاس کیا ہے؟ ان کو اندر گھسیٹ کر سامنے کی نشست ہی پر ان کا منہ نیچے کر کے ان کے جسم کا کچھ حصہ کپڑوں سے بے نیاز کر دیتا۔ (بعد میں اس نے بتایا کہ یہ داؤ اس نے اس وقت اپنے بچپن میں سیکھا جب اس کے ماں باپ کو اسی طور سے لڑتا دیکھا تھا۔) اور ان کو موقع سے لے کر کسی ویران اور اکیلی جگہ پر لے جاتا۔ ان کو کار سے اتار کر ان کے ساتھ زبردستی کرتا اور پھر ان کو گلا دبا کر ہلاک کر دیتا۔ اگر کوئی شکار اس کا مقابلہ کرنے پر اتر آتا تو وہ اس کی گردن پر کسی آلے سے حملہ کرتا اور اس کی شہ رگ کاٹ کے رکھ دیتا۔ اگر کبھی وہ عجلت میں ہوتا تو ان کے سر کے پچھلے حصے میں گولی مار دیتا۔

وہ کسی شکار کو قتل کرنے کے لیے معمولی سا بہانہ چاہتا ویسے بھی وہ کسی کی جان بخش دینے کے خیال کو ذہن میں گھسنے ہی نہ دیتا۔ اس نے عدالت میں بتایا کہ ایک مرتبہ اس نے اپنا ٹی۔ وی ڈنر گرم کرنے کے لیے اوون میں رکھا اور خود دودھ لینے کے لیے ایک جنرل سٹور پر گیا، ایک عورت ہتھے چڑھ گئی جسے اس نے ٹھکانے لگایا اور پھر جب وہ اپنی رہائش گاہ پر واپس آیا۔ ”میری رہائش گاہ تب تک جل کر راکھ ہو چکی تھی —“ اس نے اپنے آخری جملے پر قہقہہ لگاتے ہوئے بتایا۔

کچھ ہارمونوں کی خرابی کے باعث بابی جوئے لانگ کے اندر عورتوں کی کچھ خصوصیات کی بیماری پیدا ہو چکی تھی۔ جب وہ نوجوان لڑکا تھا تو اس کی چھاتیاں لڑکیوں کی طرح ابھر آئی تھیں۔ اس خرابی کی وجہ سے اس کی شخصیت پر برے اثرات مرتب ہوئے۔

جب تک اس کی عمر بارہ تیرہ سال نہیں ہو گئی وہ اپنی ماں کے ساتھ ہی اس کے بستر میں سوتا تھا۔

اس نے پولیس کو بتایا کہ بالغ ہونے پر اسے اپنی عورت کی خواہش چوبیس گھنٹے میں سات آٹھ بار ہوتی تھی۔ اس کی بیوی عاجز آ جاتی یا موقع محل نہ ہوتا تو وہ اپنی مدد آپ کرتا۔ پھر بھی دو تین بار کا موقع اسے بیوی سے تنہائی میں ملنے کا مل ہی جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ 1974ء کے ایک موٹر سائیکل کے حادثے کے نتیجے میں لانگ کی ایک ٹانگ ناکارہ ہو گئی مگر صحت یابی کے بعد اس کی جنسی بھوک میں اضافہ ہو گیا اور عورتوں پر اس کا غصہ بھی شدید صورت اختیار کر گیا۔ ایسی صورت حال ہی میں اس نے عورتوں پر جنسی حملوں میں اضافہ کیا۔

لانگ نے پہلی باقاعدہ شادی 19 کی عمر میں کی لیکن وہ دوسری عورتوں سے بھی بدکاری کا مرتکب ہوتا رہا جن سے وہ خصوصی اشتہارات کے ذریعے رابطہ پیدا کرتا۔ وہ ایسے اشتہارات کو کھنگال ڈالتا جس میں دن بھر گھر میں اکیلی رہنے والی خاتون کو خاتون ساتھی کی ضرورت ہے۔ وہ خاتون نہ ہونے کے باوجود دیے ہوئے پتہ پر پہنچ جاتا اور کہتا کہ اشتہار میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ اس سے دلچسپی رکھتا ہے۔ جب بھی کسی عورت نے اس کو اپنے گھر کے اندر گھسنے کی اجازت دی وہ اپنے مال اور عزت کو نہ بچا سکی لیکن ایسی عورتوں کو تب وہ قتل کرنے کے بارے میں نہیں سوچتا تھا۔

لانگ کا آخری شکار کم سوان تھی جب اس نے اسے نشے کی حالت میں گاڑی سے بھول بھلیاں بناتے دیکھا۔ لانگ کے اشارے پر اس نے گاڑی روک لی اور ایک جام کی خاطر وہ اس کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ جب اس نے اسے باندھنا اور اس پر مجرمانہ حملہ کرنا چاہا تو وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ لنگ نے پولیس کو بتایا کہ اس نے کار میں پیچش کا مظاہرہ بھی کر دیا لہٰذا اس نے بغیر اس سے کوئی جنسی فائدہ اٹھائے اسے ٹھکانے لگانے اور گند کو سمیٹنے کا فیصلہ کیا۔ فیصلے پر عملدرآمد کے بعد اس نے اس کی گندی لاش کو ایک ٹب میں ڈال دیا۔

لانگ کو نومبر 1984ء میں میک وی کے بیان کے مطابق کار رکھنے کے الزام میں تفتیش کے لیے روکا گیا۔ اسے سمجھ آ گئی کہ اب اس کی خرمستیوں کی انتہا ہو چکی ہے اور

وہ گرفتار ہونے والا ہے۔ اس نے پولیس سے تعاون کیا اور جب پولیس نے اس کی
گاہ سے ملنے والے بالوں اور فائبر کا ذکر کیا تو اس نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا
نے لانا لانگ، مشلی سمر، الزبتھ لاؤ ڈی بیک، چیتل ولیمز، کیرن واز فریڈ، کیم
ہوپس، ورجینیا جانسن، وکی میری ایلیٹ اور کم سوان کے قتلوں کا اعتراف کر لیا۔ اسے جا
اور سمر کے قتلوں کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور تین بار موت کی سزا سنائی گئی۔

آج کل وہ فلوریڈا کی جیل میں ہے۔ اس نے اپنی موت کی سزا کے خلاف
اپیلیں دائر کر رکھی ہیں اور ان پر فیصلوں کا منتظر ہے۔

* * *

76

پیٹر کیورٹین

''ڈوسل ڈورف کا خونی چمگادڑ'' اور ''ڈوسل ڈورف کی عفریت''

(1883ء تا 1931ء)

''ضمیر نام کی کوئی شے میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے اپنی روح کو کبھی غلطی پر نہیں پایا اور کبھی میں نے یہ نہیں سوچا کہ جو میں نے کیا وہ برا تھا۔''

پیٹر کیورٹین اپنے مقدمے کے دوران

''اس نے تقریباً تمام کجرویوں کو ایک شخص میں مجتمع کر لیا ــــ اس نے آدمیوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو قتل کیا ــــ ہر اس شے کو جان سے مارا جو اسے ملی ــــ''

پیٹر کیورٹین کا وکیل دفاع

"جب میرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا تو کیا میں پھر بھی سننے کے قابل رہوں گا۔ ایک لمحہ ہی کے لیے سہی۔۔۔۔ اس خون کے باہر نکلنے کی آواز جو میری گردن سے زور کے ساتھ باہر نکل رہا ہوگا۔ یہ اتنی بڑی خوشی ہوگی جو بقیہ تمام خوشیوں سے بہتر ہوگی۔"

پیٹر کیورٹن اپنے مقدمے کے دوران

جب پیٹر کیورٹن نے بلوغت کی دہلیز پر پاؤں رکھ رہا تھا تو اس نے بھیڑوں اور بکریوں سے جنسی لذت حاصل کرنا شروع کر دی۔ یہی وہ وقت تھا جب اسے معلوم ہوا کہ نقطہ عروج کو پہنچتے وقت کسی جانور کو بار بار کاری زخم لگانا جنسی تلذذ کو دو چند کر دیتا ہے۔

کیورٹن ایک بیمار اور پیچیدہ خاندان کی قوت متحرکہ کی پیداوار تھا۔ اس قوت متحرکہ میں زیادہ حصہ اس کے شرابی، بدزبان اور حرام کار باپ کا تھا جس نے اپنی تیرہ سالہ بیٹی سے حرامکاری کے جرم میں جیل کاٹی تھی۔ وہ اپنی بیوی اور تیرہ بچوں کو باقاعدگی سے پیٹتا رہتا تھا اور اپنے بچوں کے سامنے ان کی ماں سے جنسی تعلقات قائم کرتا تھا۔ ایک ماہر نفسیات نے کیورٹن کے باپ سے متعلق کہا کہ وہ اس قدر متشدد اور ستم کار تھا کہ اگر وہ میاں بیوی کی حیثیت نہ رکھتے ہوتے تو ان کے جنسی تعلق کو مجرمانہ جنسی حملے سے تعبیر کیا جاتا۔

پیٹر کیورٹن نے ان علامات کا اظہار بہت ہی چھوٹی عمر سے کرنا شروع کر دیا تھا جسے اس کے وکیل نے مقدمے کے دوران "کجرویوں" کا نام دیا۔ جب وہ ابھی نو سال کا تھا تو اس نے اپنے کھیل کے ساتھی کا سر اس وقت تک پانی کے اندر ڈبوئے رکھا جب تک کہ وہ مر نہیں گیا۔ اسی عمر میں اسے ایک کتے سدھانے والے کے ساتھ اسی نوعیت کا کام سیکھنے پر مامور کیا گیا تو اس شخص نے اسے خود لذتی بھی سکھائی اور کتوں کو تنگ کرنا بھی سکھایا۔ اپنی اس ملازمت میں اس نے باؤلے کتوں کو ہلاک کرنے کا فن رغبت سے سیکھا اور جانوروں سے ظلم کے دوران اسے جنسی بلوغت حاصل ہوئی۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ

بچوں کے سر کاٹ کر ان کا خون پیتا اور جنسی تلذذ حاصل کرتا رہا ہے۔

کیورٹن کا پہلا قتل ایک سوئی ہوئی دس سالہ لڑکی تھی۔ وہ محلے کی اس شراب کی دکان کے مالک کی لڑکی تھی جہاں وہ اکثر جایا کرتا تھا۔ وہ نقب لگا کر ان کے گھر میں داخل ہوا، لڑکی کا گلا دبایا اور اپنی انگلیوں سے اذیت دی اور پھر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس نے بعد میں بتایا کہ کس طرح لڑکی کا خون ایک دھار کی صورت میں اس کے ہاتھ پر زور سے گرتا رہا۔ اس جرم کا مقدمہ بجائے کیورٹن کے لڑکی کے چچا پر چلایا گیا لیکن وہ بے گناہ ہونے کی وجہ سے سزا سے بچ گیا۔

بحیثیت ڈوسل ڈورف کی ایک خون پینے والی چمگادڑ کے اس کا پہلا شکار نو سالہ لڑکی روسا اوہلجر تھی۔ 8 فروری 1929ء کو اس نے روسا کو تیرہ مرتبہ قینچی مار مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر وہ دوبارہ اس لڑکی کے گھر گیا اور اس کی لاش پر مٹی کا تیل ڈال کر اسے جلا دیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ جب شعلوں نے روسا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اس کو جنسی تلذذ حاصل ہوا۔ اس نے قینچی کی ضربیں بھی لڑکی کے نازک حصے پر لگائی تھیں۔ پولیس کو دیئے والے بیان میں اس نے کہا: "میں نے اس کی کنپٹی پر زخم لگا کر وہاں سے اس کا خون بھی پیا۔"

چار دن بعد اس نے ایک شرابی مرد سے بھی یہی سلوک کیا اور اس کا خون بھی اس کے زخموں پر ہونٹ رکھ کر چوسا۔

اسی عرصے میں اس نے چند اور جرائم بھی کیے۔ اگست 1929ء میں ایک ملازمہ لڑکی کو پہلے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا پھر اسے قتل کیا اور اس کا خون پیا۔ اسی مہینے میں اس نے ایک چودہ سالہ لڑکی کو تیز دھار آلے سے زخمی کیا۔ اس کا گلا گھونٹا۔ یہی سلوک اس نے اسی موقع پر اس لڑکی کی پانچ سالہ بہن سے بھی کیا۔ پھر اس نے بڑی لڑکی کا سر اس کے جسم سے کاٹ دیا۔ اگلے دو ماہ میں اس نے دو قتل ایسے کیے کہ اس نے اپنے شکاروں کے سر ہتھوڑے سے کچلے۔ ڈوسل ڈورف کی حیثیت سے اس کا آخری نشانہ نومبر 1929ء میں ایک پانچ سالہ لڑکی تھی جسے اس نے قینچی سے 36 زخم لگائے۔

ڈوسل ڈورف میں ایک سالہ خوف و دہشت پھیلانے کے بعد کیورٹن مئی

1930ء میں بڑے عجیب وغریب حالات میں گرفتار ہوا۔

ایک رات اس کا سامنا ایک ایسی لڑکی سے ہوا جس پر اس کے گھر کے سامنے مجرمانہ حملہ کیا گیا تھا۔ کیورٹین نے اس لڑکی کی مدد کی اور اسے حادثے سے بچایا مگر تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی وہ سب کچھ کرنے لگا جس سے اس نے لڑکی کو بچایا تھا۔ ہی جیسے اسے ہوش آ گیا ہو اس نے لڑکی سے پوچھا کیا وہ جانتی ہے کہ وہ کہاں رہتا ہے لڑکی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ نہیں جانتی۔ پھر اس نے لڑکی کو جانے دیا۔ لڑکی نے پولیس بھی اس حادثے کی خبر نہیں دی لیکن اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اسے اس نے اپنے خط کے ذریعے اپنے دوست کو لکھا۔ اتفاق کی بات کہ اس نے خط پر مکتوب الیہ کا پتہ غلط لکھا جس کے نتیجے میں خط ڈاک خانے کے اس شعبے میں چلا گیا جس کو "ڈیڈ لیٹر آفس" کہتے ہیں۔ وہاں خط کو کھولا اور اس کو پڑھا گیا لہذا اسے اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ (بعض افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ خط مکتوب الیہ تک پہنچا۔ اس نے اسے پڑھا اور پولیس کو پہنچا دیا۔) پولیس نے لڑکی سے رابطہ کیا اور یوں پولیس بالآخر کیورٹین تک پہنچ گئی جسے نو قتلوں کے جرائم میں گرفتار کر لیا گیا۔

اپنی گرفتاری کے بعد کیورٹین نے پولیس کے مختصر نویس کو اپنے جرائم کی مکمل تفصیل لکھوائی اور 79 جرائم کے ارتکاب کا اقرار کیا۔ مقدمے کے دوران کیورٹین نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اپنے جرائم کا اقرار اپنی بیوی کے منافع بخش مستقبل کے لیے کیا ہے۔ اس کو یقین تھا کہ اس کی بیوی انعام کی مستحق ہے کیونکہ سب سے پہلے اس نے اپنے جرائم اس کے سامنے ہی تسلیم کئے تھے۔ عدالت میں وہ اپنے اقبال جرائم سے منحرف ہو گیا۔ دو ماہ کی مسلسل جرح کے بعد بالآخر وہ پھر اقبال جرائم تک پہنچ گیا اور اپنے پہلے اقبال جرائم کو تسلیم کر لیا۔

عدالت میں اسے پنجرے میں پیش کیا جاتا رہا بالکل چکاتلو کی طرح۔ اس پنجرے سے بھی چکاتلو کے قتل کا تحفظ مقصود تھا کیونکہ مقتولوں کے لواحقین اور عزیز و اقارب اس کا خون پی جانا چاہتے تھے لیکن کیورٹین کے معاملے میں اس کے فرار کا تحفظ مقصود تھا۔ کیورٹین کے مقدمے میں استغاثہ نے مقتولین کی کھوپڑیاں اور جسم کے دیگر

حصے اور قاتل کے کچھ اوزار اور آلات جو اس نے قتال میں استعمال کئے تھے، پیش کئے۔ کیورٹین نے تسلیم کیا کہ وہ "جیک دی ریپر" کو پسند کرتا ہے تاہم ساتھ ہی اس نے اپنے پاگل ہونے کا ڈرامہ بھی رچایا کیونکہ جیوری نے اسے مجرم قرار دیا تھا۔

کیورٹین نے تقریباً 23 جانیں انتہائی ظلم و جبر سے لی تھیں لیکن اسے سزا صرف 9 میں ملی۔ اس نے دیگر انفرادی جرائم کی تعداد 79 تسلیم کی تھی۔ اسے گلوٹین کے ذریعے سر اڑا دینے کی سزا سنائی گئی جس سے اس کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ سنسنی ڈوسل ڈورف کے لوگوں نے بھی محسوس کی۔

======== ☆ ========

77

نکولائی زرمونگالیف

''دھات کا نوکیلا دانت''

(1960ء تا   )

''زرمونگالیف ٹھیک ٹھاک انسان تھا لیکن ایک موقع ایسا آیا کہ اسے عورتوں کے گوشت کا چسکا پڑ گیا۔ جب ہم نے اسے گرفتار کیا تو اس نے مجھے جین کلاڈ وین ڈیم کی قوت سے ضرب لگائی۔''

کرنل یوری ڈوبی ایجن وزارت داخلہ

روس کا نکولائی زرمونگالیف اور مل واکی' ز جیفری ڈاہمر بہت سی باتوں میں باہم مماثلت رکھتے ہیں۔ دونوں میں انسانی گوشت کی اشتہا اور اس کا چسکا اعتدال سے بڑھ کر

تھا۔ تاہم دونوں آدم خوروں میں نمایاں فرق بھی تھا کہ ان کے پسندیدہ گوشت کا دستر خوان الگ الگ تھا۔ زرمونگالف کو نسوانی گوشت پسند تھا جبکہ ڈاہمر مردانہ گوشت کا شوق رکھتا تھا۔

سلسلہ وار قاتل زرمونگالیف نے اپنے 47 شکاروں کو قتل کیا' ان کے ٹکڑے کیے روسی جمہوریہ کرغستان میں اپنے ہی کنبے کے افراد کو اپنے گھر کے افراد سمیت' گھر میں ہونے والی ڈنر پارٹیوں میں کھلا دیا۔

جب 1980ء میں زرمونگالیف انسانی قتل کے جرم میں سزا کاٹ کر جیل سے رہا ہوا تو اس نے آج کے قازقستان کے شہر الماتے میں ایک زیر تعمیر عمارت میں ملازمت اختیار کی۔ جب وہ دن بھر کا کام ختم کر چکتا تو شیو کرتا' اپنے آپ کو نہا دھو کر صاف ستھرا بناتا' عمدہ لباس پہنتا اور نوجوان خواتین کو دریا کے کنارے سیر کرانے کی خدمات بجالاتا۔ وہ ایسی خواتین کو خدمت کے لائق سمجھتا جو طویل قامت' تندرست و توانا اور خوبصورت ہوتیں۔

جب وہ ایک مرتبہ کسی عورت کے ساتھ دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تو وہ انتہائی ظالمانہ طریقے سے عورت پر جنسی نوعیت کا حملہ کرتا اور چاقو یا کلہاڑے سے اس کی گردن پر کاری وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ پھر وہ اس کے جسم کو دھکیلتا ہوا کسی نہ کسی طور اپنے گھر میں لے آتا اور اس کے پارچات بنا لیتا۔ ان پارچات کو وہ بھون کر یا دم پخت کر کے یا ویسے پکا کر خود بھی کھاتا اور دوستوں کو بھی کھلاتا۔

زرمونگالیف بار بار ایسے ظالمانہ قتل کرتا رہا۔ ہم تو صرف اس کی شکار عورتوں کے دلوں اور ذہنوں میں اس وقت چھا جانے والے خوف کا اندازہ ہی کر سکتے ہیں جب وہ اس کے چاندی کی طرح روشن اور چمکدار نوکیلے دھاتی دانتوں کو دیکھتی ہوں گی۔ اس کا عرفی نام ہی ''دھات کا نوکیلا دانت'' یعنی میٹل فینگ تھا۔ جب اس کا چہرہ خون اور گوشت کی انتہائی طلب میں ان دھاتی چمکتے نوکیلے دانتوں کے ساتھ پاگل پن کی حد تک کھلتا ہوگا تو منظر وحشت ناک ہوتا ہی ہوگا۔

ان دو شرابیوں کی کوششوں کو سلام جن کی وجہ سے زرمونگالیف کی بربریت اور درندگی 1981ء کے آغاز میں اختتام کو پہنچی۔

زرمونگالیف نے دو آدمیوں جن کو وہ کافی وقت سے جانتا تھا اپنے گھر شر نوشی اور اور کچھ کھانے پینے کے لیے بلایا۔ جب وہ اس کے گھر آئے تو زرمونگالیف کو آیا کہ اس نے آج کام پر جانے سے پہلے گھر کی صفائی نہیں کی۔ اس کے باورچی خا کے کاؤنٹر پر ایک عورت کا سر پڑا تھا جبکہ قریب ایک بڑے سے پیالے میں عورت کی پوری انتڑیاں پڑی تھیں۔ شرابی دوست اس کے ہاں کچھ کھانے پینے کو نہیں ٹھہرے۔ ان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد زرمونگالیف کو گرفتار کر لیا گیا۔ پوچھ گچھ کے دوران میں زرمونگالیف نے پولیس کو بتایا کہ دو عورتیں اس کے دو ہفتے کی خوراک کے لیے کافی ہو تھیں مگر اس کا انحصار اس کی بھوک پر تھا۔۔۔ اس سے عورتوں کی جان لینے اور ان کو کھانے کے بارے میں پوچھا گیا۔

سلسلہ وار قتل کرنے والے آدم خوری اس لیے بھی کرتے ہیں کہ ان کو اپنے و کو ٹھکانے لگانے اور جنسی بے راہ روی سے اپنی جذباتی تسکین پانے کا موقع ملتا ہے۔ ا آہستہ آہستہ ان کو انسانی گوشت کی چاٹ سی لگ جاتی ہے۔ آدم خوری کے لیے قتل کرنے والوں سے متعلق اپنی کتاب "دی ہسٹری آف اسپاٹیکل مرڈرز" میں مؤرخہ مارٹ ا (1993ء) لکھتی ہے:

> "وہ پہلے علیحدہ کیے ہوئے سر لائے۔ سنہری پلیٹوں میں موت سے سجے ہوئے نوجوان غلام لڑکیوں کے سر ابھی تک تازگی لیے ہوئے تھے جبکہ ان کی بادام جیسی آنکھیں بے جان تھیں۔ آدمیوں کے منہ میں پانی بھر آیا جب انھوں نے سوچا کہ ان کا گوشت کس قدر میٹھا اور نرم ہوگا۔ جبکہ وہ چند ہی منٹوں میں معزز مہمانوں کے سامنے چن دیا گیا۔۔۔ یہ حقیقتاً ایک تکلیف دہ اقتدار کا مظاہرہ تھا۔۔۔ غلام شرفاء کے خاندانوں کا مویشیوں سے زیادہ قیمتی اثاثہ تھے۔ اہم بات اور سادہ بات یہ تھی کہ وہ (شرفاء) لذت کو ترجیح دیتے تھے۔ جب تمام اخلاقی دلائل ایک طرف رکھ دیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم جانور کھاتے ہیں ہمارے پاس ایسا کرنے کی مکمل قوت ہے اور ہمیں یہ ذائقہ پسند ہے۔"

تاہم زرمونگالیف عورتوں کو قتل کرنے اور ان کا گوشت پکا کر کھانے میں کسی ت یا [illegible] کی بات نہیں کرتا۔ پٹڑی سے اترا ہوا یہ روسی اور ہی پر پیچ دلائل دیتا ہے۔ عورتوں کو اس لیے کھاتا ہے کہ عورتیں بالخصوص طوائفیں تمام برائیوں کی جڑیں ہیں۔ وہ ن کو مارنے اور کھانے سے دنیا کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کرتا تھا۔ "امن کے لیے م خوری" اس کی بدکرداری کا ماٹو ہے لیکن پولیس کو اس کا یہ دفاعی ماٹو پسند نہیں آیا۔

زرمونگالیف کے کھاتے میں یقینی طور پر سو عورتوں کا شکار ہے لیکن پولیس نے ع شہادتوں کے سات قتل اس کے ذمہ ڈالے۔ زرمونگالیف نے اپنے آپ کو پاگل بتایا اس نے مقدمات کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے دماغی امراض کے ایک ٹیوٹ میں ازبکستان کے شہر تاشقند میں بھیج دیا گیا وہ اب بھی وہیں ہے۔

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اب جیل کی خوراک پر ہی گزر بسر کر رہا

* * *

78

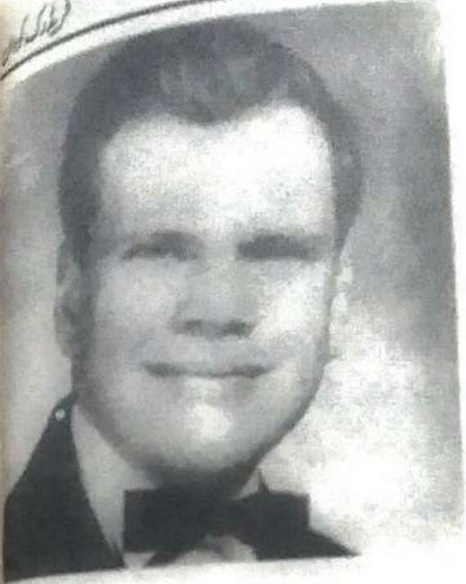

فریڈرک کووان

(1943ء تا 1977ء)

''کالے اور یہودی لوگوں سے کوئی اور چیز کمتر نہیں ہے یہاں تک کہ پولیس بھی جوان کی حفاظت کرتی ہے۔''

فریڈرک کووان

نسلی نفرت وہ ناپاک اور منحوس جذبہ تھا جس نے فریڈرک کووان کو اکسایا۔ وہ سیاہ فام اور یہودی لوگوں کے لیے مجسم نفرت بن گیا اور یہ نفرت 1977ء کے ویلنٹائن ڈے کووان کے سپروائزر نارمن بنگ کے لیے موت کا دھماکہ ثابت ہوئی۔ نارمن بنگ یہودی تھا اور اس نے کووان کو اپنے احکامات کہ اس ریفریجریٹر کو یہاں سے وہاں لے جاؤ کی تعمیل نہ کرنے پر معطل کر دیا تھا۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ کووان' ہٹلر کا پرستار تھا۔ اس نے اپنے کمرے میں ہٹلر کے حوالے سے چار اشتہارات لگا رکھے تھے۔ اس نے نازیوں سے متعلق کچھ چیزیں بھی جمع کر رکھی تھیں۔ نازی ہتھیار بھی اس کے پاس تھے اور نازیوں کے یادگاری جھنڈے اور ان کے ہیلمٹ بھی تھے۔ وہ خود کو ہٹلر کی خصوصی حفاظتی فوج کا سپاہی سمجھتا تھا۔

33 سال کی عمر میں بھی وہ ابھی ماں باپ کے ساتھ بالا خانے میں ایک بیڈروم میں رہتا تھا۔ اس کے کسی عورت کے ساتھ تعلقات نہ تھے۔ وہ اپنی تخلیق کردہ غصہ ور دنیا میں رہتا تھا اور اس کے غصے کے ہدف سیاہ فام اور یہودی لوگ تھے۔

وہ واضح طور پر کئی سال تک دوسروں سے غیر متعلق ہی رہا اور بالآخر وہ مخبوط الحواس ہوگیا۔ اس کی ماں کے بیان کے مطابق کہ اس کے نیو روشیلے اور نیو یارک کے مضافات میں اور نیپچون موونگ کمپنی میں جہاں وہ کام کرتا تھا اسے کبھی کسی نے اس کی بات سے متعلق نہیں بتایا۔

وہ ایک ''قومی ریاستی حقوق پارٹی'' نامی تنظیم کا کارڈ یافتہ ممبر تھا جس کے اصولوں میں ایک اصول یہ تھا کہ امریکہ سفید فاموں کا ہے۔ دیگر تمام نسلوں سے علیحدگی اختیار کی جائے اور تمام ریاستہائے متحدہ امریکہ سے یہودیوں کو نکال باہر کیا جائے اور ان کی غلط طریقوں سے اکٹھی کی ہوئی دولت اور جائیدادوں کو ضبط کر لیا جائے۔ ان کا نعرہ تھا 'آز' پرائیڈ' فائٹ— سیو دی وائٹ۔

خبردار کرنے والی علامات کہ کووان کچے دھاگے سے لٹک رہا ہے خاصی واضح تھیں۔ ایک دن اس نے ایک کتے کے بچے کو ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کر دیا کیونکہ اس پلے کے بال سیاہ تھے۔ ایک اور موقع پر وہ ایک بار میں عورت سے خوش گپیاں لگا رہا تھا کہ کسی طریقے سے اسے علم ہوگیا کہ عورت تو یہودن ہے۔ اس پر وہ جھلا کر باتیں کرنے لگا۔ اسے اس قدر غصہ آیا کہ اس نے بار کا ٹی۔ وی توڑ دیا۔ ایک اور موقع پر کووان نے اپنی ہمسایہ کو رائفل اٹھا کر دھمکی دی کہ وہ کیوں ایک سیاہ فام نوجوان سے ملاقاتیں کر رہی ہے۔

14 فروری 1977ء کو پیر کے دن کووان کو نیپچون موونگ کمپنی کے باہر روک لیا

گیا تو وہ ہتھیار اٹھا کر مرنے مارنے پر تل گیا۔ اس کے ٹرنک میں حملہ کرنے والے نیم خودکار سا کو 3.8 انچ۔ کے 410 بھری ہوئی رائفل موجود تھی۔ اس کی چھاتی کے ساتھ دونوں اطراف لٹکنے والے ہولسٹر تھے جس میں دو عدد 45 کیلیبر کے پستول تھے اور 9 ایم ایم کے پستول اس کے علاوہ تھے۔ اس کی کمر کی بیلٹ کے ساتھ 9 انچ لمبا شکاری چاقو بھی لٹکا رہتا تھا۔ اس کے پاس ان اوزاروں میں استعمال ہونے والی گولیوں کے پیکٹ بھی تھے اور ڈھیر بھی۔ اس صبح جب وہ کمپنی کے باہر جنگ کی نیت سے آیا تھا تو تب بھی اسے روکا گیا تھا۔

وہ اپنی کار سے نکل کر عمارت کے اندر داخل ہوا تو فورا ہی اس نے تین افریقی نژاد امریکن ملازمین ہلاک کر دیے۔ اس نے ایک سال قبل امریکہ آنے والے ایک ہندوستانی کو بھی جان سے مار دیا۔ اس نے عمارت کے اندر گھومتے ہوئے بغیر نشانے کے کئی فائر کیے اور بار بار نارمن بنگ کو سامنے آنے کے لیے للکارتا رہا۔ ملازمین تحفظ کی خاطر ادھر ادھر بکھر گئے۔ کچھ عمارت سے ویسے ہی بھاگ نکلے۔ نارمن بنگ اپنے دفتر سے ملحق ایک دوسرے دفتر میں ایک میز کے نیچے چھپ گیا۔

7 بجکر 55 منٹ پر عمارت کے سامنے پولیس آگئی اور جو پولیس آفیسر عمارت کی طرف پہلے بڑھا اسے کووان نے نشانہ بنایا۔ اس نے ایک سیکنڈ میں ایک نیچے کے دفتر، جس میں شیشہ لگا ہوا تھا قبضہ کرلیا۔ پھر اس نے مسلسل پولیس‘ تماشائیوں‘ گاڑیوں اور ہر اس شخص پر جو گولیوں کی زد میں آیا گولیاں داغیں۔ اس کی یہ فائرنگ تین اور پولیس افسروں کو زخمی کرنے پر اختتام پذیر ہوئی۔

دوپہر تک جنگ کے اس منظر پر تین سو پولیس آفیسر اور ایف۔ بی۔ آئی کے آدمی پہنچ چکے تھے۔ ملٹری ٹینک آئے تو گھرے ہوئے پولیس افسروں کو بچانے کی شکل بنی۔

اس محاصرے کے دوران کووان نے ایک فون کیا۔ اس نے پولیس سے کھانا طلب کیا۔ کووان کا قد تقریباً چھ فٹ سے زیادہ تھا اور وزن 250 پونڈ تھا۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ اسے آلوؤں کا سلاد اور گرم چاکلیٹ درکار ہیں۔ ایسے نازک حالات میں بھی کووان کے ذہن کی درشتی نہیں گئی۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ جب وہ بھوکا ہو تو اسے خوراک

حاصل کرنا آتا ہے۔

دو گھنٹے بعد پولیس اور ایف۔ بی۔ آئی نے عمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ پانچ خوب تربیت یافتہ افسران عقبی دروازے سے کمپنی کی عمارت میں داخل ہوئے۔ ان سب افسران نے گولیاں اثر نہ کرنے والی جیکٹیں اور ہیلمٹ کے علاوہ دیگر تمام حفاظتی تدابیر اختیار کر رکھی تھیں۔ اچانک انہوں نے ایک فائر کی آواز سنی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ پولیس نے دہشت زدہ اہلکاروں کو دیکھا اور انہیں خطرے سے باہر نکالا۔ پھر وہ احتیاط سے عمارت میں آگے بڑھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اندر ایک یا ایک سے زیادہ گولیاں چلانے والے ہیں یا عمارت میں کہیں بم نصب کر دیئے گئے ہیں۔

بالآخر وہ ایک بالائی منزل کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں انہوں نے فریڈرک کووان کی لاش پڑی دیکھی۔ اس کے سر کا ایک حصہ ہی اڑ چکا تھا۔ اس نے ابھی تک اپنے ہتھیار اور اسلحہ پہنا ہوا تھا۔

کووان نے چھ افراد کی جان لی تھی۔ چار تو کمپنی ہی کے ملازم تھے جن میں سے تین سیاہ فام تھے۔ اس نے کمپنی کے دو ملازمین کے علاوہ تین پولیس افسروں کو زخمی کیا تھا۔ ایک زخمی ملازم بعد میں ہسپتال جا کر چھ ہفتے بعد جان کی بازی ہار گیا۔

کووان کی موت کے بعد پولیس نے اس کے بالاخانے کی رہائش کی تلاشی لی۔ وہ ایک چھوٹا سا نازیوں کا عجائب خانہ تھا جس میں موت کے ہتھیار اور اسلحہ خانہ بھی تھا۔ گیارہ چھوٹے ڈرم بارود کے‘ شاٹ گنوں کے کارتوس‘ رائفلیں‘ کم از کم دو درجن چاقو‘ سنگینیں اور ایسی مشین تھی کہ گولیاں اور کارتوس خود بنائے جا سکیں۔

چند سال بعد نیپچون موونگ کمپنی کو توڑ دیا گیا اور اس کی جگہ اب محکمہ داخلہ کا اسٹور قائم ہے۔

* * *

79

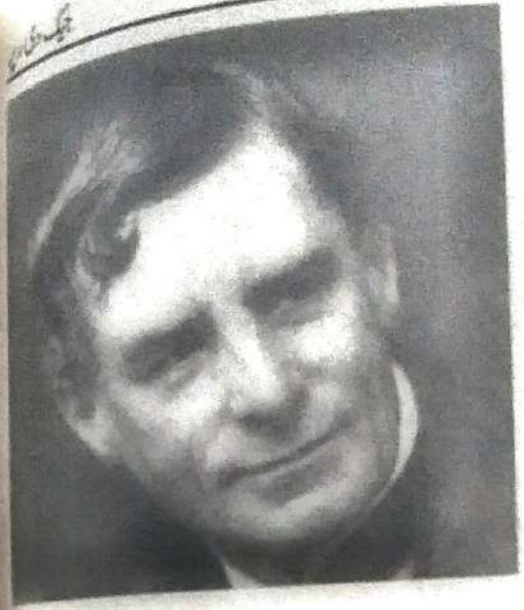

جیک دی رپر

"چٹ پٹے جیک —— تم بڑے شریر ہو ——"

"جیک دی رپر سے متعلق ایک غنایہ کی پہلی سطر۔
از ڈیوڈ سینٹ جب انز۔

جیک دی رپر فرضی نام ہے جو ایک برطانوی سلسلہ وار قاتل کو دیا گیا۔ وہ آج تک شناخت نہیں ہو سکا۔ اس نے 1888ء میں اگست کے آخری دن سے لے کر نومبر کے ابتدائی ایام تک پانچ طوائفوں کو ان کی گردنیں کاٹ کر ہلاک کیا اور پھر ان کی لاشوں کی شکلیں بگاڑ کر ان کے ٹکڑے کیے۔

جیک کو سو برے لوگوں کی فہرست میں رحمانہ بے اور ظالمانہ قتلوں کی وجہ سے شامل نہیں کیا گیا بلکہ اس خوشی و مسرت کی وجہ سے کیا گیا ہے جو اس نے اپنے خوفناک

جرائم کے حوالے سے محسوس کی۔ شہادت کے طور پر اس نے اکتوبر 1888ء میں جو خط جارج لسک کو لکھا اور جو اس سلسلہ وار قاتل کی واحد اور خالص تحریر ہے —— ملاحظہ کیجیے:

"جہنم سے
مسٹر لسک سار (سر کی بجائے سار پر غور کیجیے)
میں آپ کو نصف گردہ بھیج رہا ہوں جو ان گردوں میں سے ایک کا ٹکڑا ہے جو میں نے عورتوں کے گردے محفوظ کر رکھے ہیں۔ میں نے اسے بھونا اور چکھا۔ یہ بہت عمدہ تھا۔ میں آپ کو وہ خونی چاقو بھی بھیجوں گا جو اس کے حاصل کرنے کے کام آیا بشرطیکہ آپ تھوڑی دیر انتظار کریں۔" (عبارت میں ہجوں کی بے شمار غلطیاں ہیں —— مترجم)

دستخط
جب آپ مجھے پکڑ سکیں
پکڑ لیں
مسٹر لسک

دوسرے سلسلہ وار قاتلوں کی نسبت جیک دی رپر کے ہاتھوں ہونے والے قتلوں کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی دہشت و بربریت میں کہیں زیادہ آگے ہے اور اس کا یہ جوہر ستم اسے اپنی قاتلوں کی برادری میں ممتاز کرتا ہے۔

جیک دی رپر نے صرف طوائفوں کو قتل کیا اور سوائے 23 سالہ میری جین کیلی جو اس کی آخری شکار خیال کی جاتی ہے کہ باقی اس کی تیغ ستم کی شکار طوائفوں کی عمریں چالیس سال کے پیٹے میں تھیں۔ اس کے علاوہ وہ انتہائی غریب اور شرابی تھیں۔

جیک دی رپر نے جو کچھ کیا وہ اس نے کیوں کیا؟ بس یہ سب کچھ اس نے ایسے ہی کیا۔ اس نے کسی طوائف سے کوئی بدکرداری یا کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس نے ان کے قتل ہی سے اور ان کے اجسام کے ٹکڑے کرنے سے جو لطف و انبساط حاصل کیا۔

جرمین معالج اور نیورولوجسٹ رچرڈ وان کرافٹ ایبنگ جس کی شہرت جنسی کجرویوں کے مطالعے کے حوالے سے بھی بہت مستحکم ہے نے جیک سے متعلق لکھا:

"جیک نے اپنی شکار عورتوں سے کوئی جنسی معاملہ نہیں رکھا اس کے لیے ان کا جان سے مار دینا اور پھر ان کے اجسام کو پامال کرنا ہی جنسی معاملے کے برابر تھا۔"

جیک دی ریپر کون تھا؟ مندرجہ ذیل وہ باتیں ہیں جو اس سے متعلق جانی جاتی ہیں۔

- ⊙ جیک مزدور لوگوں کی طرح کا لباس نہیں پہنتا تھا۔ وہ کنگال بھی نظر نہیں آتا تھا۔
- ⊙ وہ انسانی جسم سے متعلق طبی نوعیت کی معلومات رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جن اعضا کو حاصل کرنا چاہتا تھا ان کے حصول کے لیے مناسب اور موزوں چیر پھاڑ کرتا تھا۔
- ⊙ امکان غالب ہے کہ وہ زیادہ تر لنڈن کے مشرق میں کہیں دور رہتا تھا۔
- ⊙ وہ ایک سفید فام مرد تھا یا پھر وہ ایسا بہروپیا تھا جو سفید فاموں جیسا حلیہ رکھتا تھا۔
- ⊙ تقریباً وہ اکیلا ہی تھا اگر اس کی بیوی ہوتی تو وہ اس کے آدھی راتوں کو گلیوں میں ٹہلنے پر معترض ہوتی۔
- ⊙ قد میں وہ اوسط سے کم تھا یا پھر اوسط قد ہی رکھتا تھا۔
- ⊙ 1888ء میں اپنے قتال کے وقت اس کی عمر بیس سے چالیس سال کے پیٹے میں تھی۔
- ⊙ یا تو وہ خودمختار امیر آدمی تھا یا پھر وہ آمدنی کا کوئی ذریعہ ملازمت وغیرہ رکھتا تھا۔ اس نے تمام قتل ہفتے کے آخری دن کو کیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یا تو باقی ہفتہ معروف رہتا تھا یا پھر وہ پولیس کو جل دیتا تھا۔
- ⊙ وہ بائیں ہاتھ کو استعمال کرتا تھا۔ گویا "کھبچو" تھا۔

دوسرے امکانی ریپر

کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے جیک دی ریپر کے دیومالائی قصے میں "ہیرو" ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ایسے دس لوگوں کا ذکر ہے:

1- **ڈاکٹر تھامس نیل کریم (1850ء تا 1892ء)**
اسے جب پانچ طوائفوں کو زہر دینے کے جرم میں پھانسی کی سزا دی جا رہی تھی تو وہ چلایا۔ "میں ہوں جیک دی۔۔۔"

2- **جوہن ڈروٹ مونٹیگو (1857ء تا 1889ء)**
مونٹیگو نے ڈوب کر خودکشی کی اور پولیس سے کسی نے کہا کہ حقیقی جیک دی ریپر نے خودکشی کر لی ہے۔

3- **جنرل ولیم بوتھ کا سیکریٹری**
اس نوجوان نے ایک مرتبہ ایک طوائف کے قتل کی پیش گوئی کی۔ اسے جیک دی ریپر خیال کیا گیا لیکن پھر اس امکان کو رد کر دیا گیا۔

4- **جل دی ریپر**
کچھ بااختیار لوگوں کا خیال تھا کہ جیک دی ریپر مرد نہیں عورت ہے۔ اس مفروضے پر ایک پاگل مڈوائف پر شبہ کیا گیا۔

5- **جیمز کینتھ سٹیفن (1859ء تا 1892ء)**
سٹیفن پر شبہ کیا گیا کہ اس کی شاعری کا لکھنے کا انداز جیک دی ریپر کے خط سے ملتا جلتا تھا۔

6- **کوسمنسکی اے۔ کے۔ اے (لیدر ایپرن)**
یہ ذہنی طور پر پاگل شخص ایک پولش (پولینڈ کا رہنے والا) جوتے ساز تھا۔ اس کے پاگل پن کی وجہ سے اسے بھی جیک دی ریپر خیال کیا گیا۔

7- **پرنس البرٹ وکٹر (ڈیوک آف کلیرنس (1864ء تا 1892ء)**
شاہی خاندان کا یہ شہزادہ جنسی طور پر گمراہ تھا لہٰذا ایک افواہ کے ذریعے اس پر بھی جیک دی ریپر ہونے کا الزام دھرایا گیا۔

8- **سر ولیم ووے گل (1816ء تا 1890ء)**
گل ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک روحانی عمل کے ایک معمول نے اپنے خواب کے نتیجے میں جیک دی ریپر کو "منتخب ڈاکٹر" قرار دیا۔ گل نے ان دنوں پرنس آف ویلز

کے میعادی بخار کا علاج کیا تھا اور بڑی شہرت رکھتا تھا لہٰذا اسے بھی جیک دی رپر سمجھا گیا۔

-9 سیورن کلوسووسکی اے۔ کے۔ اے (جارج چیپ مین) (1865ء تا 1903ء)

کلوسووسکی ایک حجام تھا۔ اس نے اپنی تین داشتاؤں کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا اور خود پھانسی کی سزا پائی تھی۔

-10 الیگزینڈر پیڈ فشکو

اس سے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اسے روسی خفیہ پولیس نے لندن میں ذ داریاں سونپ رکھی تھیں کہ وہ عورتوں کو قتل کرے اور روسی انتہا پسندوں مقیم لندن کو بدنام کرے۔

جیک دی رپر کی شکار

-1 میری این "پولی" نکولس

اس کی عمر بیالیس سال تھی اور اسے 31 اگست 1888ء کو قتل کیا گیا۔ اس کا گلا کاٹا گیا اور اس کے پیٹ کو چیرا گیا۔

-2 اینی "ڈارک اینی" چیپ مین

اس کی عمر 47 سال تھی۔ 8 ستمبر 1888ء کو قتل کی گئی۔ مصدقہ طور پر وہ جیک دی رپر کی دوسری مقتولہ تھی۔ جب اس کی لاش اگلی ہی صبح 6 بجے ملی تو اس کی چھوٹی آنت اس کی لاش کے قریب زمین پر پڑی تھی لیکن اس کا تعلق پیٹ کے ساتھ موجود تھا جبکہ اس کا معدہ اس کے بائیں کندھے کے قریب پڑا تھا۔ اس کا مثانہ اور مثانے کے کچھ حصے جسم سے علیحدہ کر لئے گئے تھے۔ اس کا گلا دہشت ناک طریقے سے کاٹا گیا تھا۔ صرف ذرا سے گوشت کے ساتھ بقیہ جسم سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے گردے بھی غائب تھے۔

یقین سے کہا جاتا ہے کہ جیک دی رپر نے ڈارک اینی کا ایک گردہ کھا لیا تھا جبکہ اس نے اپنے 16 اکتوبر کے خط کے ساتھ دوسرے گردے کا نصف مائل اینڈ وائٹ

چیپل ویجی لینس کمیٹی کے جارج لسک کو بھیجا تھا۔ اس خط میں دوسرے گردے کو کھانے کا ذکر موجود تھا۔ گردے کے طبی معائنے سے ظاہر ہوا تھا کہ جس آدمی کا یہ گردہ ہے وہ "برائٹ" نامی مرض کا شکار ہے اور ڈارک اینی واقعی اس مرض کی مریضہ تھی، تبھی جیک دی رپر نے خط کی آمد کی جگہ کا نام "جہنم" لکھا تھا۔

-3 الزبتھ "لانگ لز" سٹرائیڈ

30 ستمبر 1888ء کو قتل ہونے والی اس طوائف کی عمر 45 سال تھی۔ اس کا گلا تو کاٹا گیا تھا لیکن اس کی لاش محفوظ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیک دی رپر نے جب طوائف کو قتل کیا تو اس کے فوراً بعد اسے کسی مداخلت کا شبہ ہوا اور وہ موقع سے فرار ہو گیا اور وہ اپنی قاتلانہ صفات کا اظہار "لانگ لز" کی لاش پر نہ کر سکا۔ یہ شاید اسی ناکامی کا شاخسانہ تھا کہ اسی رات اسے ایک اور طوائف کیتھرائن ایڈوز کا بھی شکار کرنا پڑا۔

-4 کیتھرائن ایڈوز

کیتھرائن ایڈوز بھی 30 ستمبر 1888ء ہی کو قتل ہوئی۔ اس کی عمر 43 سال تھی۔ اس کا گلا کاٹا گیا اور اس کی لاش کا خوب خوب حلیہ بگاڑا گیا اور اس کے گردے نکال لئے گئے۔

-5 میری جین (جینٹ) کیلی

میری جین کی عمر اپنے قتل کے وقت یعنی 9 نومبر 1888ء کو 24 سال تھی۔ اسے جیک دی رپر کا آخری اور بدترین قتل قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری لاشوں کے برعکس میری جین کی لاش ایک عمارت کے اندر سے ملی۔ وہ اپنے کمرے اور اپنے ہی بستر پر تھی۔ اسی وجہ سے جیک نے اس کی لاش کی کافی جراحی کی تھی۔ اس کا سر بائیں طرف مڑا اور گلا کٹا ہوا تھا۔ اس کا گلا کاٹا گیا اور تقریباً جسم سے علیحدہ ہی ہو چکا تھا۔ پیٹ کو کھولا گیا تھا۔ اس کی چھاتیاں اور ناک کاٹ کر میز پر رکھی تھیں۔ اس کا کلیجہ پاؤں کے درمیان بستر ہی پر پڑا تھا۔ دائیں ٹانگ کی کھال اور پٹھے ہڈیوں تک علیحدہ کر دیے تھے۔ اس کا چہرہ ناقابل شناخت تھا جبکہ دایاں ہاتھ اس کے پیٹ کے شگاف پر رکھ دیا گیا تھا۔

آخری اہم خبر

جرائم نگار پیٹریشا کارن ویل نے دسمبر 2001ء میں لکھا کہ اس نے خاص طور ثابت کر دیا ہے کہ جیک دی رپر ایک تجریدی آرٹ کا مصور تھا اور اس کا نام والٹر سکرٹ تھا۔ اس نے اس سلسلے میں جو کوششیں کیں اور اسے جو کچھ دریافت ہوا وہ سب کچھ اپنی ایک تصنیف و تالیف میں لکھ رہی ہے۔

☆

80

مارک ایسیکس

(1949ء تا 1973ء)

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ سفید فام میرا دشمن ہے میں اپنی مردانگی حاصل کرنے کے لیے لڑوں گا یا اس کوشش میں مر جاؤں گا۔"

مارک ایسیکس کا اپنی ماں کے نام خط

"افریقہ کو آزاد کرو۔ آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔"

مارک ایسیکس

ہاورڈ جانسن کی موٹر لاج کی چھت پر

چند افریقن امریکن قاتلوں میں سے مارک ایسیکس واحد ایسا قاتل تھا جو سفید لوگوں سے نفرت کرتا تھا اور اپنے آپ کو بدترین نسلی تعصب کا شکار خیال کرتا تھا۔ اس

کا نام سو برے لوگوں کی فہرست میں اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ اس نے سفید فام کو "نفرت" کے نام پر قتل کیا۔ اس نے اپنے اس یقین کا بار بار اعادہ کیا کہ اس کی کا اولین مقصد سفید فام لوگوں کا قتل ہے۔

7 جنوری 1973ء کو ہاورڈ جونسن موٹر کمپنی کی چھت پر اپنی موت سے تھوڑا پہلے اس نے ایک خوفزدہ ہوٹل کی سیاہ فام ملازمہ سے کہا کہ وہ اپنے تحفظ کے بارے میں پریشان نہ ہو۔ "یہ ایک انقلاب ہے— پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم کالے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا۔ مجھے سفید فام لوگوں کی ضرورت ہے۔ میں صرف سفید فاموں پر گولیاں داغ رہا ہوں۔"

چھت پر چڑھنے سے پہلے اس نے کچھ ہوٹل کے کمروں کو آگ لگائی تھی لوگ کھلی جگہ پر نکل آئیں۔ چند دن پیشتر اس نے دو کانسٹیبل قتل کیے تھے ایک کو اس نے پولیس کی حوالات میں مارا تھا جبکہ دوسرے کو گودام میں گھات لگائے بیٹھے اڑا دیا تھا۔

پولیس کے ایک تیزی سے گولیاں برسانے والے فرد نے ایک ہیلی کاپٹر سے ایسیکس کو گولی کا نشانہ بنایا۔ دوسرے سپاہیوں نے پوری مشین گن ہی اس کے جسم پر خالی کر دی۔ اس کی داہنی ٹانگ تقریباً اس کے جسم سے علیحدہ ہی ہو گئی جبکہ اس کی زبان کی لاش سے کافی دور چھت کے اوپر علیحدہ پڑی ہوئی ملی۔ ایسیکس نے کل نو افراد جانیں لیں۔ سات افراد تو اس نے چھت پر مارے جبکہ گیارہ کو اس نے شدید زخمی کیا میں دو جانبر نہ ہو سکے جبکہ باقی تو موت کے منہ سے بچ نکلے۔

مارک ایسیکس امپوریا، کنساس میں 1949ء میں پیدا ہوا۔ یہ چھوٹا سا مقام تہذیب پر نازاں اور نسلی تعصب سے پاک ہونے پر فخر رکھتا تھا۔ اس کا باپ گوشت کرنے کے ایک پلانٹ پر فورمین تھا جبکہ اس کی ماں سکول کونسلر تھی۔ ایسیکس کا دیہاتی خوشیوں سے سرشار تھا۔ اسے نسلی تعصب کی خونی ہوا نہیں لگی تھی۔ وہ نہیں تھا۔ امریکہ میں بہت سے سیاہ فام امریکن پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں رہ رہے تھے۔ ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ایسیکس بھی سفید فام اور سیاہ فام لڑکیوں

جلتا تھا۔ اس پس منظر کی وجہ ہی سے جب ایسیکس کو نسلی تعصب کا سامنا ہوا تو وہ بالکل مبہوت رہ گیا۔

1969ء میں ایسیکس امریکہ کی بحریہ میں شامل ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 19 تھی اور وہ دانتوں کا شاگرد ٹیکنیشن تھا۔ اگرچہ اب حالات مختلف ہیں لیکن اس وقت میں نسلی تعصب حملے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ایسیکس کے ساتھی ملاح، خاص طور پر اس مراتب میں بڑے، نوجوانوں کو متواتر دق کرتے تھے۔ جب بھی کیمپ کے صدر سے وہ موٹر پر گزرتے تو سفید فام محافظ آمرانہ طریقے سے اس سے رجسٹریشن، کے کاغذ اور لائسنس طلب کرتے۔ جان بوجھ کر دیر کرتے جبکہ وہ سفید فام ساتھیوں کو کی شناخت کے بغیر ہی گزر جانے دیتے۔ بعض اوقات سفید فام محافظ اس کی گاڑی کے کے تختے اکھاڑ دیتے کہ وہ ممنوعہ اشیا تلاش کر رہے ہیں لیکن حقیقتاً وہ ایسیکس کو کرنے کے لیے یہ سب کچھ کرتے تھے۔

اسی روکا ٹوکی کے دوران ایسیکس اپنے ایک سفید فام چھوٹے افسر سے الجھ پڑا۔ معلوم ہوا (خاص طور پر اپنے آخری شکار کے حوالے سے) کہ سفید فاموں کو جسمانی زک پہنچا کر اسے بہت زیادہ تسلی اور اطمینان ہوتا ہے۔

1970ء میں ایسیکس کا ایک امتحان لیا گیا اور اس کی بنا پر اسے بحریہ سے جلد فارغ کر دیا گیا بلکہ اس کے فراغت کے کاغذات میں "ناموزوں کردار" لکھ دیا گیا گویا کا کردار ہی اس کی برطرفی کا بہانہ بنا تھا۔ اب ایسیکس قانونی پابندیوں سے آزاد تھا اس نے ایک فیصلہ کیا اور اس فیصلے ہی نے اسے ہجوم کا قاتل بنا دیا۔

ایسیکس نے ہارلیم، نیو یارک کا سفر کیا۔ وہاں وہ "بلیک پینتھر" نامی تنظیم کے ران سے ملا۔ یہ انتہا پسند سفید فام حکومت کا خاتمہ چاہتے تھے۔ نسل پرست حکومت کے اروں نے ایسیکس میں ایک پرجوش طالب علم اور اپنا حامی پایا۔ اس نے ان کا پورا اپنا لیا اور جب 1971ء میں وہ واپس کنساس آیا تو نسلی تعصب سے بھرا ہوا ایک آگ والا صندوق تھا جس میں فیتہ لگا ہوا تھا۔

ایسیکس نے عیسائیت پر بھی الزام دھرا کہ سفید فام لوگوں کا مذہب
تہذیبی و سماجی برابری کے لیے اس نے تشدد کو ذریعہ بنایا اور عملی انسان بننے کے لیے
نے 44 کیلیبر میگنم رگر ڈیئر سلیئر کاربائن رائفل خریدی اور اس کو دشمنوں کی جستجو
کر دیں۔

اس نے افریقن کلچر کے مطالعے کے لیے نیو اورلینز کا سفر کیا۔ اپنے
لیے سواحلی افریقی نام پسند کیا اور ایسے منصوبوں میں رہنے لگا جہاں غریب ترین لوگ
حالات میں رہتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسیکس کے مذہب کے تمام لوگ
کے خلاف تھے۔ 1972ء کے سال نو کے پہلے دن بارودی صندوق کے نیچے آگ لگا
دی گئی۔ پولیس کی حوالات میں ایک سپاہی کو گولی کا نشانہ بنا کر ایسیکس نے اپنے
ڈرامے کی ابتدا کر دی۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ جس سپاہی کو مار کر ایسیکس نے
پرستی کی مہم کا آغاز کیا وہ سیاہ فام ہی تھا۔ دوسرے سپاہی پر گودام میں گولی چلانے کے
ایسیکس اپنے گھر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چند دن گھر میں رہا اور اپنے
حملے کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔

پہلے اس نے اپنے پڑوس میں ایک سبزی فروش کو گولی کا نشانہ بنایا پھر اس
ایک کار کو اغوا کیا اور مقامی ہاورڈ جونسن کی طرف بڑھا۔ یہ اس کے قتل عام کا منتخب
اور یہاں ہی خود بھی اس کی موت واقع ہوئی۔

ایسیکس نے اپنا راستہ ایک ہوٹل میں سے بنایا جہاں وہ لوگوں کو قریب ہی سے
نشانہ بناتا رہا۔ جلد ہی یہ تمام علاقہ ابتری کا نمونہ بن گیا۔ مرے ہوئے لوگ پڑے تھے اور
زخمی بھی موجود تھے۔ آگ لگی ہوئی تھی۔ پانی بے تحاشہ بہہ رہا تھا۔ سپاہی "آگ بجھانے
والے لوگ وغیرہ مل کر مکمل افراتفری کا عالم پیدا کر رہے تھے۔ اس سب کچھ کے پیچھے
ایسیکس کا نسلی تعصب ہی داد کا مستحق تھا۔

بالآخر ایسیکس نے ہوٹل کی چھت پر ایک مستحکم مورچہ بنایا جس میں اس نے
گھنٹوں سپاہی قید رکھے' پولیس کے ہیلی کاپٹروں کی اڑتالیس یلغاروں سے بچنے والے

مورچے میں تھے۔ بالآخر ایسیکس نے آخری معرکے کا آغاز کیا اور وہ چھت پر
باہر نکلا۔ اسے فوراً ہی ایک سو سے زائد گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی لاش
گھنٹے چھت کے اوپر پڑی رہی کیونکہ پولیس یہ یقین کرنے میں ہچکچا رہی تھی کہ وہ
سپاہی نفرت کے اس مشن پر برسرپیکار ہے وہ ہوٹل کے برقعات سے محفوظ ہونے کی تسلی
کے بغیر وہاں سے نہیں ہٹے

بعد میں پولیس کو معلوم ہوا کہ مارک ایسیکس نے اپنی رہائش گاہ کی چھت پر
سفید فاموں کی مخالفت اور سیاہ فاموں کی قوت کے نعرے لکھے ہوئے تھے اور
دوسروں سے سفید فاموں سے نفرت کی آگ میں کر جلتا رہا تھا۔ اس کی ہوٹل کی چھت پر
گولیوں سے چھلنی پڑا بدن' داہنا ہاتھ سر سے اوپر اٹھا ہوا تھا جیسے وہ "سیاہ قوت" کے سلام
کا منظر ہو۔

موت کے باوجود ایسیکس کے چہرے پر سفید فاموں سے نفرت موجود تھی۔

* * *

81

رچرڈ سپیک

(1941ء تا 1991ء)

"آج کی رات خوب سوؤ' آپ کا قومی محافظ جاگ رہا ہے۔"

نرسوں کے گھر میں لگا ایک اشتہار

"جہنم برپا کرنے کے لیے پیدا ہوا۔"

رچرڈ سپیک کی کلائی ٹیٹو

"اگر وہ مجھے جلاتے نہیں تو وہ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ وہ مجھے کسی خول میں رکھیں گے؟

رچرڈ سپیک نے یہ سننے سے پہلے کہا کہ اسے برقی کرسی پر بٹھایا جائے گا۔

"میری مدد کرو' میری مدد کرو' میری مدد کرو۔ یہ کوئی مر چکا ہے میں ہی اس

آہنی تھال میں زندہ ہوں—— میرے سب دوست مر چکے ہیں' مر چکے ہیں—— مر چکے ہیں—— صرف میں ہی زندہ ہوں۔ اوہ خدایا—— صرف تو ہی ہے—— میرے دوست مر چکے ہیں۔"

کورازون امراؤ—— سپیک کے حملے میں
بچ جانے والا واحد شخص

بیس سال عمر ہونے سے پہلے وہ دس مرتبہ گرفتار ہو چکا تھا۔ جب اس کی عمر 25 سال ہوئی تو جب تک وہ 37 مرتبہ گرفتار ہو چکا تھا۔

13 جولائی 1966ء سے ابتدا کر کے 14 جولائی صبح تک رچرڈ سپیک خوفناک طریقے سے آٹھ طالبات نرسوں کو ان کی قیام گاہ جنوبی شکاگو کمیونٹی ہسپتال میں قتل کر چکا تھا۔ اس نے سات لڑکیوں پر جنسی حملہ کیا نہ ہی ان سے لواطت کا سلوک کیا تاہم اس نے ایک طالبہ نرس سے یہ سب کچھ کیا اور تشدد آمیز طریقوں سے کیا۔ اس ایک طالبہ نرس نے اسے اس کی سابقہ بیوی کی یاد دلائی تھی۔

رچرڈ سپیک 13 جولائی کو گیارہ بجے رات باورچی خانے کی کھڑکی کی راہ نرسز ہوم میں داخل ہوا اور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل تک جا پہنچا۔ اس وقت تک سپیک سارا دن شراب نوشی کرتا رہا تھا اور ایک ملاح سے ایک دوائی جس کی کبھی شناخت نہیں ہو سکی' لے کر اس کا ٹیکہ لگایا تھا۔ سپیک نے پولیس کو بتایا کہ انھوں نے ایک ضائع کر دینے والی سرنج میں ایک بوتل سے دوا بھر کر اسے دی تھی اور پھر وہ باہم بانٹنے کیلئے لگے۔ "میں نے اپنے بائیں بازو پر رومال باندھا اور سرنج کو جسم میں گھسیڑ دیا۔ تمام راستہ جب تک کہ میں نے سرنج کی سوئی باہر نہیں نکالی ایک جھنجھناہٹ محسوس کرتا رہا۔" بعد میں سپیک نے یہ بھی بتایا کہ اس کو قتلوں کے بارے میں کچھ یاد نہیں وہ شراب اور ٹیکے والی دوائی کی زیر اثر تھا۔

جب سپیک دوسری منزل پر پہنچا تو اس نے خوابگاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کورازون امراؤ اور اس کی دو ساتھیوں نے جواب دیا۔ سپیک نے ان کو ایک گن اور ایک چاقو دکھایا اور کہا: "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا بس تمہیں صرف باندھوں گا۔ مجھے صرف

تمہاری رقم کی نیو اورلینز جانے کے لیے ضرورت ہے۔"

اس دور میں یعنی 1966ء میں اجتماعی قتل امریکی معاشرے کے لیے نئی چیز تھی۔ اغوا کی جانے والی نرسوں نے سپیک پر یقین کر لیا تھا کہ اسے صرف ان کے پیسے اپنے نیو اورلینز کے سفر کے لیے ضرورت ہے اور وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

سپیک نے تمام نرسوں کو ایک ہی کمرے میں دھکیلا جہاں تین اور لڑکیاں پہلے سے بات چیت کر رہی تھیں۔ اس نے چھ نرسوں کو فرش پر لیٹ جانے کو کہا اور بستر کی چادر کی پٹیوں سے چھ کی چھ نرسوں کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے۔ چونکہ وہ بحری جہاز پر کام کرتا تھا اس لیے اس کو گرہیں لگانے کی خصوصی تربیت حاصل تھی اور یہ گرہیں ہی بعد میں اس کے خلاف شہادت بنیں اور انہی کی وجہ سے وہ مجرم ثابت ہوا۔ اگلے دو گھنٹوں کے اندر تین اور لڑکیاں بھی اپنے روم میں آ گئیں اور ان کو بھی سپیک نے باندھ دیا۔

سپیک نے لڑکیوں سے پوچھا کہ وہ اپنا روپیہ پیسہ کہاں رکھتی ہیں؟ ان کے بتانے پر اس نے نقدی اپنی تحویل میں لے لی۔ پھر وہ بندھی ہوئی نرسوں کو گھورتا رہا اور اگلے مرحلہ کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک نرس کو علیحدہ کمرے میں لے گیا اور اس کی ایک چھاتی پر ایک کاری زخم لگایا اور پھر چادر کی بٹی ہوئی پٹی سے اس کا گلا گھونٹا۔ ایک اس موت کی سرحد پار کر گئی۔ پھر وہ دوسری نرس کو ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اسے مارنے کے لیے اس نے اس کی گردن، چھاتی اور آنکھ پر زخم لگائے۔ وہ بھی مر گئی۔ تیسری لڑکی نے اپنا دفاع کیا تو وہ غصے میں آ گیا اور اس نے غصے میں اس کو بہت سے زخم لگائے اور اس کا بھی گلا گھونٹ ڈالا۔ مرنے والیوں کی تعداد تین ہو گئی۔

اس صورت حال سے سپیک تھوڑا سا پریشان ہو گیا۔ وہ ایک ہال نما غسل خانے میں گیا اور اپنے ہاتھوں کو لگ جانے والے خون کو دھو کر صاف کیا۔ وہ کمرے میں آیا اور ایک اور لڑکی کو ساتھ لے گیا۔ اس نے اسے وہاں بستر پر لٹایا اور چاقو سے اسے گردن کے گہرے زخم لگائے اور گلا گھونٹ کر مرنے والی لڑکیوں کی تعداد چار کر دی۔

اندازہ لگایا گیا کہ اس کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیے ایک گھنٹے سے زائد وقت ہو چکا تھا۔ ہر لڑکی پر اس نے جو وقت لگایا اس کی اوسط تقریباً پچیس منٹ فی لڑکی ہے۔ اب باقی چار لڑکیاں کمرہ میں تھیں اور وہ بستر کے نیچے چھپی ہوئی تھیں۔ ایک لڑکی

[illegible] نما [illegible] سے بچنے کے لیے ناکام کوشش کی۔ اس نے تین باقی لڑکیوں کو [illegible] لیکن اسے کورازون امراؤ نظر نہیں آئی۔ وہ دو لڑکیوں کو سامنے [illegible] نظر آنے والے [illegible] روم میں لے گیا۔ ایک کو اس نے ایک ہی کاری زخم سے ٹھکانے لگا دیا جبکہ دوسری [illegible] ہوئی کو پھندا لگا کر مار ڈالا۔ مرنے والیوں کی تعداد اب چھ ہو گئی تھی۔

وہ پھر سے باتھ روم میں گیا اور اس نے اپنے ہاتھ صاف کیے۔ باقی دو لڑکیوں میں سے اس نے ایک کو ساتھ لیا۔ اس لڑکی کو کورازون امراؤ نے قاتل کو یہ کہتے سنا کہ وہ اس کے [illegible] کھول دے۔ اس نے نہ صرف لڑکی کی درخواست کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ایک زبردست ٹھوکر اس کے پیٹ پر ماری اور پھر اس کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کا آخری [illegible] گرا ایسی تھی جو اس کی ساتھی نرس کی ہم شکل تھی۔ بستر کے نیچے چھپی کورازون امراؤ [illegible] کہ سپیک اس لڑکی کے ساتھ کوئی اور بھی کھیل کھیل رہا ہے۔ جو تقریباً بیس منٹ تک جاری رہا۔ پھر وہ اس لڑکی کو بے ہوش حالت میں نیچے لے گیا اور وہاں اس کو بھی چادر کی پٹی سے گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا۔

آٹھ بے گناہ طالبات کو قتل کرنے کے بعد وہ ٹاؤن ہوم سے نکل گیا۔

کورازون امراؤ گھنٹوں بستر کے نیچے چھپی پڑی رہی۔ اگلے دن پانچ بجے کے قریب اس کو یقین ہو گیا کہ سپیک اب وہاں سے جا چکا ہے تو وہ رینگتی ہوئی بستر کے نیچے سے نکلی۔ ایک کھڑکی کو توڑا اور باہر منڈیر پر کھڑی ہو کر وہ چیخی اور اس نے مدد کے لیے آواز دی۔

پولیس کے آنے پر امراؤ کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں اسے سکون آور ادویات دی گئیں۔ اب وہ ہوش میں آئی تو اس نے پولیس کو قاتل کا ٹھیک ٹھیک حلیہ بتایا۔ پولیس نے اس حلیہ کے مطابق خاکہ تیار کیا اور یہ بالکل قاتل کی تصویر معلوم ہوتا تھا۔

قتل کے تیسرے دن بعد یعنی 19 جولائی کو رچرڈ سپیک کو ہسپتال لے جایا گیا۔ اس نے خودکشی کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔ اس نے اپنے دونوں بازو کاٹ لیے تھے اور بہت سا خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو اپنا نام بتایا۔ ڈاکٹر فوراً سمجھ گیا کہ یہ تو وہی قاتل ہے جس کو نرس طالبات کے قتلوں کے الزام میں تلاش کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر نے پولیس کو بلایا اور سپیک کو گرفتار کر لیا۔

اگلے موسم بہار میں سپیک پر مقدمہ چلا۔ امراؤ نے اس کے خلاف بھرپور شہادت دی۔ جیوری نے 49 منٹ سزا پر غور و خوض کیا اور اسے برقی کرسی کے ذریعے موت کی سزا سنائی گئی۔ اس کی اپیلوں کے دوران موت کی سزا پر سپریم کورٹ نے پابندی لگا دی چنانچہ سپیک کو دوبارہ 400 سے 1200 سال تک کی سزائے قید نئے سرے سے سنائی گئی۔

1978ء میں سپیک نے ادیب باب گرینے کے سامنے اعتراف کیا کہ واقعی اس نے وہ سب کچھ کیا تھا جو اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ "ہاں — میں نے ان کو مارا ان کو گہرے زخم لگائے اور ان کے گلے گھونٹے۔"

یہ اقبال بیان گرینے کی 1983ء کی کتاب "امریکن بیٹ" میں موجود ہے۔

سپیک 1991ء میں 49 سال کی عمر میں دل کے شدید دورے کے باعث ہلاک ہوا۔ اس کی موت کے چار سال بعد 1988ء میں بنائی جانے والی ایک وڈیو ٹیپ جیل ہی سے برآمد ہوئی جو ٹی۔ وی اسٹیشنوں نے نشر کی۔ ٹیپ میں دکھایا گیا کہ سپیک کوکین لے رہا ہے اور اپنی ایک سیاہ فام محبوبہ سے محو اختلاط ہے۔ ٹیپ میں یہ بھی دکھایا گیا کہ سپیک نے نیلے رنگ کی "پینٹیز" پہنی ہوئی ہے اور اپنی زنانہ چھاتیاں دکھا رہا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جیل کے اندر وہ نہ صرف کوکین لے رہا تھا بلکہ اس کے اندر نسوانی ہارمونز بھی نشوونما پا رہے تھے۔

☆

82

چارلس مینسن

(1934ء تا   )

"میں نے اپنی بہترین کوشش کی ہے کہ تم لوگوں کی دنیا کے ساتھ چلوں اور اب تم ہی مجھے مارنا چاہتے ہو — "ہا" میں تو پہلے ہی مردہ ہوں — ساری زندگی ہی ایسا رہا ہوں —"

چارلس مینسن — اپنے مقدمے کے دوران

"بہتر ہے کہ اپنے گھروں کو تالے لگا لو اور اپنے بچوں کی حفاظت کرو۔"

مینسن کے کنبے کے افراد — سوزن ایٹکنز

"وائی ٹیک فرائی کووسکی — تم کون ہو؟"

ٹیکس واٹسن۔ دی ڈیول

شیرون ٹیٹ اور اس کے پیدا ہونے والے بچے رومن پولانسکی کو — یعنی ماں

بیٹے کو قتل کر دیا گیا۔ پال جو نفسیاتی قاتلوں یعنی چارلس مینسن خاندان کا چھوٹا سا بچہ تھا
یار و مددگار رہ گیا۔

مینسن نے استغاثے کے وکیل ونسینٹ بگلیوسی نے چارلس مینسن کو مجسم ''برائی'' کہتے ہوئے کہا: ''آج امریکہ کا تقریباً ہر بگڑا ہوا اور اخلاقی طور پر دیوالیہ اختیار کیا ہوا گروہ' شیطانیت سے لے کر عقل پرست نازی ازم کے پیروکار' سب کے سب مینسن کے زہریلے فلسفے اور دیگر زہروں کو چھاتی سے لگائے ہوئے ہیں۔ وہ ان کے لیے ایک روحانی شبیہ بن گیا ہے اور نظم و ضبط کے خلاف نفرت کا مبلغ اعظم ہے۔ مینسن کے مقدمے کے دوران وکیل ونسینٹ نے یہ بھی کہا کہ مینسن ان بدترین شیطانی صفات کے آدمیوں میں سے ہے جو روئے زمین پر آئے' رہے اور جنہیں بڑا بننے کا خبط سوار ہو اقتدار کی نہ بجھنے والی پیاس اور پرتشدد اموات ان کے ذہن میں سما کر رہ گئیں۔

چارلس مینسن نے اپنی ماہیت قلب کو برائی کے ابتدائی نمونے کے طور پر پیش کرنے کے لیے کیا وجہ جواز پیدا کی اور کیسے اسے ناانصافی اور سیاہ کاری کے ہم معنی بنا اور کیسے اس کا اپنا نام برائی کا ہم معنی ہو گیا؟

11 نومبر 2001 کو چارلس مینسن 67 سال کا ہو گیا۔ اس عمر میں سنہ 1969 میں ہونے والے بیورلے ہلز کیلیفورنیا والے ٹیٹ / لابیانکا کے قتلوں کی وجہ سے وہ اصلاح گھر میں تیس سال کی نظر بندی گزار چکا تھا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ خود چارلس مینسن نے ان لوگوں میں سے کسی کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کیا لیکن اس نے اپنے کنبے کے افراد کو اس شدت سے اکسایا کہ انہوں نے یہ گندہ کام سرانجام دیا۔ ان کے شکار مندرجہ ذیل لوگ تھے:

- اداکارہ شیرون ٹیٹ جس کا شوہر ہدایت کار رومن پولانسکی اس وقت یورپ میں ایک فلم بنا رہا تھا۔
- پال رچرڈ پولانسکی ان کا بیٹا جس کی ولادت اگلے ایک ماہ کے بعد متوقع تھی۔
- شیرون ٹیٹ کی دوست 25 سالہ ابی گیل فولجر' جو فولجر کافی کے وسیع و عریض رقبے کی وارث تھی۔
- ابی گیل کا بتیس سالہ دوست وائی ٹیک فرائی کووسکی۔

- 35 سالہ اداکاروں کے بال بنانے والا مشہور استاد جے سبرنگ۔
- اٹھارہ سالہ نوجوان سٹیو پیرینٹ غلط وقت پر غلط مقام پر ہونے کی وجہ سے مارا گیا۔

شیرون ٹیٹ کی موت ان زخموں کی وجہ سے ہوئی جو اس کے دل' پھیپھڑوں اور جگر پر مہلک انداز میں لگائے گئے۔ مینسن کے دیوانے پیروکاروں نے شیرون ٹیٹ کو ان زخموں کے علاوہ گیارہ زخم محض تفنن طبع کی خاطر لگائے۔ جبکہ فولجر کو 28 زخم لگائے گئے۔ فرائی کووسکی کو دو گولیاں ماری گئیں اور تیرہ مہلک چوٹیں سر پر لگائی گئیں اور اکاون زخم چاقوؤں سے لگائے گئے۔ سبرنگ کو شاٹ گن کا نشانہ بھی بنایا گیا اور سات گہرے زخم لگائے گئے جبکہ پیرینٹ کے لیے چار گن شاٹ کافی رہے۔

سوزن ایٹکنز نامی ایک خاتون' جس کا تعلق قاتل خاندان سے تھا' نے اصلاح گھر میں اپنے کمرے کی ایک ساتھی کے سامنے سب کچھ تسلیم کیا۔ اس نے تمام قتلوں کی تفصیل بیان کی اور یہ انکشاف کیا کہ وہ شیرون ٹیٹ کے بچے کو بچانا چاہتے تھے جبکہ باقی تمام مقتولوں کی آنکھیں نکال کر دیوار کے ساتھ مار کر چکنا چور کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ وقت کی کمی کے باعث وہ ایسا نہ کر سکے۔ انہوں نے مقتولوں کے خون سے دیواروں پر روں کے لیے ''موت'' اور ''جاگو'' کے الفاظ لکھے جبکہ ایک ریفریجریٹر پر غلط ہجوں میں ''ہیلٹر سکیلٹر'' بھی لکھا۔

اگلی شب یعنی 10 اگست 1969ء کو مینسن کے کنبے کے افراد لابیانکا خاندان کے گھر گئے۔ لینو اور روز میری دونوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ لینو لابیانکا گہرے لگائے گئے 26 زخموں سے مرا جبکہ اس کی بیوی روز میری چھ گہرے زخموں سے مر گئی۔ جلدی مر جانے کے باوجود قاتلوں نے اس کو 35 زخم اور لگائے۔

شیرون ٹیٹ کے قتل سے 9 دن قبل مینسن کے کنبے نے موسیقی کے استاد گیری ہنمان کو قتل کر دیا۔ اس کو بھی زخم لگا کر قتل کیا گیا تھا اور پھر قاتلوں نے گیری ہنمان کے دیوار پر ''سیاسی سور'' لکھا تھا۔ لاس اینجلز پولیس اور شیرف کے محکمے کو موسیقی کے استاد کے قتل کے ڈانڈے شیرون ٹیٹ کے قتل سے ملانے میں خاصا وقت لگا' تاہم وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ چارلس مینسن کے کنبے کے افراد کو گرفتار کیا گیا اور ان پر فرد جرم عائد کی گئی۔

مذکورہ قتلوں سے پہلے چارلس مینسن اور اس کے متعلقین سپاہن رینچ کے قریب رہ رہے تھے۔ مینسن نے کرائے کی چھوٹ کی خاطر اپنی لڑکیوں میں سے ایک کو جارج سپاہن کے ساتھ اس کی طلب اور مرضی کے مطابق باہم اختلاط کی ہدایت کر رکھی تھی۔

انہی دنوں چارلس مینسن نسلی تفرقات کی جنگ کی فلاسفی میں نمایاں حصہ لینے لگا۔ اس کا یقین تھا کہ سیاہ فام بالآخر بیدار ہوں گے اور وہ تمام امریکن شہروں پر ایک خونی انقلاب کے نتیجے میں قابو پالیں گے۔ بیٹل کے گیتوں کی "وائٹ البم" سے "ہیلٹر سکیلٹر" کا لفظ اس خونی انقلاب کے لیے نکالا۔ وہ یہ بھی یقین رکھتا تھا کہ وہ بذات خود ایک فرشتہ ہے اور جب وہ لاس اینجلز کو اپنے ایک لاکھ چالیس ہزار افراد کے کنبوں کے ذریعے واپس لے لے گا تو پھر اسے موت کی وادی میں چھپے ہوئے شہر جس میں زرد جواہر ہیں میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔

منشیات، مالی تصرفات، ظلم و جبر، تخریبی عمل اور آزاد جنسی بے راہ روی کے مرکب خیالات و اعمال سے مینسن اپنے پیروکاروں میں ایک روحانی ہستی تھا اور اسے دیوتاؤں جیسی توانائیاں حاصل تھیں۔ اس کے احکامات تسلیم کیے جاتے تھے۔ اس کی لڑکیوں میں سے ایک اس کی معجزانہ صحت بخش صلاحیتوں کا پرچار کرتی تھی جن میں سے ایک فضول قصہ یہ تھا کہ چارلس مینسن کا عضو خاص کاٹ دیا گیا لیکن وہ دوبارہ فوراً ہی اگ آیا۔ ایل۔ایس۔ڈی کے نشے کے باعث اس کے دیکھے گئے تصورات، خیالات اور واہمے اس کی قوتوں کی شہادت تھے۔

لمبی چوڑی تحقیقات کے بعد چارلس مینسن کے اختیار کردہ تمام راستے سپاہن رینچ کی سمت پہنچے اور دسمبر 1969ء کو اسے اور اس کے پیروکاروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ چارلس مینسن، چارلس "ٹیکس" واٹسن، پیٹریشیا کرینونکی، سوزن ایٹکن اور لنڈا کاسابین پر سات قتلوں کی فرد جرم اور قتلوں کی سازش کی ایک فرد جرم عائد کی گئی جبکہ لیسلی وون ہیوٹن پر دو قتلوں اور ایک قتل کی سازش تیار کرنے کا جرم عائد کیا گیا۔

مینسن جب عدالت میں پیش ہوا تو اس کی پیشانی پر ایکس کا حرف X کھدا ہوا تھا۔ جب وہ پیرول پر رہائی کے لیے پیش ہوا تو اس نشانی کی بجائے نازی ازم کا نشان سواستکا اس کی پیشانی پر تھا۔ سماعت کے دوران بھی وہ خاصی دخل اندازیاں اور شور شرابہ پیدا

کرتا رہا۔ جس میں جج پر چیختا چلاتا تھا اور اپنی پیروکار عورتوں کو لاتعلقی میں "کچھ گانے" گانے پر اکساتا تھا۔

ملزموں میں سے ہر کوئی قتل کے جرائم میں ملوث ثابت ہوا اور ہر کسی کو موت کی سزا ہوئی لیکن معاشرے کو مینسن اور اس کے خاندان سے پاک نہ کیا جا سکا۔ 1972ء میں کیلیفورنیا نے سزائے موت کو آئینی طور پر ختم کر دیا لہٰذا سب مجرموں کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔

اس وقت تک امریکن تاریخ میں مینسن کا مقدمہ سب سے طویل تھا۔ یہ ساڑھے نو ماہ چلتا رہا اور جیوری اس پر 225 دن غور کرتی رہی۔ ٹیکس دہندہ عوام کے دس لاکھ ڈالر اس پر خرچ ہوئے جبکہ 80 لاکھ الفاظ رقم ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آج کل مینسن کے نام جو ڈاک آتی ہے وہ کسی بھی امریکن قیدی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس پر فلمیں بنائی گئی ہیں۔ دستاویزی فلمیں بھی موجود ہیں اور اس سے متعلق کتب بھی موجود ہیں۔ اسنے اپنے خاندان کے لوگوں کو جو کچھ کرنے کو کہا اسے "مینسن کے گیت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سوزن ایٹکنز کے مطابق شیرون ٹیٹ/لابیانکا وغیرہ کا قتل دراصل شہرت عام اور بقائے دوام رکھنے والی ہستیوں جیسے رچرڈ برٹن، الزبتھ ٹیلر، فرینک سناترا، سٹیو میکوئین اور ٹام جونز وغیرہ کے مجوزہ قتلوں کا پیش خیمہ تھا۔ مینسن کے پیروکاروں کے خاندان کا یہ لوگ انتہائی ہدف تھے۔ فرینک سناترا سے متعلق ان کا پروگرام تھا کہ جب وہ اپنے گائے ہوئے گیت سن رہا ہوتا تو اس کی زندہ حالت میں کھال اتاری جاتی۔ اس کھال کے پرس بنائے اور بیچے جاتے۔ الزبتھ ٹیلر کے چہرے پر "ہیلٹر سکیلٹر" نقش کیا جاتا اور پھر اس کی آنکھوں کو نکالا جاتا۔ ان آنکھوں کے ساتھ مرتبان میں رچرڈ برٹن کے جسم سے علیحدہ کیا ہوا عضو خاص رکھا جاتا اور مرتبان ایڈی فشر کو بھیجا جاتا۔ ٹام جونز کا گلا کاٹا جاتا، مگر تب، جب سوزن ایٹکن اس سے جنسی طور پر فیض یاب ہو چکی تو۔۔۔

چارلس مینسن اور اس کے کسی پیروکار (جن کو وہ اپنا خاندان کہتا ہے) کو پیرول پر رہا نہیں کیا گیا۔

☆

83

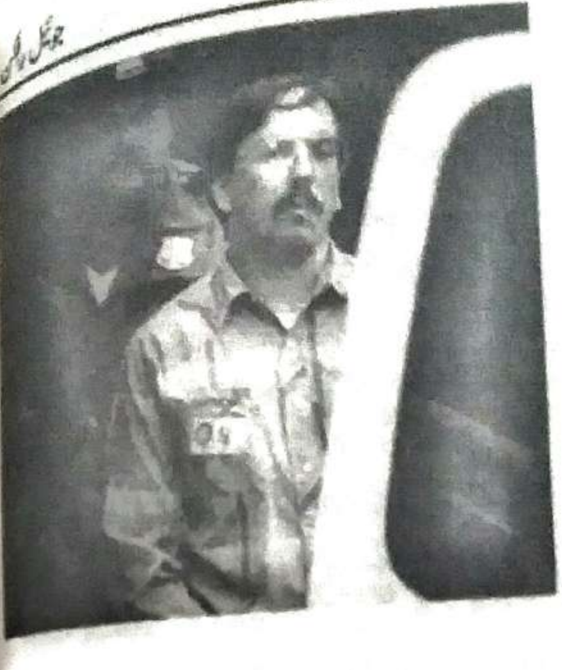

جوئیل رِفکن

(1959ء تا   )

"ایسی بھی راتیں تھیں کہ میرے ساتھ ایک سے زیادہ لڑکیاں ہوتیں۔ ایک لڑکی تو عمدگی سے چلتی روانہ ہوتی جبکہ دوسری موت کے ساتھ ختم ہو جاتی۔"

جوئیل رِفکن

"مدعا علیہ نے لاثانی برائی اور سیاہ کاری کے عمل کیے۔۔۔"

سرکاری وکیل فریڈ کلین پکا اختتامی بیان

نیو یارک کی تاریخ میں جوئیل رِفکن بدترین سلسلہ وار قاتل کے طور پر شہرت رکھتا ہے۔ آج کل وہ دو سو سال کی قید اپنے جرائم کی پاداش میں کاٹ رہا ہے۔

جوئیل رِفکن نے چار سال کے عرصے میں سترہ عورتوں کو قتل کیا۔ کئی عورتوں کے

اعضا کو قطع و برید کیا اور انہیں ریاست کے بالائی حصوں میں دریائے ہڈسن اور جہلم کے ساتھ ساتھ دلدلوں میں پھینک دیا۔ کچھ کو قتل کرنے کے بعد وہ جنگلات میں گھسیٹ کر لے گیا اور وہاں ان کی لاشوں کو جنگلی جانوروں کے نوچنے اور حشرات الارض کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ کو اس نے کئی دن تک اپنی ماں کے ساتھ رہنے والے گھر کے تہ خانے میں رکھا۔ کچھ کو وہ اپنی ماں کی کار کی ڈگی میں رکھتا اور قصبے میں ادھر ادھر لیے پھرتا تا آنکہ وہ ان کو کہیں ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جاتا۔ ایک مرتبہ تو اس کی ماں اپنی کار میں خرید و فروخت کرنے بازار گئی جبکہ اس کے بیٹے نے ڈگی میں ایک لڑکی کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

جوئیل رِفکن بالآخر گرفتار ہوا کیونکہ اس کے ٹرک پر لائسنس پلیٹ نہیں لگی ہوئی تھی۔ اس ٹرک میں اس کے آخری شکار طفانی بریشی آنی کی لاش ایک ترپال میں لپیٹ کر ٹرک کے فرش پر رکھی ہوئی تھی۔ جب پولیس کے تعاقب پر اس نے ٹرک کو تیز چلایا تو لاش کروٹیں کھا کھا کر بالکل سامنے ہی آ گئی۔ جب پولیس نے جوئیل کو گرفتار کیا تو اس نے اپنے نتھنوں پر ناکسزیما کریم چار دن کی گلتی سڑتی لاش کی بدبو سے بچنے کے لیے لگا رکھی تھی۔

رِفکن ایک لے پالک بچہ تھا اور سکول میں دبا دبا رہتا تھا۔ اس پر بار بار رعب گانٹھا جاتا اور اسے لڑکیوں سے ملنے میں دشواری ہوتی۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اسے اپنے جذباتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے طوائفوں سے رجوع کرنا پڑا اور پھر جلد ہی اس نے ان کو قتل کرنے کا دھندا شروع کر دیا۔ اس کا پہلا شکار ایڈز کی مریضہ' منشیات کی عادی ایک طوائف تھی جو اپنے آپکو سوزی کہتی تھی۔ رِفکن نے اسے خندقوں کی لڑائی میں استعمال ہونے والی گن کے 12 پونڈ کے خالی شیل سے اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہی ہو گئی پھر اس نے اس کا گلا دبا کر کام تمام کیا۔ "میں اسے دونوں ہاتھوں سے بیس بال کے بیٹ کی مانند مارتا رہا تھا۔" اس نے اپنی زندگی کے حالات لکھنے والے ملاڈی تک کو بتایا: "اطراف سے' اوپر کی طرف' اوپر سے نیچے کو۔۔۔ مختلف سمتوں سے۔ مجھے اپنے اوپر ضبط نہ رہا تھا۔ میں نے اسی وقت پیٹنا بند کیا جب میں تھک گیا۔"

رِفکن نے سوزی کی لاش کو کوڑا کرکٹ رکھنے والے تھیلے میں ڈالا اور اسے کھینچتا ہوا تہ خانے تک لے گیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر سویا۔ جاگنے پر اس نے نعش کے ٹکڑے کرنے کا سوچا۔ اس نے ایک ایکس ایکٹو چاقو لیا اور پہلے اس کا سر تن سے جدا کر کے اسے ایک

پینٹ کے ڈبے میں رکھا۔ پتہ نہیں کس خیال کے تحت اس نے پہلے اس کے دانت نکالے۔ پھر مختلف اعضا علیحدہ علیحدہ کر کے ان کو تھیلوں میں بند کر کے جنگلی علاقے میں لے گیا۔ سر کو کہیں پھینکا اور باقی دھڑ کے کچھ حصے مشرقی دریا میں پھینکے۔ ایک ہفتے بعد سوزی کے سر والا ڈبہ گولف کے کھلاڑیوں کے ہاتھ لگا۔

رفکن کے دیگر سولہ شکار معاشرے کے مایوس ترین، تکلیف دہ اور کمزور ترین پہلوؤں کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔

موبی بلیک برڈ بھی ایک طوائف تھی جسے اپنے پہلے قتل کے آٹھ ماہ بعد رفکن نے ہلاک کیا۔ اس کو جان سے مارنے کے لیے اس نے ٹوٹی ہوئی میز کی ٹانگ اور آدھے سے کٹا ہوا بیٹ استعمال کیا۔ اس کی لاش کے ٹکڑے بھی اس نے تہ خانے ہی میں کیے۔ اب کے اس نے لاش کے ٹکڑے سیمنٹ میں رکھے اور ان کو سوکھنے دیا۔ رفکن نے بتایا کہ وہ پہلے تو لاش کی بے حرمتی کرنے کا سوچتا رہا لیکن پھر اس نے اس خیال کو یکسر ذہن سے نکال دیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ روزمرہ کے استعمال کے چاقو سے کس طرح جسم سے سر کو علیحدہ کر لیتا تھا تو اس نے بتایا کہ اگر چاقو نیا ہو تو اس کے پھل کو درمیان ہی سے استعمال کیا جائے تو کام چل سکتا ہے۔ اس نے پٹھوں اور ریشوں کو کاٹنے کی ترکیب بھی بتائی۔ پھر بتایا کہ وہ کس طرح ریڑھ کی ہڈی کے اوپر سے کرکری ہڈی میں سے کاٹتا تھا۔

رفکن کی داستان سننے کے بعد بلاڈی جج نے 2001ء میں لکھا: ''میں نے پہلی دفعہ یہ محسوس کیا کہ میں ایک مجسم برائی کے روبرو ہوں۔ میں نے ہمیشہ اس بات پر یقین رکھا تھا کہ مجسم برائی کہیں بھی موجود نہیں ہے۔''

بلیک برڈ کا دھڑ رفکن نے ایک دودھ کے کریٹ میں رکھا اور اسے ہڈسن نامی دریا میں بہا دیا۔ جبکہ اس کے بازو اور ٹانگیں اس نے بروکلن کی نہر میں پھینک دیے۔ رفکن نے اپنی سوانح لکھنے والے کو یہ بھی بتایا کہ اسے لاش کے ٹکڑے اس کو سمیٹنے کے لیے کرنے پڑتے تھے۔ قتل کرنا تو آسان ہے مگر اسے سنبھالنا بہت مشکل ہے۔

قتل کے اس دھندے کے دوران وہ طوائفوں سے ملتا رہا۔ اس نے سب کو قتل نہیں کیا وہ ان سے اپنا مطلب نکالتا اور بس۔ جب کچھ دنوں کے لیے اس کی ماں کہیں چلی جاتی تو تب وہ جس طوائف کو گھر لاتا اسے ہی جان سے مارتا۔ قتل کرنے اور لاش کے ٹکڑے کرنے کا سلسلہ وہ گھر کی چار دیواری ہی میں کرتا۔

اس کا تیسرا شکار 31 سالہ باربرا جیکب تھی جو طوائف بھی تھی اور منشیات کی عادی بھی۔ رفکن نے اس کی لاش کو ایک پلاسٹک کے تھیلے میں بند کر کے گتے کے ڈبے میں دریائے ہڈسن کے سپرد کر دیا۔ اسی دن آگ بجھانے والا محکمہ دریا میں مشق کر رہا تھا لہذا چند گھنٹوں بعد ہی باربرا کی لاش پولیس کو مل گئی۔

شکار نمبر 4 سے لے کر نمبر 16 تک میری ایلین ڈی لوسا کی عمر 22 سال کی تھی جبکہ یون لی طوائف اور منشیات کی رسیا کی عمر 31 سال تھی۔ جین ڈوو جسے اس نے جنسی اختلاط کے دوران ہلاک کیا اور جس کی لاش کو ایک ڈرم میں ڈال کر دریائے ہڈسن کے حوالے کیا۔ 28 سالہ لورین اوریٹو نیم پاگل، نشئی اور طوائف تھی، میری این ہولیمن 39 سالہ ایک بادہ گو، نشے کی عادی طوائف اور جس کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی اور جس سے متعلق رفکن کہتا ہے کہ اس نے اسے مارنے کے بعد تیل کے ڈرم میں ڈال کر پھینک دیا جبکہ 25 سالہ شانسز کو اس نے ایک ویران علاقے میں غالیچے میں لپیٹ کر پھینک دیا۔ اینا لوپیز 33 سال کی تھی اور سودائی سی طوائف تھی جسے رفکن نے زبانی زبانی محبت کرتے گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ وائلٹ اونیل کی عمر 21 سال تھی۔ اس کو قتل کرنے کے بعد رفکن نے صندوق میں بند کرنے کے بعد دریائے ہڈسن ہی میں بہایا۔ میری کیتھرائن ولیم جو ہنسانے کے کھیل میں تالیاں بجانے کا اشارہ دینے والی ہوا کرتی تھی، جینی سوٹو کی عمر 23 سال تھی، لارین مارکوئیز سب نشئی طوائفیں تھیں جبکہ لیہ ایونز 28 سالہ ایک جج کی لڑکی تھی۔ یہ سب رفکن کے ہاتھوں موت سے ہم کنار ہو گئیں۔

اپنی گرفتاری پر رفکن نے کہا اچھا ہوا وہ پکڑا گیا۔ اگر وہ پکڑا نہ جاتا تو اور قتل کرتا۔ وہ اب زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا لیکن مقدمات کے دوران وہ مجرم ہونے سے انکاری ہوا۔

اس کی سوانح حیات لکھنے والے کے مطابق وہ اس بات پر خوش تھا کہ پولیس اس کے خلاف سوائے ایک کے کوئی قتل ثابت نہیں کر سکی اور اسے صرف 25 سال قید کاٹنا ہوگی۔ پھر فرگوسن سٹریٹ میں دہشت گردی کا واقعہ ہوا جس نے رفکن کی امیدوں کو گہنا دیا۔ اب وہ دو سو سال کی عمر قید بھگت رہا ہے۔

☆

84

سام کا بیٹا

(1953ء تا)

"میں خود کو ایک باہر کی شے محسوس کرتا ہوں۔ میں دوسروں سے لہروں کے
مختلف فاصلے پر ہوں ۔۔۔ میرا قتل کرنے کا پروگرام ہے ۔۔۔ مجھے روکنے
کے لیے آپ کو مجھے مارنا ہوگا ۔۔۔ تمام پولیس توجہ کرے ۔۔۔ پہلے مجھے
گولی مارو ۔۔۔ مجھے مارنے کے لیے مجھے گولی مارو یا پھر مجھ سے دور رہو یا
پھر تم خود مر جاؤ گے!"

ڈیوڈ برکووز کی طرف سے کیپٹن جوزف بوریلی کو خط

"میں نے وہ تمام برائیں کر لی ہیں جو ایک عیاش کر سکتا ہے۔"

اگست 1999ء کے ایک خط سے اقتباس جو ڈیوڈ
برکووز نے ایک نوجوان شیطان کریگ کو لکھا۔

اس باب کا نام ڈیوڈ برکووز "سام کا بیٹا" رکھا گیا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ برکووز خلوص نیت اور دل کی تمام گہرائیوں سے اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اب وہ اس شخص سے قطعی طور پر مختلف ہے جس نے جب قتل کیے تو "سام کے بیٹے" جیسا گمدہ نام پایا۔ اب جبکہ وہ "سلیوین اصلاحی سہولت" نیو یارک سے استفادہ کرتے ہوئے 365 سال کی قید گزار رہا ہے تو وہ سام کے کرتوتوں پر شدید ندامت محسوس کرتا ہے۔

برکووز کی اب اپنی ایک ویب سائٹ www.:/solothope.com ہے جس پر اپنی ذاتی نجات کے بارے میں بات چیت کرتا ہے اور اپنے روحانی اعتراف کے طور پر وں کو کسی قسم کے باطنی علم کے فرقے میں پھنس جانے سے خبردار کرتا ہے۔ پچھلی دو یوں میں یہ بڑھتا ہوا لیکن پختہ خیال تھا کہ ایک یا زیادہ ہونے والے سام کے بیٹے ے قتل کسی شیطانی فرقے کا کام تھا۔

ایک وقت وہ تھا کہ برکووز نے 44 کیلیبر بل ڈاگ ریوالور استعمال کر کے 197ء کے اواخر میں سارے نیو یارک میں خوف و دہشت پھیلانے کی کوشش کی لیکن اب انٹرنیٹ کے استعمال سے عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق کفارے کی باتیں کرتا ہے اپنی اردگرد کی دنیا میں لوگوں کو بتاتا ہے کہ مسیح بچاتا ہے۔ اپنے خوفناک اعمال کو برائی طاقت کا کیا دھرا بتاتا ہے۔ اس طاقت نے اس کو قابو کر رکھا تھا اور اسی کے کہنے پر وہ ے کام کرتا تھا۔ وہ لکھتا ہے: "میں قطعی طور پر قائل ہو چکا ہوں کہ میرے ذہن میں کچھ بلت داخل ہو چکی تھی ۔۔۔ " وہ اپنے آپ کو "سابقہ پرستار شیطان" بھی کہتا ہے۔

اب برکووز عیسائیت کا پرچارک ہے۔ اس نے ایک پادری کے کلرک کے طور پر م کیا ہے اور ٹی۔ وی پر مسیحی پروگراموں میں شمولیت اختیار کرتا ہے۔ جیل ہی سے اس نے خط و کتابت کے ذریعے مسیحیت کی تبلیغ کی ایجنسی قائم کر رکھی ہے۔ اسے یہ بھی یقین ہے کہ مسیح نے اس کی تمام "کرتوتوں" کے حوالے سے اسے معاف کر دیا ہے۔

ان تمام بدچلن لوگوں سے جن کا اس کتاب میں ذکر ہے "سام کے بیٹے" کی م کی فہرست نسبتاً کہیں کم ہے پھر بھی چھ لوگ اس کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے اور ت شدید زخمی ہو کر عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے۔ تاہم نیو یارک شہر میں 1976 تا

1977ء میں اس نے جو قتلوں کا سلسلہ قائم کیا وہ لوگوں کو بخوبی یاد ہے کیونکہ اس نے یہ قتل محض قتل برائے قتل کیے۔ ان کا کوئی مقصد نہ تھا' پھر وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو قتل کر کے خوشی محسوس کرتا تھا۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس کا یہ مقولہ کافی عرصے تک زبان زد خاص و عام رہا: ''میں ان کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتا تھا میں تو ان کو جان سے مارنا چاہتا تھا۔''

سام کے بیٹے کا طریق کار بڑا ظالمانہ اور سرد مہری کا تھا۔ وہ اپنے منتخب شکار تک پیدل چل کر پہنچتا خواہ وہ کھڑی کی گئی کار میں ہوتے یا گلی میں پیدل چل رہے ہوتے یا وہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھے ہوتے۔ وہ اپنا 44 کیلیبر بل ڈاگ پستول (جو اکثر ایک خاکی کاغذ میں لپٹا ہوتا) نکالتا اور نزدیک سے ان کی چھاتی یا سر کو نشانہ بناتے ہوئے پوری کی پوری گولیاں داغ دیتا۔ ورجینیا نے ایک کتاب اپنے چہرے کے آگے کرتے ہوئے اپنا تحفظ کرنا چاہا لیکن برکووز نے کتاب ہی میں سے گولیاں پار کر دیں اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئی۔

سام کے بیٹے نے پہلا قتل ڈونا لاریا کا 29 جولائی 1976ء کو کیا جبکہ آخری قتل ستیسی ماسکووز کا 31 جولائی 1977ء کو کیا۔

جولائی 1979ء سے جولائی 1977 تک تیرہ ماہ کی خونی رنگ رلیاں ذیل کے گوشوارہ میں پیش کی گئی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کسی ناچ کے منظر کی تان ڈسکو موسیقی ہوتی تھی اور ایک ذہنی مریض ''44 کیلیبر قاتل'' نے ملکاؤں کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔

1976ء

29 جولائی	ڈونا لاریا قتل جبکہ	جوڈی ویلنٹی زخمی
23 اکتوبر		کارل ڈینارو زخمی
27 نومبر		ڈونا ڈی میسی زخمی
27 نومبر		جینی لومینو زخمی

1977ء

30 جنوری	کرسچین فریونڈ قتل	
8 مارچ	ورجینیا ووس کریشین قتل	
14 اپریل	ویلینٹینا سریانی قتل	

26 جون		سالویٹور لوپ زخمی
26 جون		جوڈی پلیسیڈو زخمی
31 جولائی	ستیسی ماسکووز قتل اور	رابرٹ وائیلیٹ زخمی

برکووز کی شہرت بطور ''سام کے بیٹے'' کے اس طرح ہوئی کہ اس نے یکم جون 1977ء کو نیویارک ڈیلی نیوز کی کالم نگار جمی بریسلین کو لکھا:

''...... میں نہیں جانتا کہ مستقبل میں میرے لیے کیا ہے میں الوداع کہوں گا اور تمہیں اگلی مصروفیت پر ملوں گا؟ یا مجھے یہ کہنا چاہیے کہ تم اگلی مصروفیت پر میری سبک دستی ملاحظہ کروگی۔ ''سام کی تخلیق 1944ء'' لاریا اور ویلنٹی کے خون اور گٹر کے حوالے سے یاد رکھیے۔''

سام جس کا ذکر برکووز نے اپنے خط میں کیا ہے اس کا ہمسایہ تھا جس نے لیبرے ڈور ریٹریور کتا پال رکھا تھا جو مسلسل بھونکتا رہتا اور اس کی ''بھونک'' میں برکووز شیاطین کی آوازیں سنتا جو اسے قتل کرنے کو کہہ رہی ہوتیں۔

سام کے بیٹے کے قتل کرنے سے خوف و دہشت کا نیویارک شہر میں خوفناک دھماکہ ہوا تھا لیکن اس کی گرفتاری الکیپون کی ٹیکس ادا کرنے میں لیت ولعل جیسی گرفتاری کی طرح بڑے ہی معمولی انداز میں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ برکووز کی گرفتاری پارکنگ ٹکٹ کو پھینکنے کی وجہ سے ہوئی۔ اس سادہ سی گرفتاری پر پولیس نے اس سے روایتی پوچھ گچھ کی۔ برکووز نے سمجھا کہ وہ اپنے ''کارناموں'' کی وجہ سے گرفتار کیا جا چکا ہے لہٰذا اس نے پولیس کو بتایا کہ وہ سام ہے۔

برکووز اپنے مقدمات کے دوران سنجیدہ و متین رہا۔ اس نے خود ہی کہا کہ وہ مجرم ہے اس نے سام کے بیٹے کے حوالے سے ہونے والے تمام جرائم کو تسلیم کر لیا۔

ذیل میں 4 اگست 2001 کا برکووز کا ایک خط کتاب ہذا کے مصنف کے نام ہے جو اس کے اپنے جرائم کے بارے میں احساسات اور کفارہ ادا کرنے پر مبنی ہے۔ قارئین کو خود اختیار حاصل ہے کہ وہ اس خط کے مطالعے سے برکووز کے بارے میں جو چاہیں رائے قائم کریں (مصنف اس خط کو کتاب ہذا میں شامل کرنے کی اجازت دینے پر

برکووز کا شکر گزار ہے۔)

ڈیوڈ برکووز کا خط

4 اگست 2001ء

ڈیئر مسٹر دولکاٹ

مجھے آپ کا 17 جولائی کا لکھا خط ملا۔ میں آپ کے منصوبے کے بارے میں جان کر بہت متاثر ہوا۔ مجھے آپ کے خط کا جواب دینے کے لیے کافی سوچنا پڑا وہ اس لیے کہ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ میں جواب میں کیا لکھوں۔

کسی قسم کی کوئی کتاب جس کا تعلق ماضی سے ہے میرے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ میں یقیناً اس موضوع سے خوش نہیں ہوں تاہم میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ میری آج کی زندگی سے متعلق آپ نے اظہار دلچسپی کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ آپ خدا پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں لیکن وہ مجھ پر بڑا مہربان رہا ہے۔ جبکہ میں اس لائق نہیں تھا۔

جب 1976-77ء کے حادثات ہوئے ان کو اب چوبیس سال ہو رہے ہیں۔ پچھلی صدی کی آخری چوتھائی میں میری زندگی میں بہت کچھ بدل چکا ہے۔ بعض اوقات جو کچھ ہو چکا میرے اوپر ایک آسیبی گرفت طاری کر دیتا ہے لیکن میرا یقین ہے کہ مسیح نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ آہستہ آہستہ میں ماضی پر حاوی ہو چکا ہوں۔ میں سیکھتا رہا ہوں اور اب بھی خدا کی معافی کو قبول کرنے کے بارے میں سیکھ رہا ہوں۔ بے شک معاشرہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور میں اس حقیقت کا شعور رکھتا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ اب میرا دل پر سکون ہے۔ میں ان لوگوں کے لیے جن کے عزیز و اقارب میرے ہاتھوں کھو گئے اور ان کے لے جن کو میرے ہاتھوں دکھ پہنچا روزانہ دعا کرتا ہوں۔ واقعی ان کا درد اور غم ناقابل فہم ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ہمہ وقت اپنے اندر تبدیلیاں لانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہوں۔ معاشرے کا میرے سر پر قرض ہے مجھے بہت سے مواقع ملتے رہے ہیں کہ میں اندھیرے سے روشنی کی طرف اپنے سفر کی روداد اور مایوسی سے امید کی طرف اپنی مراجعت کا حال پریشان حال لڑکوں کو بتاؤں۔

تمام اقوام کے نوجوان مبلغین میرے منشا سے آگاہ ہیں۔ میں ان کا مشکور ہوں۔ میں نے گزشتہ سالوں میں بہترین لوگوں سے حیران کن خطوط وصول کیے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ نوجوان طبقہ بھی ان خطوط کے مندرجات سے آگاہ ہوتا کہ ان کی ہمت بلند ہو۔

مسٹر دولکاٹ' میں پورے یقین و ایمان سے کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنی آخری سانس تک جیل کے اندر ہی رہنا ہے۔ اس بارے میں میں مطمئن ہوں۔ میرے دن بھرپور مصروفیت سے گزر رہے ہیں مجھے کوئی شکایت نہیں۔

جیل میں انٹرنیٹ کی سہولت نہیں اس لیے میں خود تو یہ پروگرام نہیں دیکھ سکتا لیکن اب پادری کونی شیک اور نیویارک کے ایک دوست نے میری تصاویر بھی ویب سائٹ پر دکھانا شروع کر دی ہیں۔ تاہم معافی تلافی اور امید کا ایک سلسلہ لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔

خدا آپ کا حامی ہو اور آپ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوں۔

مخلص

ڈیوڈ برکووز

حرف آخر۔۔۔ آپ اس خط کو' اس کے کسی حصے کو اور میری ویب سائٹ سے جو کچھ بھی چاہیں اپنی کتاب میں نقل کر سکتے ہیں۔

=======☆=======

85

بروج قاتل

(آسمانوں پر 12 خیالی برج ہیں)

”میں لوگوں کو قتل کرتا ہوں کیونکہ یہ خاصا دلچسپ شغل ہے۔ یہ جنگلوں میں جانوروں کے شکار سے زیادہ دلچسپ ہے کیونکہ انسان سب خطرناک جانوروں سے زیادہ خطرناک ہے۔ کسی کو مارنے سے میرے اندر کیف کی لہروں کا طوفان پیدا ہوتا ہے۔ یہ کسی لڑکی کے ساتھ محبت کی پینگیں چڑھانے سے بہتر ہے۔

بہترین وقت وہ ہوگا جب میں خود مروں گا۔ میں دوبارہ جنت میں پیدا ہوؤں گا اور جن لوگوں کو میں نے قتل کیا ہے سب میرے غلام ہوں گے۔ میں تمہیں اپنا نام نہیں بتاؤں گا کیونکہ تم پھر مجھے اپنی زندگی کے بعد کی زندگی کے لیے غلام اکٹھے نہیں کرنے دو گے۔“

بروج قاتل کا خط جس سے متعلق یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ قاتل ہی نے لکھا۔

”مجھے سر درد ہے۔“

بروج قاتل نے ٹی۔ وی ٹاک شو پر سرکاری وکیل میلون بیلی سے کہا۔

کیا بروج قاتل اب تک زندہ ہے۔۔۔؟ شاید۔۔۔ یہ کوئی ناممکن بات تو نہیں۔

آخری بار جب بروج قاتل کی طرف سے کوئی خط آیا تو 1974ء کا سال تھا اور تب بروج قاتل کی طرف سے کسی قتل کی نئی خبر آئے چھ سال ہو چکے تھے۔ ہاں 1978ء میں بھی ”سان فرانسسکو کرانیکل“ کو ایک خط بروج قاتل کی طرف سے موصول ہوا لیکن اس خط کو قاتل کا خط تسلیم ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسے ”فراڈ“ کہا گیا۔

1974ء میں اخبارات کو بروج قاتل نے چار خطوط لکھے جن میں اس نے اس وقت کی مشہور فلموں کا ذکر کیا جیسے ”دی ایگزارسسٹ“ (اس خوفناک فلم کو اس نے طنزومزاح کی کامیڈی کہا اور لکھا کہ اس نے اس سے زیادہ اچھی کامیڈی فلم دیکھی ہی نہیں۔) پھر اس نے ”بیڈ لینڈز“ کو غنائیہ لکھا۔ ”دی میکاڈو“ کو اس نے آزادی دلانے والی فوج سے تعبیر کیا حالانکہ اس میں پیٹی ہیرسٹ کو اغوا کرنے کی دھمکی تھی۔ اور اسی طرح کونٹ مارکو کرائیکل کے نام سے کالم تھا۔ بروج قاتل کا ہر خط یوں شروع ہوتا۔۔۔ ”یہ بروج قاتل بول رہا ہے۔۔۔“

ماہرین کا خیال تھا کہ میڈیا کی توجہ سے ’بروج قاتل کے خطوط کی اشاعت سے اور مزید خطوط کی طلب سے بروج قاتل کی انا کو تسکین ہوئی اور اس تسکین کی بقا سے بروج قاتل نے اپنی انا کو ایک عذر نیاز کا چبوترہ بنا لیا۔ اسے صرف قتل سے ہی خوشی نہ ہوتی بلکہ پولیس کو دھوکہ دینے سے بھی قتل ایک کھیل تماشا بن کر رہ جاتا اور وہ اپنے برے کاموں کو مزید برا یا بدترین بناتا۔

بروج قاتل کے جرائم کیا تھے؟ دسمبر 1968ء سے اکتوبر 1969ء تک گیارہ ماہ کے عرصے میں پانچ اموات اور دو زخمی۔۔۔ پہلے پانچ افراد میں دو لڑکین سے نکلتے جوڑے

اور ٹیکسی ڈرائیور شامل تھے جبکہ دو زخمیوں میں بھی پندرہ سولہ برس کی عمر کے لڑکے تھے۔ بروج قاتل اس قدر سرد مہر تھا کہ وہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو کاروں میں بیٹھے محبت سے باہم باتیں کرتے دیکھ کر ان کو اپنا شکار بناتا۔ اس نے ایک نو عمر لڑکی کو 9 ایم۔ ایم لگر سے نو گولیاں ماریں۔ جبکہ بروج قاتل کا آخری شکار ٹیکسی ڈرائیور، سر میں پشت کی جانب ایک گولی سے ہلاک ہوا۔ بروج قاتل نے اپنے دو شکاروں کو باندھا اور پھر انہیں گہرے گھاؤ لگا کر قتل کیا۔ ایک نو عمر لڑکی جب اس کی گرفت سے نکل بھاگی تو اس نے اس کی کمر پر پانچ فائر کیے۔

بروج قاتل اپنے شکاروں کو موت کی نیند سلانے سے قبل انہیں دہشت زدہ کرتا۔ وہ جہنم سے آئے ہوئے شیطانوں کی مانند اچانک اندھیرے سے نمودار ہوتا۔ بعض اوقات وہ کالا گون اور سر پر کالا ہیٹ پہنتا۔ گون کی چھاتی پر ایک سفید گول دائرے میں کراس بنا ہوتا۔ یہ گول دائرے کی علامت اس نے ان کاروں پر بھی بنائی تھی جس کے مالکان کو اس نے قتل کیا تھا۔

اکتوبر 1969ء میں ٹی۔ وی پر بات چیت کے پروگرام میں ایک نرم اور لڑکوں جیسی آواز میں میلون بیلی مشہور سرکاری وکیل سے بروج قاتل سے متعلق پوچھا تو بروج قاتل نے اندھیرے میں سے آواز دی کہ “مجھے سر درد ہے۔” یعنی میرے سر میں ایک درد نہیں بلکہ کئی دردیں ہیں۔ دراصل اس جملے سے یہ بتانا مقصود تھا کہ بروج قاتل کئی منصوبے بنا رہا ہے اور اسے لوگوں کے قتل کے سلسلے میں کئی تدابیر سوچنا پڑ رہی ہیں۔ بعد میں میلون بیلی کو ایک خط ملا جس کے ساتھ بروج قاتل کے پانچویں شکار ٹیکسی ڈرائیور کی خون آلود قمیض کا ٹکڑا بھی تھا۔

1971ء میں بروج قاتل نے لاس اینجلز ٹائم کو خصوصی طور پر بیٹل لوگوں کی فلم “ییلو سب میرین” کے حوالے سے “بلیو مینیز” نامی گانا لکھ کر بھیجا۔ 1974ء میں بروج قاتل نے فرانسسکو کرانیکل میں اپنے آخری خط سے پہلے لاس اینجلز کو دھمکی دی کہ وہ پھر سے قتل کرنے کا کام شروع کر دے گا۔ ساتھ ہی اس نے 37 اموات کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ پولیس اب تک یہ کہتی ہے کہ یہ تعداد بہت زیادہ ہے لیکن حقیقت تک پہنچنے کی کوئی بھی راہ نہیں ہے۔

کئی آدمیوں پر بروج قاتل ہونے کا شبہ کیا گیا۔ پہلا شخص بچوں کو لوٹنے کھسوٹنے کا مستند مجرم آرتھر لیہ ایلین تھا۔ ایک شخص نے پولیس کو بتایا کہ اس کے ساتھ ایلین نے ایسی باتیں کی ہیں جو اس کے بروج قاتل ہونے میں دلیل ثابت ہو سکتی ہیں۔ وہ بروج کمپنی کی ساختہ “سی ولف” گھڑی باندھتا ہے۔ کمپنی کی علامت خاص بھی گول دائرے کے اندر بنا کراس ہے۔

پولیس نے ایلین سے تحقیقات کیں لیکن بے فائدہ۔ گو ایلین کے پاس بروج قاتل کے جرائم والی تفصیلات تھیں لیکن ایسے بہت سے شواہد موجود تھے کہ وہ بروج قاتل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کبھی بروج قاتل جیسے کسی شخص سے ملا تھا۔ علاوہ ازیں ایلین نے دس گھنٹے کا مسلسل لکھنے کا ایک امتحان بھی پاس کیا اور اس دوران کوئی ایسی ٹھوس علامت سامنے نہیں آئی جو بروج قاتل سے ملتی جلتی ہوتی یا کسی جرم کی جگہ پر اس کا نقش ہوتا اور بروج قاتل سے آرتھر ایلین کا کوئی ٹانکا ملتا۔

قاتل سے متعلق کتاب لکھتے ہوئے “بروج” (زوڈیک) کے مصنف رابرٹ گرے سمتھ (1986ء) کو اپنے مطالعے اور شواہد سے یہ یقین ہو گیا کہ ایلین ہی بروج قاتل تھا۔ اس نے ایسے نکات اٹھائے کہ وہ ایلین پر درست بیٹھتے تھے۔ اس کتاب کے مندرجات سے تحریک پیدا ہونے پر نئے سرے سے ایلین سے پوچھ گچھ کی گئی۔ تحقیقات ہوئیں اسے تحویل میں بھی رکھا گیا وغیرہ وغیرہ مگر اسے کبھی بروج قاتل کے افعال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا۔ وہ 1992 میں مر بھی گیا تو بھی بہت سے افراد اس ہی کو بروج قاتل قرار دیتے رہے۔

کیا بروج قاتل اب بھی زندہ ہو سکتا ہے؟ 2002ء میں برج قاتل سے متعلق کچھ سنے 28 برس ہوتے ہیں۔ جن دنوں اس نے مذکورہ قتل اور دیگر جرائم کیے اس وقت اس کی عمر تیسویں دہائی میں شمار کی جائے تو اس کے زندہ ہونے کے کافی امکانات موجود ہیں۔ وہ اٹھاون سے اوپر عمر کی چھٹی دہائی میں ہو سکتا ہے اور اس بات پر مسکرا سکتا ہے کہ وہ کبھی گرفتار نہیں کیا جا سکا۔

☆

86

ایان بریڈی اور مائرہ ہنڈلے

(1938ء تا   ) (1942ء تا   )

> ”یہ ہو چکا لیکن ابھی یہ چوپٹ ترین ہے۔ عام طور پر تو اسے ایک ضرب ہی کافی ہوتی ہے۔۔۔“

> ایان بریڈی اپنے کلہاڑے سے کئے جانے والے سترہ سالہ ایڈورڈ ایونز سے برپا ہونے والے خون خرابے سے متعلق کہہ رہا ہے۔

برائین لین اور ولفریڈ گریگ (1995ء) کے سلسلہ وار قاتلان کے بارے میں مرتب کئے جانے والے انسائیکلوپیڈیا میں بریڈی اور ہنڈلے کو برائی کے اصول کے حوالے سے گمنام بیان کیا ہے۔ اس بگڑے چال چلن کے جوڑے نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو شکار کرنے کے لیے پہلے انہیں اغوا کیا، جنسی طور پر انہیں اذیت دی؛ پھر ان سے بدفعلیاں کیں؛ پھر ان کو قتل کیا اور شمالی انگلستان میں مانچسٹر کے نزدیک سیڈل ورتھ مور نامی علاقے میں 1963-64ء دو سال کے وقفے میں دباتے رہے۔ یہ دونوں مور قاتلان آج کل عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں جس میں پیرول پر رہائی کی شق بھی نہیں ہے۔

آغاز شباب میں ایان بریڈی جانوروں کو اذیت دے کر خوش ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک زندہ بلی کو قبر میں ڈال کر اوپر پتھر رکھ دیا۔ وہ محض یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بلی کو بھوکی پیاسی مرنے میں کتنا وقت لگے لگا۔ اس نے نتیجے کے طور پر پڑوس کے بچوں کو بھی اذیت دینا سیکھا۔ اس کی ماں اکیلی تھی اور پورے وقت کے لیے بطور کھانا کھلانے والی کے ہوٹل میں ملازم تھی۔ اس لیے ایان کو بطور بچے کے گھر کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ دور طفولیت میں ایک سے دوسرے ”پرورش گھر“ میں منتقل ہوتا رہا اور اکثر چوری چکاری اور چھوٹے چھوٹے جرائم سے تکلیف میں رہا۔

21 سال کی عمر میں اسے مل وارڈز نامی ایک کیمیکل پلانٹ میں ملازمت ملی اور یہ وہ موقع تھا جب اسے غیر ذی روح اور پٹے ہوئے نازی مقتولوں، ایذا پرستی اور ایذا رسانی کے علاوہ پورنوگرافی کا شعور ہوا۔ اسی دور میں مائرہ ہنڈلے نے اس کو ہٹلر کی کتاب ”آخری حل“ جرمنی زبان میں پڑھتے دیکھا۔ اس کے تقریباً دو سال بعد مائرہ ہنڈلے کو پلانٹ پر بطور ٹائپسٹ رکھا گیا۔ اب وہ بریڈی سے مسحور ہو کر رہ گئی۔ ابتدا میں تو بریڈی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی لیکن ہنڈلے کے مسلسل اشاروں کے نتیجے میں وہ بھی لڑکی میں دلچسپی لینے لگا۔ 1962ء کو نئے سال کی خوشی میں دونوں نے رات اکٹھے گزاری۔

مور قاتلوں کا علم اکتوبر 1965ء میں ہوا۔ ایک حیرت زدہ اور خوفزدہ سترہ سالہ نوجوان ڈیوڈ سمتھ نے پولیس کو ایک بعید از قیاس کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ اس نے ایک قتل ہوتے دیکھا ہے اور پھر لاش کو کچھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک بیڈ روم لے جانے میں قاتل کی مدد کی ہے اور قاتل اس کی سالی کا بوائے فرینڈ ایان بریڈی ہے۔ سمتھ نے بریڈی کو کلہاڑے سے نوجوان کو قتل کرتے دیکھا تھا۔

گزشتہ رات سمتھ کی سالی مائرہ ہنڈلے نے اسے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ گھر تک چلے۔ چلتے چلتے جب وہ 16 وارڈلے بروک ایونیو مانچسٹر پہنچے تو مائرہ نے مجھ سے کہا

کہ اس کے یہاں رہنے والے دوست ایان بریڈی نے اس کے لیے شراب کی چھوٹی بوتل رکھی ہوئی ہے۔

سمتھ اندر چلا گیا اور باورچی خانے میں رک گیا۔ اسی اثنا میں اس نے رہنے کے کمرے سے آنے والی ایک چیخ سنی۔ وہ بھاگتا ہوا باہر نکلا تو اس نے ایان بریڈی اور سترہ سالہ ایڈورڈ ایونز کو دیکھا۔ موخرالذکر ایک ہم جنس پرست تھا اور اسے ایان ایک شراب خانے سے لایا تھا۔ خوفزدہ اور دہشت زدہ سمتھ نے دیکھا کہ بریڈی نے اپنے کلہاڑے سے ایونز کا سر پھاڑ دیا ہے۔ جب اسے یقین ہوگیا کہ ایونز مرا نہیں ہے تو اس نے اس کو دوبارہ کلہاڑے سے ضرب لگائی۔ پھر اس نے تڑپتے ہوئے ایونز کا گلا بجلی کی تار سے اس وقت تک گھونٹے رکھا جب تک کہ وہ مر نہیں گیا۔ پھر اس نے بے رحمی سے اس کے جسم کو صوفے کے اوپر پٹخ دیا۔

اس قتل کے نتیجے میں ہونے والے خون خرابے اور متشددانہ موت کے تھوڑی دیر بعد مائرہ ہنڈلے نے سب کے لیے چائے بنائی۔

ڈیوڈ سمتھ نے پولیس کو بتایا کہ وہ ہر لمحے فوری خطرے میں تھا لہٰذا اس نے خاموشی اور قاتل کی رضا کے مطابق کام کرتے رہنے کا فیصلہ کیا یہاں تک کہ وہ محفوظ اور زندہ سلامت وہاں سے نکل سکے۔

بریڈی نے لاش کو اوپر لے جانے کے لیے سمتھ کی مدد چاہی۔ لاش اوپر لے جانے میں مدد کے بعد سمتھ اپنے گھر چلا آیا۔ گھر پہنچتے ہی اسے قے ہوئی اور اس نے سب کچھ اپنی بیوی کو بتایا۔ اگلے دن سمتھ نے صبح ہی صبح پولیس کو بلایا اور اس کی ہمراہی میں تھانے پہنچا اور وہاں پولیس کو رات والا سارا واقعہ سنایا۔ ایک درجن سے زیادہ پولیس آفیسرز وارڈلے بروک ایونیو پہنچے اور جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہیں ایونز کی لاش اور آلہ قتل اوپر کے بیڈ روم میں مل گئے۔ جیسا کہ ڈیوڈ سمتھ نے بتایا تھا سب کچھ ویسے ہی تھا۔

بریڈی اور ہنڈلے کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر سمتھ نے پولیس کو یہ بھی بتایا کہ بریڈی نے اسے ان لاشوں کے بارے میں بھی بتا رکھا ہے جو اس نے سیڈل ورتھ مور میں دبا دی ہیں۔ پولیس نے سمتھ کی معلومات کے حوالے سے مزید تحقیق کی اور اسے چار بچوں کی

لاشیں مل گئیں جن کو بریڈی اور ہنڈلے نے اغوا اور قتل کیا تھا اور جنہیں 1963-64ء میں "مور قاتل" پکارا جاتا رہا تھا۔ چاروں کے چاروں بچوں کو جنسی تشدد کے بعد قتل کیا گیا تھا۔

بعد میں ٹیپ بھی دریافت ہوئیں۔ ان ٹیپوں میں سے ایک پر دس سالہ لیزلے این ڈاؤنے پر تشدد، مجرمانہ حملے کی آوازیں تھیں۔ ہنڈلے بلند آواز سے خوفزدہ چیختے بچے کو یہ کہتی سنائی دیتی تھی کہ اس کو اندر کرو۔

1965ء میں بریڈی اور ہنڈلے دونوں کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔

مقدمے کے دوران ہنڈلے نے کہا اسے زبردستی بریڈی کی بے راہ روی اور بدکرداری میں ملوث کیا گیا۔ بریڈی نے ان الزامات کی تردید کی اور مارچ 2000ء کے ایک خط میں لیورپول نیوز ایجنسی (بحوالہ مرڈر آن مورز" کرائم لائبریری کام) نے لکھا:

> "وہ نئی گہرائیوں کی طرف جھکی ہے اور اس نے الزام لگایا ہے کہ میں نے اسے منشیات کے استعمال، زنا بالجبر، دھمکیوں، جسمانی تشدد اور دیگر تمام جرائم جو کتاب میں درج ہیں سے مجبور کیا۔ اس کے خلاف تمام ٹھوس شواہد، شفاف دروغ گوئی اور تمام شہادتی فراموشی جہاز پر سے بوجھ کم کرنے کے مترادف ہے۔"

بریڈی کا دعویٰ ہے کہ ہنڈلے اس کے ساتھ محبت کی وجہ سے رضاکارانہ جرائم میں شامل ہوئی اور وہ جیل سے نکلنے کی فکر میں غلطاں ہے۔ ہنڈلے کہتی ہے کہ وہ شرمسار ہے۔ آج کل وہ جیل میں ہنڈلے سے متعلق یہ جان کر کہ وہ انجائنا اور دماغی شریانوں میں خون کے بڑھ جانے کی ابتلا کا شکار ہے تو مقتولین میں سے ایک کی ماں نے کہا کہ یہ عامۃ الناس کی خواہش ہے کہ وہ مرنے سے پہلے ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو۔

حال ہی میں بریڈی تین ماہ کی بھوک ہڑتال پر رہا تاکہ وہ اپنی ساری زندگی جیل میں گزارنے کی بجائے مر ہی جائے۔ عدالت کے حکم پر سرکاری حکم کے تحت اسے خوراک دی گئی۔ وہ فی الحال زندہ ہے۔ اس کے شکار لوگوں کے لواحقین، عزیزوں اور دوستوں کے لیے اس سے زیادہ کوئی اطلاع نہیں ہے۔

* * *

87

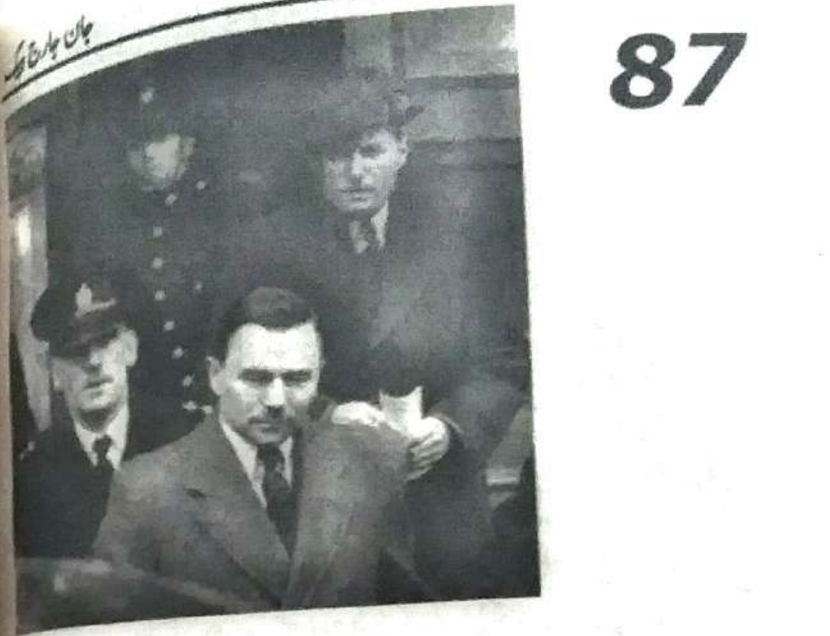

جان جارج ہیگ

تیزابی غسل دینے والا قاتل' قاتل چمگادڑ' تیزابی غسل دینے والی عفریت

(1909ء تا 1949ء)

''مجھے اپنے سامنے صلیبوں پر لٹکے انسانوں کا جنگل نظر آیا جو آہستہ آہستہ درختوں میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ پہلے تو ان درختوں کے پتوں پر شبنم یا بارش نمودار ہوئی جو شاخوں سے نیچے گر رہی تھی لیکن جب میں ان درختوں تک پہنچا تو مجھے علم ہوا کہ وہ خون تھا۔۔۔ ایک آدمی تمام درختوں تک خون جمع کرنے گیا۔ جب اس کا پیالہ بھر گیا تو وہ مجھ تک پہنچا۔

''پیو''۔ اس نے کہا لیکن میں تو حرکت بھی نہ کر سکتا تھا۔''

جان جارج ہیگ کو اکثر نظر آنے والا ڈراؤنا خواب

''مسز ڈیورینڈ ڈیکن ا ے۔ میں نے اسے تیزاب سے نابود کر

دیا۔ آپ قتل کو کسی لاش کے بغیر کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔۔۔

ہیگ اپنے دفاع میں خود دلائل دیتے ہوئے

جان جارج ہیگ کی برائی اس کی بے حسی' دیدہ دلیری اور اپنے کرتوتوں کے ئی سے چشم پوشی تھی۔ وہ لوگوں کو ان کے مال و دولت کی وجہ سے جان سے مارتا اور پھر ن کی لاشوں کو چالیس گیلن کے گندھک کے تیزاب میں ڈبو کر تحلیل کر دیتا۔ اس کی زندگی ے کاموں میں انسانی زندگی کو بے حقیقت شے سمجھنا' نوع انسانی کی نیکی سے انکار کرنا' غ پرستی سے فائدہ اٹھانا اور کسی کو بے دریغی سے قتل کر دینا شامل ہے۔ جب وہ گرفتار و اس نے اپنی دیوانگی کا بہانہ بنایا اور کہا کہ وہ اپنے شکار کا خون پینے کے لیے اس کو ل کرتا تھا۔ اس نے حساب لگا رکھا تھا اور منصوبہ بنا رکھا تھا کہ زیادہ سے زیادہ اسے دس ل کی سزا ہوگی جو وہ نسبتاً آرام سے کسی دماغی انسٹیٹیوٹ میں گزارے گا۔ تاہم اس کا یہ ناکام رہا۔

جیسا کہ بدکردار اجتماعی قتل کرنے والوں اور سلسلہ وار قاتلوں کی روایت رہی یگ کو بھی مذہبی جنونی والدین نے پالا۔ اس کی ماں اور باپ دونوں ایک مذہبی فرقے لی ماؤتھ برادرین'' سے تعلق رکھتے تھے۔ جنہیں بائبل کے حوالے سے بنیاد پرست بھی جاتا تھا۔ ان کی (صحیح اور ایماندارانہ) شناخت ''خاص لوگ'' تھی۔ ان میں تفریح کا زنہیں تھا اور بچے کی حیثیت سے ہیگ ہر وقت بائبل کی کہانیاں پڑھتا ہی نظر آتا تھا۔

ہیگ کے باپ کی پیشانی پر ایک نیلا نشان تھا۔ اس کی حیثیت یا تو پیدائشی تھی یا کی نسیج کا قدرتی رنگ تھا لیکن اس نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ یہ نشان شیطان کی طرف ہے کیونکہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا۔ ہیگ کو یقین ہو گیا کہ جو کوئی بھی گناہ کرے ے ایسا ہی نشان شیطان کی طرف سے لگا دیا جائے گا لہٰذا وہ خدا کے عائد کردہ قوانین نے سے خوفزدہ رہنے لگے۔ اس کی ماں کو ایسا نشان کیوں نہ تھا؟ اس بارے میں ہیگ اپ نے اسے بتایا کہ اس کی ماں تو فرشتہ ہے اور اس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ہے وہ زندگی میں بے داغ ہی رہے گی۔

ہیگ اس خوف سے ڈرا ڈرا رہا کہ کسی دن وہ اپنے گناہ کی پاداش میں کوئی

شیطانی نشان اپنی پیشانی پر سجائے بیدار نہ ہو مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے اس حیران ہونا بھی شروع کر دیا کہ وہ ایک ناعاقبت اندیش گناہگار اور روشنی جیسی خاص مخلوق کے اتصال کی پیداوار ہے۔ ایک آغاز شباب میں قدم رکھنے والے نوجوان کے یہ صورت حال صحت مندانہ سوچ رکھنے کے لیے موزوں نہ تھی۔ اس کی نشوونما پر گہرے ایسی بات جو بظاہر غلط ہو مگر درحقیقت صحیح ہو کہ اس کی ماں تو بے داغ فرشتہ اور روشنی کی ہے لیکن جب وہ کوئی بدتمیزی کرتا ہے تو اسے پیٹتی ہے۔ یہ تضاد اسے کھٹکنے لگا۔ پھر عمر میں اس نے یہ بھی یاد کیا کہ بعض اوقات اس کی فرشتہ ماں نے اسے اس حد تک پیٹا کہ اسے خون بھی بہہ نکلا تھا اور وہ خون چاٹ لیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے نفسیاتی معا یہ بھی بتایا کہ شاید اسی وجہ سے وہ انسانی خون پینے کا عادی ہو گیا تھا۔

قتلوں کے الزام میں گرفتاری اور مقدمات سے پہلے ہیگ کئی بار فراڈ اور جعلسازیوں کے الزامات میں سزا پا کر جیل جا چکا تھا۔ جب وہ قید میں تھا تو اس نے کسی مکمل جرم یعنی قتل اور اس کے بعد مقتول کی قیمتی اشیاء اور ملکیتی زمین وغیرہ کو غصب کر اور قتل کے ثبوت یعنی لاش کو گم کر کے تحیر کی فضا قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

ہیگ کی حکمت عملی میں ”لاش کی دستیابی“ کا نکتہ غلط طور پر سمجھا گیا تھا۔ اس کا پکا یقین تھا کہ اگر مقتول کی لاش بطور شہادت کے استغاثے کو میسر نہ آ سکے اور وہ اسے بطور شہادت قتل پیش نہ کر سکے تو ملزم کو قتل کے جرم میں سزا نہیں دی جا سکتی کیونکہ لاش کے بغیر استغاثہ قتل ثابت ہی نہیں کر سکتا۔ اس قانونی نکتے کو وہ اپنی قید کے دوران اس شدومد سے بیان کرتا کہ اس کا نام ہی (کارپس ڈیلیکٹی) ”لاش کے بغیر قتل“ پڑ گیا۔ ہیگ نے اپنے عرفی نام کی پرواہ نہیں کی اور چوہوں کو تیزاب میں تحلیل کرنے کے تجربات یہ دیکھنے کے لیے کرنے لگا کہ لاش کو غائب ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔

اپنے تجربات سے اس نے اپنے جرم کے تین مدارج وضع کیے۔ پہلا قتل‘ دوسرا لوٹ مار اور تیسرا تیزابی غسل۔ جیل سے نکلنے کے بعد اس نے اپنے اس منصوبے پر آٹھ بار عمل کیا۔ تین قتلوں میں جب ”لاش کے بغیر قتل“ والا کلیہ کام نہ آیا تو اس نے اپنے دفاع کو اپنی دیوانگی کا سہارا دیا۔

وہ شکار جس نے اس کے تیزابی غسل کا خاتمہ کیا وہ مسز اولیو ڈیورینڈ ڈیکن ایک

بیوہ تھی جو لندن کے ہوٹل آن سلوکورٹ میں رہتی تھی۔ ہیگ بھی ان دنوں ادھر ہی رہتا آلٹو نے ایک منصوبہ انگلیوں کے مصنوعی ناخنوں کو فیشن ایبل عورتوں میں بیچنے کا پروگرام بنایا اور اس نے اپنے پروگرام کا اظہار ہیگ سے کیا۔ ہیگ نے مسز آلٹو کے پروگرام اور کاروباری سوچ کی بڑی تعریف کی اور مسز آلٹو کو ہوٹل سے باہر نکل کر اس مواد کے معائنے کی ترغیب دی جس سے انگلیوں کے لیے مصنوعی ناخن تیار کیے جا سکیں۔ جب مسز آلٹو ایک مرتبہ اس کے ساتھ ہوٹل سے نکل آئی تو ہیگ نے اسے اپنے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی سر کے پچھلے حصے میں گولی ماری اور اس کی 200 پونڈ وزنی لاش کو چالیس گیلن کے کنڈھک کے تیزاب سے بھرے ڈرم میں ڈال دیا۔

مسز آلٹو کے دوست اس کی گمشدگی سے پریشان ہو کر اس کی تلاش کرتے گے۔ پولیس نے ہیگ سے بھی پوچھ گچھ کی اور اس کی ورک شاپ کی تلاشی لی جس میں حال ہی میں استعمال کیا گیا 38 کیلیبر کا ایک پستول برآمد ہوا۔ ہیگ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے جرم کا اقرار کر لیا اور پولیس کو بتایا کہ اس نے مسز آلٹو کو اس وقت گولی ماری جب کچھ مواد کا معائنہ کر رہی تھی۔ اس کو قتل کرنے کے بعد وہ باہر اس کی کار تک گیا اور وہاں سے ایک گلاس لایا اور ایک چھوٹے سے چاقو کے ساتھ مسز آلٹو کے نرخرے میں سوراخ کیا۔ گلاس کو اس کے خون سے بھرا اور پی گیا۔

ہیگ کے اس اقرار جرم کے بعد پولیس نے اس کی ورکشاپ کے ملحقہ صحن میں 475 پونڈ موری کا کیچڑ اور مٹی اکٹھی کی جسے احتیاط سے رولنے اور چھٹکنے کے بعد انہیں 28 پونڈ انسانی چربی‘ تین انسانی پتے کی پتھریاں‘ بائیں پاؤں کے کچھ حصے جو مکمل طور پر تحلیل نہیں ہوئے تھے۔ انسانی ہڈیوں کے 18 ٹکڑے‘ مصنوعی دانتوں کا اوپر اور نیچے کے بغیر کسی نقصان کے جبڑے‘ ایک پلاسٹک کے پرس کا سرخ رنگ کا دستہ اور ایک لپ سٹک رکھنے والی ڈبیہ دستیاب ہوئی۔

یہ تمام اشیاء مسز اولیو ڈیورینڈ ڈیکن کی تھیں۔

تب ہیگ نے اپنے دوسرے قتلوں سے متعلق بھی پولیس کو بتایا۔ یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے مقتولوں کے اجسام کو تیزاب میں کیسے اور کب ڈالا اور پھر کیچڑ جیسے محلول کو کس طرح اپنی ورکشاپ کے زیریں نالے میں بہایا۔ پولیس تمام لمبی چوڑی تفصیلات کو

ساتھ ساتھ ہی [illegible] جا رہی تھی۔ بعد میں اس [illegible] پر ینگ [illegible] جیل میں دھکیل دیے گئے۔

اسی طرح پر ینگ نے اپنے پاگل ہونے کے [illegible] کر دیا۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ وہ اپنے [illegible] کے قتل کے بعد [illegible] اور اس میں سے بچنے والے [illegible] میں ہوتے ہوئے [illegible] بتایا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ "100 شیطان" [illegible] کی کوئی جنسی تسکین کے لیے قتل نہیں کیا بلکہ صرف [illegible] حاصل کرنے کے لیے [illegible] نے بھی اس کے ان بیانات کو [illegible] کے حصول کے لیے [illegible] بلکہ [illegible] کے حصول کے لیے کیے گئے تھے۔

ینگ نے اپنے [illegible] گرفتار کیا گیا اور اسے موت کی [illegible] جس کے نتیجے میں [illegible] لٹکا دیا گیا۔

ینگ نے اپنی وصیت کے ذریعے اپنے کپڑے مادام تساؤ کے عجائب گھر کے شعبہ "چیمبر آف ہارر" کے لیے چھوڑے۔ مادام تساؤ نے [illegible] کیا اور کہا کہ اس کے کپڑے [illegible] رکھے جا سکیں گے۔ [illegible] میں وہ خود کیا کرتا تھا۔

ینگ نے اس سلسلے میں کہا کہ [illegible] اپنی وصیت میں [illegible]

88

پال برنارڈو اور کارلا ہومولکا

(1970ء، 1964ء)

[illegible]

پال برنارڈو کا دوست وان سمرلس اور کارلا کی ساتھی کارکن ڈیمی پورڈس وگ رہے تھے کہ پال برنارڈو اور کارلا ہومولکا دونوں اپنے لباس سے بے نیاز وحشیانہ معاملات کے ساتھ جانوروں کی طرح ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہے ہیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو اکتوبر 1987ء میں ٹورنٹو میں ہونے والی مویشیوں کے ڈاکٹروں کی کانفرنس میں ملے تھے۔ دونوں کے درمیان روایتی سی "ہیلو' ہیلو۔ اور آپ کیے ہیں؟" جیسی ملاقات ہوئی تھی اور پھر وہ چند ہی گھنٹوں میں کارلا کے ہوٹل روم میں اکٹھے ہوئے تھے اور ان کی ابتدائی علیحدگی میں ہونے والی ملاقات کچھ گہرے رنگ ہی اختیار کر گئی تھی۔ پال برنارڈو کو اپنی بیمار ترین خواہش پوری کرنے کا موقع ملا تھا' کے نتیجے میں تین اموات' لاتعداد عصمتوں کی پامالی' ناقابل بیان تشدد اور ناپیدا کنار درد برپا ہوا۔

کینیڈا کے پال برنارڈو اور اس کی بیوی کارلا ہومولکا کی بے مہار تعلقات میں بدمعاشی واضح طور پر انگریزی لفظ گیسٹالٹ (gestalt) کے معانی پر روشنی ڈالتے ہے۔ اس لفظ کے معانی یہ ہیں کہ ایسا کل جو اپنے اجزا کے مجموعے سے زیادہ ہو۔ ریاضی میں اس لفظ کے معانی فرداً فرداً اجزا کا مجموعہ اس کے حاصل جمع کی حقیقت سے بڑے ہونے کے ہیں۔ مگر ریاضی میں دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں' پانچ نہیں ہوتے مگر نفسیات میں ایسا غلط' صحیح ہوتا ہے۔

ایک ادیب نے پال اور کارلا کی جذباتی شدت اور بے راہ روی سے متعلق لکھا کہ یہ دونوں گیسولین اور فرٹیلائزر ہیں جن کے سائنسی ملاپ سے انتہائی تباہ کن بم تیار ہوتا ہے۔ اس جوڑے کے خاندانوں کے جرائم کے نفسیاتی ماہرین' جیوری اور عوام سب حیرت میں ہیں کہ اگر یہ دونوں ٹیڑھے بدمعاش اکٹھے نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ یہ علیحدہ علیحدہ اسی نوع کی کارروائیاں کرتے تو دنیا ہی کو لرزا کر رکھ دیتے۔ ان کے ظلم' ایذا رسانی اور سرد مہری جیسے اعمال کو انہوں نے میاں بیوی بن کر اکٹھا کر دیا۔ ان کی یہ گندی اور قبیح صفات علیحدہ علیحدہ برسرِ عمل ہوتیں تو کیا ہوتا؟

- ⊙ کیا کارلا کی بہن ٹیمی زندہ ہوتی؟
- ⊙ کیا لنرلی محافی زندہ ہوتی؟
- ⊙ کرسٹن فرنچ کا حال کیا ہوتا؟

برنارڈو' ہومولکا میں سے پرلے درجے کا بدمعاش کون تھا؟ (مصنف نے یہاں ریاضی کی اصطلاح dyad استعمال کی ہے جس کا مطلب وہ حاصل ہے جو دو سمتوں یا مخلوط کا مجموعہ ہوتا ہے۔)

اخلاق سے عاری پال برنارڈو اپنے بدترین جاگتی آنکھوں سے دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر چاہتا تھا۔ اس کام میں کتنی انسانی جانیں ضائع ہوتی ہیں اسے اس بات کی پرواہ نہ تھی۔ اس نے کارلا میں نفسیاتی طور پر اپنے اوپر حاوی ہونے والی شخصیت دیکھی جو مردوں کی سی صفات و حرکات سے اس کے جرائم میں اکسانے سے مددگار ہو سکتی تھی۔ بعد میں اپنی رضا سے سب کچھ کرنے لگی تھی کیونکہ وہ بذات خود بھی فرٹیلائزر تھی۔

کارلا بڑی پرجوش' تابعدار' سنہری بالوں والی گوری چٹی غیر معمولی نظریں رکھنے والی عورت تھی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی چھوٹی بہن کو تیار کر لیا کہ وہ اس کے شوہر کو خوش کرے۔ اگرچہ ٹیمی کی موت اس خوش کرنے کے کھیل کا مجوزہ حصہ نہ تھی۔ کیا ٹیمی کی موت اتفاقیہ تھی؟ (غیر ارادی تھی؟ جن اعمال کی قوت سے اس کی موت ہوئی وہ واضح طور پر منصوبے میں شامل کیے گئے تھے) کیا ایسے حالات سے کارلا کی قصور واری کم ہوتی ہے۔ ٹیمی' کارلا کی بہن تھی لیکن اس نے بڑے جوشیلے انداز میں اس کی دوشیزگی اپنے شوہر کی نذر کی۔ یہ دراصل کارلا کا اپنے شوہر کے لیے ایک انعام تھا کیونکہ جب وہ پہلی بار پال سے ملی تھی تو وہ خود بھی کنواری نہ تھی۔

دسمبر 1990ء میں کارلا مویشیوں کے کلینک سے بے ہوش کرنے والی دوائی چرا لائی تھی جو کارلا نے اپنی بہن کو اپنے شوہر کے سپرد کرتے وقت سونگھنے کے لیے دی۔ اس کی بھی ضرورت شاید نہ ہوتی لیکن کارلا نے اس گھناؤنے عمل کی ویڈیو ٹیپ تیار کی۔ اس پوری "تقریب" کے دوران ٹیمی مکمل ہوش میں آنے کی فطری جدوجہد کرنے لگی۔ چونکہ کارلا نے ایسی ہی حرکات جانوروں میں دیکھی تھیں لہٰذا اسے علم تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس نے ٹیمی کا رخ بدل دیا۔ جانوروں کی یہ ترکیب انسان کو راس نہ آئی اور الٹا ہونے پر ٹیمی نے قے کر دی اور پھر بے ہوشی ہی میں اس زہریلی قے کو منہ کے قریب پا کر کھا گئی۔ زہر کے اثر سے وہ دم گھٹنے سے مر گئی۔

ٹیمی کی موت نے پال اور کارلا کے درمیان کوئی رخنہ پیدا کیا نہ ہی وہ اس

واقعے سے شپٹائے۔ بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں کے وقفے سے پال دو نوجوان مقامی لڑکیوں لیزلی محافی اور کرسٹن فرینچ کو اغوا کر لایا۔ ان کو بھی جنسی تشدد اور فحش حرکات کا مرتکب بنایا۔ ان کے اظہار نفرت پر ان پر پیشاب کیا۔ بالآخر ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ان کی لاشوں کو سمیٹنے کی خاطر ان کے ٹکڑے کیے۔ ان دو لڑکیوں سے بھی انہوں نے جو کچھ کیا اس کی بھی انہوں نے وڈیو ٹیپ تیار کی۔

پال کی ماں آزادانہ جنسی تعلق رکھنے والی عورت تھی (جب پال کی عمر سولہ سال تھی تو اس کی ماں نے اسے بتایا کہ وہ حرامی ہے) اور اس کا باپ ایک بچے باز تھا۔ (اسے عدالت سے ایک نوجوان لڑکی پر دست درازی کرنے پر سزا مل چکی تھی اور اس پر اپنی ہی نوجوان لڑکی سے زیادتی کرنے کا بھی الزام تھا) ان معلومات نے پال کے دل میں ماں باپ سے نفرت پیدا کی۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ اس کے افراتفری کے مارے بچپن ہی نے اس کے اندر اس قدر ظالمانہ کجروی پیدا کی کہ اس کے اندر اس کا کل اپنے اجزاء سے بڑھ گیا۔

بیس سال کی عمر میں اس کی دلچسپیاں ہولناک اور تاریک ہوگئیں۔ جن لڑکیوں کو محبت اور پیار کی خاطر ملتا ان پر ہی اس کی نیت میں فتور آ جاتا۔ آہستہ آہستہ وہ ایک مسلسل بدکاری کرنے والا "سکاربروگ بدمعاش" کہلانے لگا۔ یہ نیا نام اسے ذرائع ابلاغ نے دیا۔

پال برنارڈو پر مقدمہ چلا اور اسے تمام جرائم کا مجرم پایا گیا۔ جن میں دو اول درجے کے قتل تھے۔ دو مجرمانہ اور قتل پر منتج ہونے والے جنسی حملے تھے۔ دو غیر قانونی طور پر قید رکھنے کے الزمات تھے اور الزامات اغوا کے تھے جبکہ ایک الزام انسانی جسم کی بے حرمتی کا تھا۔ اسے کینیڈا میں رائج الوقت زیادہ سے زیادہ قید کی سزا دی گئی جس میں 25 سال قید اور اس کے بعد پیرول پر رہائی کا بھی امکان ہے (کینیڈا میں موت کی سزا نہیں ہے) ایک عدالت نے برنارڈو کی سزا سے پیرول پر رہائی حذف کر دی۔ کارلا ہولکا نے استغاثہ سے معاہدہ کیا اور اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی جس کی بنا پر اسے 2005ء میں پیرول پر رہائی مل جائے گی۔

* * *

89

ویسٹلے ایلن ڈاڈ

(1961ء تا1993ء)

”تیسرا وقوعہ مرنے کا یوں ہو سکتا ہے۔ اسے دوسرے وقوعہ میں لی کی طرح باندھا جائے گا۔ اس کے سر پر تھیلا چڑھانے کی بجائے' جیسا کہ پہلے تجویز کیا گیا تھا' میں اس کے منہ پر رطوبت کے اخراج کے لیے نالی لگا کر ٹیپ لگا دوں گا۔ جب یہ سب کچھ تیار ہو جائے گا تو میں کپڑے کو بل دے کر یا اسی طرح کے کسی چیز سے اس کے نتھنے بند کر دوں گا—— اس طرح اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے یا اس کی گردن کے گرد رسی سخت کرنے کی بجائے میں پیچھے بیٹھ کر تصاویر بنا سکوں گا اور اسے جان جاں آفریں کے سپرد کرتے دیکھ سکوں گا—— اس طرح اس کی گردن پر رسے کی کس (بل) کے نشانات بھی نہیں پڑیں گے—— میں اب اس کا چہرہ اور آنکھیں واضح

طور پر دیکھ سکتا ہوں۔ بجلی سے سزائے موت دینا' تیزی سے موت دینے کا اچھا طریقہ ہے۔"

ویسلے ایلن ڈاڈ

"میں نے جوں جوں اس سے متعلق سوچا' توں توں قتل کا یہ طریقہ مجھے پرجوش کرتا گیا۔ میں نے ایک لڑکے کو مارنے کے لیے کتنے ہی طریقے سوچے تھے۔ پھر میں نے تشدد' آختہ کرنے اور آدم خوری سے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔"

ویسلے ایلن ڈاڈ

1989ء میں جب ویسلے ایلن ڈاڈ گرفتار ہو چکا تو پولیس نے اس کی رہائش گاہ کی تلاشی لی۔ جہاں پولیس کو بہت سے ایذا رسانی کے گھریلو ساخت کے اوزار ملے۔ وہاں پولیس کو بائبل بھی ملی جس میں ویسلے ایلن ڈاڈ نے اپنے ہاتھ سے "شیطان زندہ ہے" لکھا ہوا تھا۔

ویسلے ایلن ڈاڈ شکاری جانوروں کی طرح مردار خور' آدم خور اور قاتل تھا۔ وہ سزائے موت کا قیدی تھا اور اس کی درخواست پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ اپنی موت سے پہلے اس نے تسلیم کیا کہ اس نے کم از کم 250 جرائم بچوں کے حوالے سے کیے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس نے بچوں پر جو دست درازیاں کیں انہی کی سزا کے خوف ہی سے اس نے بچوں کو قتل بھی کیا۔

جب ڈاڈ کی عمر ابھی گیارہ سال تھی تو وہ نازی کیمپوں میں مارے گئے لوگوں کی عریاں تصاویر دیکھ کر سنسنی محسوس کرتا اور جوش میں آ جاتا۔ تیرہ سال کی عمر ہی میں اس نے بچوں پر دست درازی برائے تسکین جنسی کرنا شروع کر دی۔ اس کے پہلے شکار اس کے چھ سے آٹھ سال کے دو کزن تھے۔

چودہ سال کی عمر میں اس نے آزار سے لذت کا حصول سیکھا۔ حصول لطف کے لیے وہ اپنے جسم کے نازک ترین عضو میں سوئیاں چبھوتا۔ وہ سائیکل پر سواری کرتے ہوئے ایک چھڑی پچھلے پہیے میں اس طرح لگاتا کہ وہ چھڑی بار بار اس کی پشت میں چبھتی

ہے۔ وہ اکثر یہ مشق اکیلے میں اور برہنگی کی حالت میں کرتا۔ ایک وقت وہ آیا کہ وہ اپنے جسم کی برہنگی کا مظاہرہ بچوں کو کراتا۔ ابتدا میں تو وہ اپنا چہرہ گھر کی کھڑکی کے پردے سے چھپا لیتا اور گلی سے گزرتے بچوں کے سامنے جسم کا باقی حصہ نمائش کے لیے پیش کرتا۔ چند ہی دنوں بعد بچوں نے اپنے والدین سے اس کے بارے میں شکایت کی تو اس نے اپنا یہ طریق کار بدل دیا اور بچوں کو سائیکل کے کرتب دکھانے لگا جن میں اکثر وہ لٹ پلٹ کر دانستہ برہنہ ہو جاتا۔ پھر اسے یہ بھی علم ہوا کہ ایسا اسے صرف لڑکوں ہی کے روبرو کرنا چاہیے۔ وہ اس کی شکایت نہیں کرتے تھے جبکہ لڑکیاں تو ایک کی دس بتاتی تھیں۔

جب ڈاڈ کی عمر سولہ سال کی ہوئی تو اس نے اجرت پر ماں باپ کی غیر حاضری میں بچوں کے پاس رہنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کام میں بھی وہ بچوں کو ٹٹولتا اور تنگ کرتا رہا۔ پھر اس نے کیمپ کونسلر کے طور پر ملازمت کر لی۔ وہاں بھی وہ لڑکوں کو ایسے کھیل کھیلنے کا مشورہ دیتا جن سے اس کی بدفطرتی عیاں ہوتی۔ وہ بچوں کو برہنہ دوڑانے کے فوائد بتاتا اور کئی بچے اس کی ترغیبات پر عمل کرنے پر آمادہ بھی ہو جاتے۔ اس مشق کے نتیجے میں ہونے والی برہنگی کے بارے میں حکام نے احتیاط اختیار کرنے کو کہا لیکن مشاورت بچگان کے لیے ضروری خیال کی گئی۔ اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اب ڈاڈ نے ایسے بچوں کو ترغیبات دینا شروع کر دیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا مگر یہ احتیاط اس نے اٹھارہ سال کی عمر میں کی۔

جلد ہی وہ بحریہ میں بھرتی ہو گیا۔ اس کا قیام برنگر واشنگٹن میں تھا۔ اس قیام کے دوران میں وہ بچوں کو بحریہ کے مرکز پر بھی شکار کرتا۔ موقع ملتا تو مارکیٹوں اور سینما گھروں میں بھی بچوں کو تاڑتا اور پھنساتا۔ وہ بچوں کو پیسے دکھاتا بھی اور دیتا بھی۔ یہ اس کی بچوں کو پھسلانے اور پھنسانے کی تکنیک تھی۔ ان قبیح حرکات کی پاداش میں بالآخر وہ گرفتار ہوا۔ اسے 19 دن کی جیل کی سزا کے بعد بحریہ کی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔

آنے والے دنوں میں بھی اس نے ایسی ہی ملازمتیں تلاش کیں کہ اس کی رسائی بچوں تک ہو۔ اشیاء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا' بچوں کے پاس رہنا' فاسٹ فوڈ کے ریسٹورانوں میں کام کرنا اس کی ترجیحات رہیں۔ ان ایام میں اس نے ان مقامات کا ایک نقشہ تیار کیا جہاں اس نے بچے دیکھے تھے تاکہ وہ وہاں دوبارہ جا سکے اور کسی نہ کسی

بچے کو اغوا کر سکے۔

1984ء میں ڈاڈ گرفتار ہوا اس نے ایک دس سالہ بچے پر مجرمانہ ہاتھ ڈالا تو
اس جرم پر اسے ایک سال کی سزا ہوئی۔ 1986ء میں اپنی عمر کے چھبیسویں سال ڈاڈ
منتقل ہو گیا۔ اب تک وہ تیس بچوں پر مجرمانہ ہاتھ ڈال چکا تھا۔ لیکن اس دوران وہ اس عمر
تک پہنچ چکا تھا کہ اپنی طلب کے معاملے میں وہ "نہیں" نہیں سن سکتا تھا۔ وہ وقت
گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ٹیڑھا اور کج رو ہوتا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ زیادہ متشدد بھی۔
اس نے گھات لگا کر بچوں کا پیچھا کرنا اور اغوا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ایک شکار
سال کا سماعت سے محروم بچہ تھا جس کو اس نے باندھا اور روندا۔

ستمبر 1989ء میں اس نے دس سالہ اور گیارہ سالہ دو نیر بھائیوں کو اغوا کیا ان
پر دست درازی کر کے انہیں قتل کر دیا۔ اس نے دونوں کو بار بار کاری زخم لگائے۔ اس نے
بعد میں بتایا کہ اسے اس کارروائی سے بڑا عصبی تہیش ہوا جبکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ابھی اس
نے کچھ مزید بھی کرنا ہے۔

ڈاڈ کو اب بچوں کو قتل کرنے میں بہ نسبت ان سے جنسی اختلاط کے زیادہ لطف
حاصل ہونے لگا۔ اب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے اب کسی بھی بچے کو اغوا کر کے کسی ایسی
جگہ لے جانا ہے جہاں وہ اپنی کج رو خواہشات کو جیسے چاہے اور جتنی دیر چاہے تسکین دے
سکے۔ ظالم نے باقاعدہ ایک طریق کار کے اقدامات کی فہرست بنائی کہ وہ کیسے کسی بچے کو
اس کے اختتام تک پہنچائے گا۔ اس نے اپنے اغوا کیے ہوئے بچوں پر آدم خوری اور تجرباتی
جراحی بھی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس بدمعاش کی روزمرہ کی ڈائری اس قدر خوفناک تھی کہ اس
کو جب عدالت میں ایک وکیل پڑھ رہا تھا تو اس کو سن کر جیوری کا ایک ممبر بے ہوش
ہو گیا۔

نیر بھائیوں کے ایک ماہ بعد ڈاڈ نے ایک چار سالہ بچے لی ازیلی کو پورٹ لینڈ
اوریگان سے اغوا کیا۔ اسے عریاں کر کے ایک بستر پر باندھا دیا۔ پولورائیڈ کیمرے سے
اس کی تصاویر بنائیں۔ اس سے زیادتی کی اور پھر اسے کارٹون دکھاتا رہا۔ پھر اس کا گلا دبا
کر اس کو ہلاک کیا اور اس کی لاش ایک الماری میں لٹکا دی اور اس کی مزید تصاویر
بنائیں۔

آخری بار نومبر 1989ء میں وہ ایک سینما گھر کے باتھ روم سے ایک نوجوان
لڑکے کو اغوا کرنے کی کوشش میں پکڑا گیا۔ جس سراغ رساں نے اس سے پوچھ گچھ کی اس
نے واضح طور پر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ڈاڈ اپنے کرتوت بیان کرنے سے بھی حظ حاصل
کرتا ہے اور یہ بچوں سے زیادتی اور ان کے قتل دونوں اقدام سے کیف حاصل کرتا رہا
ہے۔

اس پر تین بدترین قسم کے جرائم کے ارتکاب کے الزامات عائد کیے گئے۔
جنوری 1990ء میں اسے موت کی سزا سنائی گئی۔ اس نے درخواست دی کہ وہ اپیلوں کے
ذریعے سزائے موت کو التوا میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس نے پھانسی کے ذریعے سزائے موت
کو پسند کیا۔ عدالت میں اس نے کہا کہ اگر وہ بچ نکلا تو وہ عدالت سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ
پھر سے حرام زدگی بھی کرے گا اور قتل بھی۔ اس بیان کے بارے میں اس نے کہا کہ
دراصل وہ چاہتا ہے کہ اس کی ندامت کو محسوس کیا جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ چاہتا
ہے کہ وہ جنت کو سدھار رہا ہے کہ وہ اپنے شکار بچوں کو پیار کر سکے اور ان سے معافی
طلب کر سکے۔

امریکہ کی شہری آزادی کی یونین نے ایسے اقدامات کیے کہ وہ ڈاڈ کی سزائے
موت کو اس بنیاد پر رکوا سکے کہ پھانسی ایک بہت ہی تکلیف دہ سزا پر عملدرآمد کا طریقہ
ہے۔ "یہ ایک غیر معمولی ظالمانہ سزا ہے۔" لیکن 5 جنوری 1993ء واشنگٹن جیل میں اسے
پھانسی کی سزا دی گئی۔ وہ 1965ء کے بعد پھانسی دے کر ہلاک کیے جانے والا پہلا مجرم
تھا۔

* * *

90

گیری ہیڈنگ

(1943ء تا 1999ء)

"کوئی شخص جب کتوں کی خوراک اور انسانی بچے کھچے اعضا خوراک بنانے والے برتن میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ذائقے سے بھرپور خوراک ہے اور اسے دوسروں کو کھلاتا ہے——— خود لنچ کرنے باہر جاتا ہے۔"

چک پیرولڈ جونیئر' گیری ہیڈنگ کا وکیل

سیاسی طبقے میں ایک گروہ محرکین کا بھی تھا جو گیری ہیڈنگ کی سزائے موت کے خلاف تھا اور جس نے امریکی نظام انصاف کو خاصا رسوا کیا۔ گیری ہیڈنگ ایک ایسا شخص تھا جسے بدکاری' جنسی کجروی' ایذا دہندہ' اغوا کنندہ اور ایک قاتل قرار دیا گیا——— وہ ایک ایسا آدمی تھا جس نے سیاہ فام عورتوں کو اغوا کیا اور قید کیا جبکہ ان عورتوں میں سے بعض

ذہنی طور پر معذور تھیں۔ اس نے ان عورتوں کو اپنے تہ خانے کے ایک گڑھے میں بند رکھا کہ وہ ان کو حاملہ کر کے اپنا ایک بڑا سا خاندان پیدا کرے۔ وہ ایسا انسان تھا کہ اس نے اپنی ایک شکار کو فاقوں سے مار دیا۔ اس کو چیرا پھاڑا' اس کے اعضا جدا جدا کیے اور اس کے گوشت کا قیمہ بنا کر اسے کتوں کی خوراک کے ہمراہ خوراک تیار کرنے والے برتن میں ڈالا اور اس سب کچھ کو اپنے دوسرے قیدیوں کو کھلایا۔

کھانے کے دوران چلے ہوئے ایک سیاہ رنگ کے کھانے سے ایک انسانی پسلی ہیڈنگ کے فرج سے ملی اور ایک پسلی اس چوبیس پونڈ کے انسانی حصوں میں تھی جو پکائے جا رہے تھے۔

ہاں——— ایسے لوگ موجود تھے جو یہ چاہتے تھے کہ ہیڈنگ کو سزائے موت نہ دی جائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ جو لوگ ہیڈنگ جیسے کام کرتے ہیں وہ پاگل ہوتے ہیں اور پاگل لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں موت کی سزا نہیں ملنی چاہیے۔

کلیسی میکنزی ماہر نفسیات نے اپنے ایک مضمون بعنوان "جرم نہیں" میں لکھا:

"گیری ہیڈنگ کی سزائے موت امریکہ کے لیے شرم کی بات ہے۔ ہمارے نظام انصاف کے لیے شرم کی بات ہے۔" ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا کہ "اس کے دماغ کی عمر سترہ ماہ تھی۔ اس کا بالغ دماغ' جب وہ قابل نفرت جرائم سرانجام دے رہا تھا اس کے افعال کا ذمہ دار نہ تھا۔ اس کا دماغ کا بالغ حصہ اگرچہ اس کے بچپن کے دماغ کے دوبارہ بیدار ہونے والے حصے کے ساتھ تھا اور یہ اس معصوم حصہ دماغ' ذہن اور حقیقت کا کیا دھرا تھا۔"

ڈاکٹر میکنزی کی آراء سے متعلق اختلافی دلائل موجود ہیں لیکن ہیڈنگ کے معاملات میں جیوری کو وضاحتوں کی ضرورت تھی اور نہ ہی انہوں نے اس کو پاگل قرار دینے کی درخواستوں کی کوئی حمایت کی۔ ہیڈنگ کی کہانی میں تو صرف بے تحاشا خوف اور بے حد برائی تھی جو "مجرم نہیں ہے پاگل پن کی وجہ سے" کی گزارش کو پس پشت ڈال رہی تھی۔ انصاف' انتقام' سزا اور ہیڈنگ جیسی بد بلا کے لیے معاشرے کو ویکسین کی ضرورت تھی۔ انہی کی روشنی میں عدالت کے فیصلہ سنایا۔

برائی کی بہت سی تاریک جزئیات ہیں— خاص طور پر ایذا رسانی کا استعمال، جنسی کجروی، زنا بالجبر اور قتل برائے قتل گیری ہیڈنک کی کہانی کے جوہر ہیں۔

1986ء میں شکرانے کی رات ہیڈنک ایک طوائف جوزفینا ریویرا کو اپنے گھر لایا۔ پہلے تو اس سے جنسی تسکین حاصل کی اور پھر اس کا گلا اس قدر دبایا کہ وہ بے ہوشی کی حد تک پہنچ گئی۔ پھر وہ اس کو نیچے تہ خانے میں لے گیا اور وہاں اسے ایک شہتیر سے باندھ دیا۔ اس سے بدذاتیاں کرتا اور کرواتا رہا اور پھر اسے نیم عریاں حالت میں ایک گڑھے میں لے گیا۔ اسے لٹا کر اس کے اوپر ایک پلائی ووڈ کا تختہ رکھ کر اس کے اوپر پتھروں کا وزن رکھ دیا کہ کہیں ریویرا بھاگ نہ جائے۔ وہ اسے رات بھر کے لیے وہیں چھوڑ گیا اور اگلی صبح شکرانے کے دن وہ ایک سیاہ فام عورت سینڈی کے ساتھ گڑھے میں آیا اور سیاہ فام عورت کو ایک نالی کے ساتھ باندھ دیا۔

شکرانے کے دن سے لے کر کرسمس تک ہیڈنک نے دونوں عورتوں کو اپنے تہ خانے میں رکھا اور جب بھی اس نے چاہا انہیں جنسی تسکین کے لیے استعمال کیا۔ انہیں محدود قسم کی خوراک دی اور انہیں بے رحمی سے پیٹنے میں ہرگز نہیں ہچکچایا۔ پھر اس نے تہ خانے کے گڑھے کو تھوڑا سا کھلا کرنے میں بھی کچھ وقت صرف کیا۔

زمانہ بدلا۔ فروری 1987ء میں سینڈرا لنڈسے نامی ایک عورت مرگئی اور ہیڈنک نے آری سے اس کے ٹکڑے کیے۔ اس کے مقدمے کے دوران ایک ایسا نازک موقع آیا جب ہیڈنک کی ایک زندہ بچ جانے والی شکار عورت نے بتایا کہ اس نے ہیڈنک کے کتے کو دیکھا جو سینڈرا لنڈسے کے علیحدہ کیے ہوئے ایک عضو کو اٹھا کر تہ خانے میں لے آیا تھا۔ وہ اس عضو کو کھاتا رہا اور وہ دوسری عورتیں اس کو دیکھتی رہیں۔

لنڈسے کی موت کے بعد ہیڈنک بجلی کی زندہ تار کو ان زنجیروں سے چھو دیتا جو عورتوں کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ نئی اختراعات سے کام لینے لگا۔ وہ گڑھا پانی سے بھر دیتا اور سوائے ریویرا کے سب عورتوں کو اس پانی میں کھڑا کر دیتا اور سوراخ پلائی ووڈ کے تختے سے بند کر دیتا۔ اس نے تختے میں ڈرل مشین سے سوراخ کر رکھے تھے۔ ان سوراخوں سے وہ بجلی کی تاریں لٹکاتا اور عورتوں کو جھٹکے دیتا اور وہ پانی میں

ہو جاتیں۔ ایک عورت ڈیبرا ڈڈلے بجلی کے جھٹکوں سے مر گئی۔ ہیڈنک نے اس کی لاش کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور اپنے فریزر میں رکھ دیا۔

24 مارچ 1987ء کو جوزفینا ریویرا نے ہیڈنک کو راضی کر لیا کہ وہ اسے اپنے گھر کے لوگوں سے ملنے جانے دے۔ اس نے یہ حیران کن وعدہ کیسے لے لیا اس نے ہیڈنک سے وعدہ کیا کہ وہ ڈیبرا ڈڈلے کی جگہ پر کرنے کے لیے ایک عورت ساتھ لے کر واپس آئے گی— ایک بار اس کے چنگل سے نکلنے کے بعد ریویرا نے اپنے بوائے فرینڈ سے کہا کہ وہ پولیس سے بات کرے چنانچہ اس طرح ہیڈنک گرفتار ہوا۔ بارہ سال بعد ہیڈنک کو سزائے موت دی گئی۔

* * *

91

تھیوڈور کیکزنسکی

یونا بمباز

(1942ء تا)

"اس کو اتنا نیچے لٹکاؤ' اتنا کہ جب وہ مر جائے تو جہنم نزدیک ہو۔ شیطان کا اصل مسکن وہی (جہنم) ہے۔"

سوسن موزر' تھامسن موزر جو کیکونسکی کے
بموں سے مارا گیا

تھیوڈور کیکونسکی کی دہشت گردانہ سرگرمیاں خالصتاً برائی تھیں کیونکہ وہ ارادتاً لوگوں کو جان سے مار رہا تھا اور لولا لنگڑا بنا رہا تھا۔ وہ ایک نکتہ ہر خاص و عام کو ذہن نشین کرانا چاہتا تھا اور وہ نکتہ کیا تھا؟

وہ نکتہ یہ تھا کہ ٹیکنالوجی ایک بُری شے ہے۔

کیکزنسکی کے لکھے ہوا ناپ شناپ ضخیم منشور کے ابتدائی اور اختتامی پیراگراف میں لکھا ہے کہ:

صنعتی انقلاب اوراس کے نتائج نسل انسانی کے لیے تباہ کن رہے ہیں۔ ان لوگوں کی اوسط زندگی بڑھ گئی ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں رہتے ہیں لیکن انہوں نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے' زندگی کو بے مقصد بنا دیا ہے' انسان کی تذلیل کی ہے' بہت سی نفسیاتی بیماریاں پھیلائی ہیں اور قدرتی زندگی اور طبعی دنیا کو سخت نقصانات پہنچائے ہیں۔ صنعت وحرفت کی مسلسل ترقی صورت حال کو مزید خراب کر دے گی۔ یہ لازمی طور پر انسانی زندگی کو بدترین اخلاقی گراوٹ اور قدرتی زندگی کو بڑے نقصانات سے دوچار کر دے گی۔ شاید یہ خوفناک سماجی برائیوں کو جنم دے اور نفسیاتی امراض بڑھانے کا موجب ہو۔ ترقی یافتہ ممالک بھی صنعت وحرفت سے طبعی بیماریوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔"

اپنے مقاصد کی تشریح اپنے منشور میں کرنے کے بعد وہ "ہم" کے حوالے سے اپنا نکتہ نظر بیان کرتے ہوئے ایک انقلاب کی نوید دیتا ہے اور برملا کہتا ہے کہ اس انقلاب میں کسی قسم کا دنگا فساد نہیں ہوگا۔

"—— چنانچہ ہم صنعتی نظام کے خلاف ایک انقلاب کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ انقلاب متشدد بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ یہ انقلاب فوری طور پر برپا بھی ہو سکتا ہے اور آہستہ آہستہ بھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ دہائیوں پر پھیلا ہوا ہو۔ ہم کوئی پیشن گوئی نہیں کر سکتے۔ تاہم ہم عمومی انداز میں صنعتی نظام کے کرتا دھرتا افراد سے کہتے ہیں کہ وہ معاشرے کی صورت حال کے پیش نظر انقلاب کی راہ ہموار کریں۔ یہ کوئی سیاسی انقلاب نہیں ہوگا۔ اس کا مقصد حکومت کی تبدیلی نہیں ہوگا بلکہ معاشی اور صنعتی بنیادوں پر موجود

معاشرے کو بدلنا ہوگا۔"

سولہ سال کی عمر ہی میں کیکونسکی نے گھریلو ساخت کے بم بنانے شروع کر دیئے۔ اپنی گرفتاری کے وقت وہ اپنے ساختہ بموں سے سولہ دھماکے کر چکا تھا جن کے نتیجے میں تین اموات ہوئی تھیں اور 23 افراد مجروح ہوئے تھے۔ اسے مجرم قرار دیا گیا (لیکن ایک سودے کے باعث) اسے موت کی سزا نہیں دی گئی بلکہ چار عمر قیدیں اور تیس سال قید کی ایک سزا جس میں پیرول پر رہائی کی گنجائش نہیں تھی سنائی گئی۔ فیڈرل جج گارلینڈ بریل نے کیکونسکی کی سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یونا بمباز کے اعمال "ناگفتنی اور غیر فطری" ہیں۔

کیزنسکی کی گھریلو دہشت گردی 1978 سے 1995ء تک چلتی رہی۔ اس کے اہداف ایئر لائنیں، کمپیوٹر کے ماہرین، طبی سائنسدان، اشتہار بازی کے سرکردگان اور اداروں کے انتظامی سربراہان رہے۔ کیکونسکی نے لکھا کہ ان لوگوں کو ہدف بننے کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ صنعتوں میں کام کرتے ہیں اور یہی لوگ انسانوں کو انسانوں سے اور انسانوں کو فطرت سے جدا کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایسی سازشیں کرنے کے ملزم بلکہ مجرم ہیں جو لوگوں کے ذہنوں، رویوں بلکہ اعتقادات کو بدلنے والے ہیں۔

امریکن تاریخ میں 11 ستمبر کی ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گردی سے پہلے اگر کسی دہشت گردی کا درجہ اول تھا تو وہ یونا بمبار کیکونسکی کا تھا۔

19 ستمبر 1995ء کو نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ جیسے موثر روزناموں نے کیکونسکی کے 35 ہزار الفاظ پر مشتمل اس کا منشور شائع کیا۔ کیکزنسکی کے بھائی ڈیوڈ کیکونسکی نے اس شائع شدہ منشور میں محاورات اور ضرب الامثال میں اپنے بھائی کے شائع کردہ "ٹیڈز لیٹرز" میں اس قدر مشابہت پائی کہ اس کا ماتھا ٹھنکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائی سے متعلق تحقیق کی۔ اس تحقیق کے بعد وہ ایف۔ بی۔ آئی کے پاس گیا۔ ایف۔ بی۔ آئی نے ڈیوڈ کیکزنسکی کی شہادت کو وزنی اور ٹھوس پایا، لہٰذا تھیوڈور کیکونسکی کو 1996ء میں گرفتار کر لیا گیا اور اس پر یونا بمبار ہونے کا الزام لگایا گیا۔

بعد میں ہونے والی تحقیقات میں پولیس اور ایف۔ بی۔ آئی نے مونٹانا کیبن کی انتہائی باریک بینی سے تحقیقات کی جہاں انہیں بہت سے زندہ بموں کو ناکارہ بنانا پڑا۔ وہاں سے یہ کوئی ثبوت نہ ملا کہ وہ بم وہاں کس کے لیے رکھے گئے تھے۔

یونا بمبار کی تاریخ وار کارکردگی

تاریخ	کارکردگی
25 مئی 1978ء	نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے کیمپس میں ایک بم پھٹا۔ صرف ایک آدمی مجروح ہوا
9 مئی 1979ء	نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے کیمپس میں ایک اور بم پھٹا۔ ایک شخص زخمی ہوا۔
15 نومبر 1979ء	ایک امریکن ایئر لائنز کی پرواز کے دوران سامان رکھنے والے حصے میں ایک بم دھماکہ ہوا، جس کے دھوئیں میں سانس لینے سے بارہ افراد زخمی ہوئے۔
10 جون 1980ء	یونائیڈ ایئر لائنز کے صدر کو اس کے گھر شکاگو میں زخمی کیا گیا۔
8 اکتوبر 1981ء	اوٹاہ کی یونیورسٹی میں بزنس کلاس روم میں ایک بم پایا گیا جسے کامیابی کے ساتھ وہاں سے ہٹایا اور ناکارہ بنا دیا گیا۔
5 مئی 1982ء	وینڈر بلٹ یونیورسٹی میں بغیر کسی نقصان کے ایک بم دھماکہ ہوا۔
2 جولائی 1982ء	الیکٹریکل انجینئرنگ اور کمپیوٹر سائنس کے ایک پروفیسر یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے کی فیکلٹی لاؤنج میں دھماکہ ہونے سے زخم آئے۔
1983ء	اس سال کوئی حملے نہیں ہوئے۔
1984ء	یہ سال بھی 1983ء کی طرح گزرا۔
15 مئی 1985ء	یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے کے کمپیوٹر روم میں بم دھماکے سے ایک شخص زخمی ہوا۔
13 جون 1985ء	بوئنگ کارپوریشن کو بھیجا جانے والا ایک بم کامیابی سے ناکارہ بنا

دیا گیا۔ کوئی شخص زخمی نہیں ہوا۔

1986ء —— کوئی حملے نہیں ہوئے۔

1987ء —— سالٹ لیک سٹی میں ایک کمپیوٹر سٹور میں یونا بمبار کی نشاندہی ہوکر

1987ء تا 1992ء —— کوئی حملے نہیں ہوئے۔

جون 1993ء —— یونا بمبار نے نیویارک ٹائمز کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔

22 جون 1993ء —— یونیورسٹی آف کیلیفورنیا سان فرانسسکو کے نسلی توریث کے ایک پروفیسر ڈاکٹر چارلس ایپ سٹین اپنے گھر میں بم پھٹنے سے زخمی ہوئے۔

24 جون 1993ء —— نیو ہیون، کونیکٹیکٹ میں ییل یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ جیلرنٹر اپنے دفتر میں بم پھٹنے سے زخمی ہوئے۔

10 دسمبر 1994ء —— ایڈورٹائزنگ کے شعبے کا سربراہ تھامس موزر اپنے گھر نیوجرسی میں بم پھٹنے سے ہلاک ہوا۔

24 اپریل 1995ء —— لکڑی کی صنعت کا ایک پرزور حمایت کرنے والا گلبرٹ مرے اپنے دفتر ساکرامینٹو میں ایک بم پھٹنے سے ہلاک ہوا۔

19 ستمبر 1995ء —— واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز نے مشترکہ طور پر یونا بمبار کے منشور پر مبنی 34,497 الفاظ کو شائع کیا۔

فروری 1996ء —— ڈیوڈ کیکزنسکی نے ایف۔ بی۔ آئی کو بتایا کہ اس کے خیال میں اس کا بھائی تھیوڈ کیکزنسکی یونا بمبار ہے۔

3 اپریل 1996ء —— مونٹانا کیبن سے تھیوڈور کیکزنسکی کو گرفتار کیا گیا۔

22 جنوری 1998ء —— تھیوڈور کیکزنسکی نے مدعی کو مطمئن کرنے کا ایک سودا بحیثیت مدعا علیہ کیا جس کے نتیجے میں اسے چار عمر قیدیں اور 30 سال کی قید پیرول پر رہائی کے بغیر سنائی گئی۔ اس سودا کاری سے کیکزنسکی نے موت کی سزا کے امکان کو ختم کیا۔ لہٰذا یونا بمبار کا خوف اور دہشت کا دور اختتام کو پہنچا۔

☆

92

ایڈی گین

”پلین فیلڈ کا بوچر“، ”پلین فیلڈ کی بدروح“

(1906ء تا 1984ء)

> ”میں ڈاکو نہیں ہوں، میں نے سرمایہ اور کیش رجسٹر اس لیے چھینے کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کارروائی کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔“
>
> ایڈی گین کا چور پکارے جانے پر ردعمل

ادیب رابرٹ بلاک نے اپنے ناول ”سائیکو“ کے پلاٹ کا کردار نارمن بیٹس کو ایڈی گین کی کہانی سے حاصل کیا۔ ڈائریکٹر ٹوب ہوپر نے اپنی فلم ”دی ٹیکساس چین سامیساکر“ کے کردار لیتھر فیس میں بھی ایڈی گین ہی کی عکاسی کی۔ ادیب تھامس ہیرس نے اپنے سلسلہ وار قاتل جیمی کے کردار کی بنیاد ”بل بفلو“ میں پلین فیلڈ کے بوچر پر رکھی۔

کب نے اپنے ناول "بھیڑ کے بچوں کی خاموشی" میں بھی پلین فیلڈ کی جو [illegible]
کر دیا ہے۔ یہی نہیں اپنی مرکزی ہستیوں کے سلسلہ وار قاتل ہنی بال لیکٹر بالخصوص آدم
خوری اور کھال کھینچنے کا فعل جس کا ڈاکٹر لیکٹر بڑا شوقین تھا میں ہیرس نے جذباتی طور پر
ایڈی گین کی شخصیت کی جزئیات ہی پیش کی ہیں۔

ایڈی گین آف پلین فیلڈ ایک مددگار اور قاتل احمق پڑوسی مشہور تھا جسے پلین فیلڈ کے لوگ ایک اوکھا' شرمیلا اور بے ضرر فرد خیال کرتے تھے۔ گین کے ہمسائے اس سے متعلق جو نہیں جانتے جب ان کو اس سب کچھ کا علم ہوا تو تب تک بہت دیر ہو چکی تھی وہ ایک لاشوں سے غیر معمولی دلچسپی رکھنے والا' قبروں سے مردے چوری کرنے والا' جنس مخالف کے لباس کا شوقین' آدم خور اور قاتل تھا۔۔۔ وہ کیا کرتا تھا جاننے کے لیے تیار ہو جائیں۔

- سوپ کو عورت کی کھوپڑی میں ڈال کر پیتا تھا۔
- اس نے انسانی ہونٹوں کا بنا ایک موبائل اپنے باورچی خانے میں لٹکا رکھا تھا۔
- ایک چاقو رکھتا تھا جس کا دستہ انسانی ہڈی سے بنا ہوا تھا۔
- اس نے جوتوں کے ایک ڈبے میں انسانی اعضائے مخصوصہ (آٹھ بوسیدہ اور ایک تازہ) ڈال رکھے تھے۔
- اس کے رہائشی کمرے میں ایک کرسی پڑی تھی جس کے بازو حقیقی انسانی بازو تھے۔
- اس نے عورتوں کی چھاتیوں کے مختلف نمونوں کا ایک مجموعہ سنبھال رکھا تھا۔
- ایک بڑے ڈبے میں انسانوں کی ناکیں جمع کر رکھی تھیں۔
- مردانہ خصوصی عضو جس ریفریجریٹر میں سنبھال رکھے تھے اسی فرج میں جگر' انتڑیاں اور دل بھی رکھے ہوئے تھے۔
- عورتوں کی سامنے کی کھال کا ایک کوٹ بنا رکھا تھا۔

گھر میں وہ عورتوں والا انڈر ویئر پہن کر پھرتا۔

- عورتوں ہی کی کھال کی اس نے ردی کی ٹوکری بنا رکھی تھی۔ بعض لیمپوں کے شیڈ بنا رکھے تھے۔
- ایک میز پر اس نے مردوں کی پنڈلیوں کی ہڈیاں سجا رکھی تھیں۔
- انسانی دلوں کو وہ بھون کر کھاتا تھا۔ جب وہ گرفتار کیا گیا تو برنائس ورڈن کا دل پلیٹ میں کھانے کے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔
- اپنے بستر کے سرہانے کے پایوں پر اس نے انسانی کھوپڑیاں چھڑیوں کے سہارے کھڑی کر رکھی تھیں۔
- ایک کرسی پر عورتوں کی کھال کا غلاف چڑھا رکھا تھا۔
- عورتوں کے چہروں کی کھال وہ دیواروں پر چسپاں کرتے ہوئے سجاتا۔
- انسانی کھوپڑیوں کی کھال کو وگ کی صورت میں پہنتا۔

اس قسم کے بہیمانہ طرزِ عمل کے باوجود ایڈی گین سے متعلق یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ وہ صرف میری ہوگن اور برنائس ورڈن یعنی دو قتلوں کا ذمہ دار تھا۔ (گو بہت سے ماہرین جرائم آج تک یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ اس نے اور قتل بھی کیے ہیں تاہم خود اس نے انہی دو قتلوں کے علاوہ کسی اور کو قتل کرنے کا اعتراف نہیں کیا۔)

اپنے مقدمے کے دوران اسے قاتل تو قرار دیا گیا لیکن ساتھ ہی اسے پاگل بھی گردانا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے اپنی مصروفیت کی ہیبت اور گھناؤنے پن کا احساس نہ تھا جتنا کہ عامۃ الناس کو تھا۔ جو پندرہ لاشیں اس کے گھر سے ملیں ان میں اسے صرف ان دو سے بدترین سلوک کا شعور اور احساس تھا جن کو اس نے قتل کیا تھا۔ باقی تو اس کے جرائم سے پہلے ہی مر چکے تھے۔

ایڈی گین 27 اگست 1906ء کو اگستا اور جارج گین کے ہاں پیدا ہوا۔ یہ ایک ایسا جوڑا تھا جسے کبھی غلطی سے بھی "سال کے والدین" نہیں کہا گیا۔ جارج ایک یا وہ گو'

کمزور عقل کا شرابی تھا اور اپنی بیوی کے قبضہ قدرت میں تھا۔ آ گستا ایک چڑچڑی بدمزاج ضدی اور ظالم شخصیت کی عورت تھی۔ وہ ایک مذہبی جنونی عورت بھی تھی لہٰذا اس نے اپنے دونوں بیٹوں، ایڈی اور اس کے سات سالہ بھائی کے ذہنوں میں جنس اور عورت سے متعلق ایسے خوفناک اور مہلک خیالات بھرے کہ الامان والحفیظ۔ وہ اپنے شوہر سے نفرت کرتی تھی اور اپنی دعا میں وہ بچوں کو گھٹنے ٹیکنے کے لیے مجبور کرتی اور ان سے دعا منگواتی کہ اس کا شوہر جارج جلد مر جائے۔

صاف ظاہر ہے کہ ایڈی نے صحت مندانہ ماحول میں پرورش نہیں پائی تھی۔ یہ بحث اب تک جاری ہے کہ ایڈی کی ماں کے بے لچک رویئے ذہنی اثر زودگی، تحکم آمیز برتاؤ اور فاتر العقلی کے برتاؤ نے بیٹے کو کیسے پلین فیلڈ کا بوچر اور پلین فیلڈ کی بد روح بنا دیا؟ کیسے اپنے بیٹے کی سوچ ہی بدل ڈالی؟ اسے انسان نہ رہنے دیا بلکہ عفریت بنا ڈالا۔

کافی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آ گستا کی فرسودہ تر تبلیغ کی وجہ سے اس کے دونوں بیٹے برائی، جنسی ضروریات اور عورتوں کی بدفطرتی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے ساری عمر شادی ہی نہیں کی۔ ایڈی صنف نازک کے جسم اور خاص اعضاؤں کے منفی تصورات میں کھو گیا۔ اس نے عورتوں کے اجسام کی ساخت سے متعلق پڑھنا شروع کیا اور قبروں کے مردے اکھاڑنے اور مردہ عورتوں کے اجسام سے کھیلنے لگا۔ خصوصی توجہ وہ ان کو جنس مخالف بنانے والے اعضا پر دیتا۔

آ گستا اور اس کے بچوں نے پلین فیلڈ میں 1914ء میں 195 ایکڑ کا ایک فارم خریدا۔ آ گستا نے جب ایڈی پیدا ہوا اسی سال اجناس فروشی کا کاروبار شروع کیا۔ دونوں بھائیوں کو سکول میں دوست بنانے کی اجازت نہ تھی۔ ایڈی ماں کا زیادہ چہیتا اور فرمانبردار تھا۔ 1944ء میں ہنری جنگل کی آگ میں جل کر مر گیا جبکہ ان کا باپ جارج 1940ء میں پہلے ہی مر چکا تھا۔ اب ایڈی اکیلا ہی ماں کے ساتھ رہ گیا۔ چند سال بعد ایڈی کی ماں بھی مر گئی تو ایڈی تنہا رہ گیا کہ وہ اپنی بیمار، بیکار اور بیزار سرگرمیوں میں آزادانہ الجھے۔ اس کی تربیت اور ترجیحات میں اس کی ماں نے اسے جو سکھایا تھا وہ قدرے نہیں بلکہ بہت زیادہ الٹ ہو گیا۔ اس نے نازیوں جیسی بے راہروی اختیار کی اور تازہ قبریں مردوں سے خالی کرنے لگا۔

قبروں کو لوٹنے کا کام اس نے ماں کی موت کے فوراً بعد شروع کیا۔ جہاں بھی کسی کی موت ہو جاتی وہ وہاں فوراً پہنچ جاتا اور کفن دفن میں شامل ہوتا تاہم وہ یہ بھی یاد رکھتا کہ زیادہ دیر رکھی گئی اور گلی سڑی لاشیں اس کے کام کی نہ تھیں۔ وہ ایک تو قبر سے ہی مشکل سے نکلتیں اور دوسرے ان کی کھال اور جسم سے پیوست ان کے اعضا اس کے کسی کام کے نہ رہتے۔ وہ کئی سال تک یہ سلسلہ چلاتا رہا اور اس نے انسانی اعضاء کا ایک ہولناک عجائب گھر تیار کر لیا۔

1954ء کے موسم سرما میں پلین فیلڈ کی ایک بار کی مالکہ میری ہوگن گم ہو گئی۔ میری کو ایڈی کی پہلی مقتولہ خیال کیا جاتا ہے (اگرچہ اس سے پہلے بھی کئی گمشدگیاں ہوئی تھیں جن کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا اور بعض انہیں بھی ایڈی کے کھاتے میں ڈالتے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔) تین سال بعد ایڈی نے برنیس ورڈن کو گولی مار دی اور برنیس کے بیٹے کی ایک اطلاع پر ایڈی کو بطور قاتل کے گرفتار کر لیا گیا۔ یہی وہ موقع تھا جب ایڈی کے فارم پر واقع بھیانک اور خوفناک عجائب گھر کا علم دنیا کو ہوا اور برنیس ورڈن کی لاش بھی بدترین حالت میں ہرنوں کی تراش خراش کرنے والے شیڈ کے پیچھے سے ملی۔

ایڈی 1984ء میں سرطان کے مرض سے مر گیا اور اسے اس کی ماں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

☆

93

لی ہاروے اوسوالڈ

(1939ء تا1963ء)

> ''گھاس والے ٹیلے پر سایوں کا تعاقب کبھی اصل تاریخ کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ لی ہاروے اوسوالڈ کو اس کی مزی تڑی اور ناقابل سرایت غضب ناکی نے مجبور کردیا اور وہی 22 نومبر 1963ء کو ڈیلے پلازا میں واحد قاتل تھا۔ زبردست اور غالب شہادتوں کی روشنی میں کچھ اور کہنا خون میں ڈوبے ہوئے ہاتھ لیے ہوئے شخص کو بے گناہ ثابت کرنے اور اس صدر کا جس کو اس نے قتل کیا ہے ٹھٹھا اڑانے کے مترادف ہے۔''
>
> جیرالڈ پوزنر۔۔۔۔۔ معاملہ ختم

اب اکیسویں صدی میں بھی یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کہ آیا 22 نومبر 1963ء کو ڈلاس، ٹیکساس میں صدر کینیڈی کو ہلاک کرنے والا واحد گن بردار ہی تھا۔ جب مورخین قتل سے متعلق لکھتے ہیں تو ان کے نامکمل جملوں ''مفروضہ قاتل'' اور ''ظاہرا قتل کر دیا گیا'' جن سے مراد اوسوالڈ ہے، ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔ سازشوں کے مفروضوں کے ماہرین 1963ء ہی سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ اوسوالڈ صدر کینیڈی کو قتل کرنے کی پیچیدہ سازش کا ایک مہرہ تھا اور اس سازش سے تمام سیاسی انتہا پسندوں، منظم جرائم کرنے والوں، ملکی فتنہ پردازوں اور فیڈل کاسترو پر ہاتھ ڈالنا مقصود تھا۔

کیا کچھ اور لوگ اس قتل کی سازش میں ملوث تھے یا نہیں؟ لیکن یہ شہادت مسلمہ تھی کہ لی ہاروے اوسوالڈ نے اپنی رائفل سے صدر کینیڈی کے موٹروں کے قافلے پر تین فائر کیے جن میں سے دو صدر کینیڈی کو لگے اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کتاب کے مقاصد کے پیش نظر اوسوالڈ امریکہ کے صدر کا قاتل ہے اور بلاشبہ ایک مجسم ''برائی'' ہے۔ اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے تو وہ بھی ''برائی'' کے خلاف فیصلے میں شامل ہوتے کیونکہ وہ اوسوالڈ کے جرم کو گڈمڈ کرنے کے کام آتے۔ تاریخ ہمیشہ اوسوالڈ ہی کو صدر کینیڈی کا قاتل بتاتی رہے گی۔

لی ہاروے اسوالڈ 1939ء میں نیو اورلینز لوئی زی آنا میں پیدا ہوا لیکن وہ بچپن میں یہاں تک ابتدائی تعلیم کے دروان بھی فورٹ ورتھ ٹیکساس میں رہا۔ 1959ء میں جبکہ اس کی عمر سترہ سال تھی فورٹ ورتھ ہی سے تجارتی بحریہ میں شامل ہوا اور جاپان میں راڈار آپریٹر کے طور پر کام کرتا رہا۔ اگرچہ اس کی ترقی درجہ اول کے آپریٹر کے طور پر ہوئی لیکن 1959ء میں اس نے اپنی مجبوریاں ظاہر کر کے تجارتی بحریہ سے فراغت حاصل کر لی اور ایک ہی ماہ بعد وہ ماسکو میں تھا اور اس نے روسی شہری بننے کی درخواست دی۔

روسی حکومت نے اس کی روسی شہریت حاصل کرنے کی درخواست مسترد کر دی اور اسی وقت سے اس کی بربادی کی ابتدا ہوئی۔ اس نے ایک ناکام خودکشی کی کوشش کی۔ اس کے بعد اسے روس میں رہنے کی اجازت تو دے دی گئی لیکن اسے امریکی شہری ہی شمار کیا گیا۔ بحریہ نے اس کی اس ناتمام کوشش کا ماجرا سنا تو اس نے اسے تارک وطن شمار کرتے ہوئے اس کی فراغت کے پرچے میں باعزت سبکدوشی کی بجائے بے عزتی کی سبکدوشی لکھ دیا۔

اوسوالڈ چونکہ روسی زبان اچھی طرح بول سکتا تھا لہٰذا وہ ایک روسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ دونوں نے شادی کی اور ان کے دو بچے پیدا ہوئے۔ 1962ء میں آسوالڈ کا کنبہ واپس امریکہ آ گیا اور ڈلاس میں رہائش اختیار کی۔

جنوری 1963ء میں آسوالڈ نے ایک دستی بندوق جبکہ مارچ میں رائفل خریدی۔ یہ دونوں ہتھیار اس نے بذریعہ ڈاک جعلی نام لیک ہائڈل پر خریدے۔ پہلا 38 کیلبر سمتھ اینڈ ویسن کا ریوالور تھا۔ جس کے لیے اسے 29.95 ڈالر ادا کرنے پڑے۔ اسے اس نے لاس اینجلس کی بندرگاہ کے تاجر سے خریدا اور پھر اسے بحری ڈاک سے اپنے پوسٹ بکس نمبر پر بھیجا۔ اس ریوالور سے اس نے جے۔ ڈی۔ ٹپٹ نامی ایک افسر کو صدر کینیڈی کے قتل کے بعد قتل کیا۔

مارچ میں اوسوالڈ نے 21.45 ڈالر کا منی آرڈر کلینر سپورٹنگ گڈز واقع شکاگو کو بھیجا اور اس نے 6.5 ملی میٹر کی دور تک مار کرنے والی مان لچر کارکینو کا رائفل خریدا۔ ایک اطالوی فوجی رائفل جس کی قیمت 12.28 ڈالر تھی بھی خریدی۔ اس نے چار کی طاقت کی دوربین بھی 7.17 ڈالر میں خریدنے کا آرڈر بھی بھیجا۔ اس دوربین کا خاصہ تھا کہ ہدف کو اس قدر نمایاں اور درست بتاتی کہ غیر تربیت یافتہ نشانچی بھی ماہرین کی طرح نشانہ لگا سکتا تھا۔

اسی رائفل کو اوسوالڈ نے صدر کینیڈی کے قتل میں استعمال کرنا تھا۔

اوسوالڈ ڈیلے پلازا کی چھٹی منزل پر ٹیکساس کی امانت داری پر رکھی جانے والی کتابوں کے گتے کے ڈبوں سے بنائے گئے چھاپہ ماروں جیسے گھونسلے میں اطمینان سے فروکش تھا۔ صدر کینیڈی کا موٹروں کا قافلہ گھاس دار پہاڑی کے قریب سے ہاؤسٹن سٹریٹ سے ہیلم کو مڑا تو اوسوالڈ نے صدر کینیڈی پر تین فائر کیے۔ (گھاس دار پہاڑی وہ مقام ہے جہاں ابراہم زیپ روڈر نے کھڑے ہو کر گولیاں چلتے دکھانے کی گھریلو فلم فٹوں کے فاصلے سے تیار کی۔) صدر کینیڈی چھت دہری ہو جانے والی کار میں تھے (ایسی غیر محفوظ کار میں سوار ہونے کی اجازت بھی صدر کو آخری بار دی گئی تھی) صدر کی اہلیہ جیکی ٹیکساس کا گورنر کانلی اور مسز کانلی بھی صدر کے ہمراہ تھے۔

اوسوالڈ نے پہلا فائر 12.30 پر کیا، جو ''مس'' ہو گیا۔ تین سیکنڈ میں اس نے

ئفل کو دوبارہ بھرا اور فائر کیا۔ یہ دوسرا فائر صدر اور گورنر کو لگا۔ اگلے پانچ سیکنڈ میں اس نے تیسرا فائر کیا اور گولی صدر کینیڈی کی کھوپڑی کو اڑاتی چلی گئی۔ مسز کینیڈی نے لیموزین ڑی کے پچھلے حصے پر کھڑی ہو گئی تاکہ وہ صدر کی کھوپڑی کے اڑنے والے حصے کو تلاش کر سکے۔

تین منٹ کے اندر اندر آسوالڈ کتاب کو امانت داری پر رکھنے والے ادارے سے ھاگ کر ہیلم سٹریٹ پہنچا اور وہاں سے ایک بس اور ٹیکسی کے ذریعے گھر پہنچا کہ وہ سمتھ نڈ ویسن والا ریوالور حاصل کرے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو ڈلاس کا پولیس افسر سنڈی ٹپٹ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کوئی سازش تھی یا نہیں اور جیفرسن ڈی ٹپٹ اس سازش میں شریک تھا یا نہیں لیکن آسوالڈ نے ریوالور سے تین فائر کیے اور نوجوان پولیس افسر کو وہیں گلی میں ڈھیر کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد 1:35 پر دوپہر کے وقت آسوالڈ ٹیکساس تھیٹر میں چند پولیس افسروں کے مقابل تھا (جو شدومد سے اپنے ساتھی کے قاتل کو تلاش کر رہے تھے) اسے پولیس نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس دوپہر، شام اور رات بھر بغیر کسی وکیل کی موجودگی کے آسوالڈ سے پوچھ گچھ کی گئی اور پولیس نے اعلان کر دیا کہ اس نے صدر کا قاتل گرفتار کر لیا ہے۔

اگلی صبح جبکہ آسوالڈ کو ایک اور جگہ لے جایا جا رہا تھا اور اس کے ہاتھوں پر سراغ رسانوں نے ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں جیک روبی نے آسوالڈ کو معدے میں ایک گولی مار دی۔ آسوالڈ سرکاری طور پر صدر امریکہ کا قاتل ثابت کیے جانے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

* * *

94

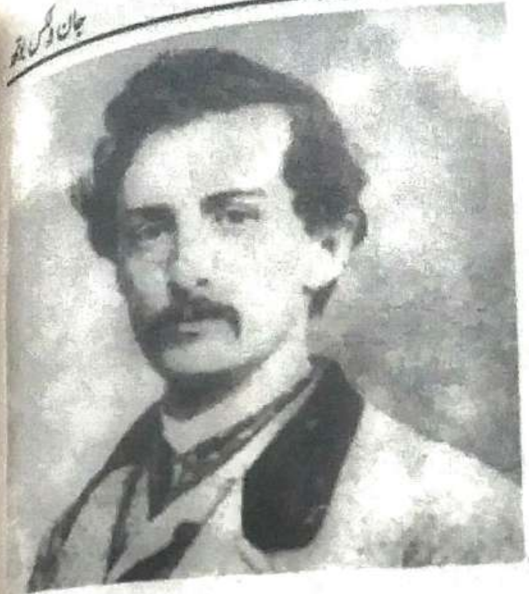

جان وِلکس بوتھ

(1838ء تا1865ء)

"یہ ملک سفید فام لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا نہ کہ سیاہ فاموں کے لیے۔ اور نہ ہی یہ ملک اس لیے بنایا گیا تھا کہ غلامی کو ہماری مقتدرہ کے کسان شرفاء کی نظر سے دیکھا جائے۔ یہ ایک نعمت ہے۔ اس لیے میں ہمیشہ اسے خدا کی مہربانی تصور کرتا رہا ہوں (ان کے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی) کہ اس نعمت کو اس نے اپنی پسندیدہ قوم کو عطا کیا۔"

جان ولکس بوتھ نے ایک خط اپنی بہن آسیہ کو لکھا

گنبد کے نیچے پتھریلے فرش پر سر سبز پھول چادر کی طرح بچھے ہیں
کفن جو سیاہ اخروٹ کی لکڑی سے بنا ہے اور اپنی مخصوص جگہ پر رکھا ہے'
اس پر انہوں نے باریکی اور احتیاط سے پھول سجائے ہیں۔

یہ تازہ پھولوں کی چپتاں علامتیں ہیں
کہ انہوں نے یہ تازہ پھولوں کے ڈھیر جو ان کے دلوں کو اور اس کو بتا
رہے ہیں کہ ہم (پھول) اس کے لیے اب بھی ناکافی ہیں۔
رات بے حد خاموشی سے اتری
ہر سمت سکون تھا
گھاس کے وسیع میدانوں کے سال' جنگ کے سال' ختم ہو چکے تھے
کارل سینڈبرگ ـــــ ابراہم لنکن

ایک اخباری ضمیمہ' سفید اور سیاہ چھپائی میں 1865ء میں فلاڈلفیا میں چھپا گیا جس میں فورڈ تھیٹر میں لنکن کی نشست گاہ کے قریب قاتلانہ حملے سے پہلے جان وِلکس بوتھ کڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول ہے اور انسان اور حیوان کی ملی جلی شکل میں سینگوں والی بیہ ہے جو بذات خود شیطان ہے اور وہ جان ولکس بوتھ کو صدر ابراہم لنکن کی طرف انگلی ے اشارہ کر کے یہ سمجھا رہا ہے کہ اس کا ہدف وہ سامنے بیٹھا ہے۔ اس وقت عام طور پر ی سمجھا جاتا تھا کہ جو بھی ایسا گھناؤنا فعل سرانجام دیتا ہے وہ شیطان کی خدمت کر رہا ہوتا ہے۔

اپنے قتل کے وقت لنکن نے اپنے میز پر ایک لفافہ رکھا ہوا تھا جس میں موت کی دھمکی پر مبنی اسی (80) خطوط تھے۔ ان میں سے کوئی خط بھی جان ولکس بوتھ کی طرف ے نہ تھا۔ اس لفافے سے متعلق لنکن کے اپنے سیکریٹری آف سٹیٹ ولیم ہنری سیوارڈ ے کہا: "میں جانتا ہوں کہ میں خطرے میں ہوں' لیکن میں اس قسم کی دھمکیوں سے پریشان ہونے والا نہیں ہوں۔"

اپریل 1865ء میں لنکن نے ایک خواب دیکھا کہ وہ نیند سے بیدار ہوا ہے اور چلتا ہوا وائٹ ہاؤس کے ایک مشرقی کمرے میں پہنچا ہے جہاں اس کی اپنی لاش رکھی ہوئی ہے۔ خواب ہی میں وہ اپنے ایک محافظ سے پوچھتا ہے کہ اسے کیا ہوا ہے تو اسے بتایا گیا کہ ایک قاتل نے صدر کو گولی مار دی ہے۔ اس مرحلے پر ایک غم ناک چیخ لوگوں کے منہ ے نکلی اور اس سے صدر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ جو کچھ اس [illegible] کھا تھا اس سے دہل سا

گیا۔ یہ خواب صرف دو ہفتے کی مختصر سی مدت میں سچ ثابت ہوا۔

جان ولکس بوتھ ایک نسل پرست قاتل تھا۔ اس نے امریکہ کے صدر ابراہم لنکن کو قتل کیا جس سے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امریکہ کا ایک ایسا راہنما تھا جس کے پائے کا کوئی راہنما اگر کوئی ہوا ہے تو وہ جارج واشنگٹن تھا اور کوئی نہیں۔ بوتھ نے صدر ابراہم لنکن کو اس لیے قتل کیا کہ وہ انسانی غلامی کے خلاف تھا جبکہ ابراہم لنکن اس لعنت کو امریکہ سے ختم کر رہا تھا۔ قاتل کا خیال تھا کہ صدر امریکہ "سفید فام" لوگوں سے دھوکہ کر رہا ہے۔

بوتھ کا اصل منصوبہ تو یہ تھا کہ وہ صدر لنکن کو اغوا کرے گا اور پھر اس کی رہائی کے عوض 1860ء میں ریاست ہائے متحدہ سے الگ ہونے والی ریاستوں کے سیاسی راہنماؤں کو رہا کرائے گا۔ تاہم اس کے اس منصوبے کی ضروریات زندگی فراہم کرنے والی تنظیم نے مخالفت کی۔ اس منصوبے کی بجائے بوتھ نے صدر کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔

14 اپریل 1865ء کو "گڈ فرائی ڈے" کا دن تھا۔ جان ولکس بوتھ صبح ہی صبح فورڈ تھیٹر میں داخل ہوگیا اور اس نے صدر کی نشست گاہ کے ایک دروازے کے فریم میں ایک چوکور سوراخ بنالیا۔ جب تھیٹر کے مالک نے یہ سنا کہ صدر امریکہ تھیٹر میں شام کو ہونے والا پروگرام دیکھنے آ رہے ہیں تو اس نے دو باکسز پر مشتمل ایک نشست گاہ صدر اور ان کے ساتھیوں کے لیے مخصوص کر دی۔ بوتھ نے جو چوکور سوراخ بنایا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود اندر داخل ہونے کے بعد اس سوراخ میں ایک روک پھنسا دے گا تاکہ کوئی اور شخص اندر داخل نہ ہو سکے۔ اس نے اپنے کام کو سرانجام دے کر بھاگنے کا راستہ بھی سوچ رکھا تھا۔

صدر اور ان کے ہمراہی رات تقریباً آٹھ بج کر پچیس منٹ پر تشریف لائے۔

صدر کا محافظ جان پارکر صبح ہی صبح تھیٹر میں آ گیا تھا اور صدر کے باکس کے باہر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ پارکر کو پہلے ہی سے اندازہ ہوا کہ وہ جہاں ہے وہاں سے پروگرام نہیں دیکھ سکے گا لہٰذا اس نے اپنا ٹھکانہ ایسی جگہ کر لیا جہاں سے وہ واضح طور پر کھیل دیکھ سکتا تھا۔ پارکر اس وقت بھی اپنی پہلے کی مقررہ جگہ پر نہیں تھا جب صدر تشریف لائے اور نہ ہی وہ اس وقت وہاں تھا جب جان ولکس بوتھ باکس میں داخل ہوا اور اس نے اپنے پیچھے کے

دروازے کو تالا لگا دیا۔ اس وقت تقریباً دس بجکر 13 منٹ ہوئے تھے۔

باکس میں داخل ہونے کے بعد بوتھ نے دیکھا کہ صدر لنکن ایک جھولنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جو تھیٹر کا ایک خاص اہلکار صدر امریکہ کے لیے گھر سے لایا تھا۔ وہ بڑھتا ہوا صدر تک پہنچا اور اس کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ اس نے اپنا 44 کیلیبر کا پستول نکالا اور اس کی نالی صدر کے بائیں کان کے اوپر رکھ کر فائر کردیا۔ گولی سر میں دھنس کر دائیں آنکھ کے پیچھے آ کر رک گئی۔ لنکن فوری طور پر بے ہوش ہو کر آگے کی سمت کو گرا۔ عجلت میں بوتھ نے ایک خنجر نکالا اور اس سے میجر ریتھ بون کو ضربیں لگانے لگا جو صدر اور مسٹر لنکن کی پارٹی کا ایک رکن تھا۔ بوتھ نے اسے بائیں بازو کے اوپر زخم لگائے پھر وہ یہ کہتا ہوا "ظالم سے یہی کچھ ہوگا۔" باکس سے باہر کود گیا۔ یہی وہ الفاظ تھے جو بروٹس نے جولیس سیزر قیصر روم کو قتل کرتے ہوئے کہے تھے۔

قاتل بوتھ کا پاؤں جہاں کودنے کے عمل سے پڑا تھا وہاں آرائشی پردے کی لکڑیوں میں اس طرح پھنسا کہ اس کا بایاں گھٹنا جوڑ سے ٹوٹ گیا۔ پھر بھی وہ تھیٹر سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہوگیا۔

صدر لنکن 15 اپریل 1865ء ہفتے کے دن سات بجکر 22 منٹ صبح تک بے ہوش رہا اور پھر امریکہ کے سولہویں صدر نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ڈاکٹر سموئیل مڈ جسے بعد میں بوتھ کا ساتھی اور سازشی کہا گیا جبکہ اس نے اس بات سے اور بوتھ کی شناخت سے بھی انکار کردیا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے اور اس نے کیا کہا ہے۔ اس نے بوتھ کا علاج بھی کیا۔ (مڈ کے لواحقین بعد میں بھی یہ کوششیں کرتے رہے کہ ڈاکٹر کا نام سازشیوں کے ساتھ نہ لیا جائے۔)

آخر کار بوتھ کو ایک اناج کی کوٹھڑی میں گھیر لیا گیا۔ اسے کوٹھڑی سے باہر نکالنے کے لیے حکام نے کوٹھڑی کو آگ لگا دی۔ اسے کوٹھڑی سے نکالنے کے لیے گولی ماری گئی۔ جس کے تھوڑی دیر بعد وہ مرگیا۔

* * *

95

لیون۔ ایف زولگوز

(1873ء تا1901ء)

"میں نے صدر کو اس لیے مارا کہ وہ اچھے لوگوں کا دشمن تھا۔ میں نے اسے اچھے لوگوں کی مدد کے لیے مارا۔ تمام دنیا کے محنت کشوں کے لیے مارا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔"

صدر کے قاتل لیون ایف زولگوز کے آخری الفاظ جو
اس نے بجلی کے جھٹکے دیئے جانے سے پہلے کہے۔

"اسے ایک اور جھٹکا دو۔"

موت کے لیے بجلی کے جھٹکے دینے والے کو ایک افسر کی
ہدایت

جب لیون ایف زولگوز نے ریوالور کا ٹریگر دبایا اور انتہائی قریب سے صدر ولیم میکنلی پر دو فائر کیے تو وہ ان بزدل بدکرداروں میں شامل ہوگیا جنہوں نے امریکہ کے صدور کو قتل کیا (یا ان کو قتل کرنے کی کوشش کی۔)

صدور کے قاتلان ہمیشہ ناکامی سے دو چار ہوئے۔ یہ پکی بات ہے۔ انہوں نے بے شک ایک جان لے لی ہو لیکن ان میں سے کسی نے بھی اپنے غلط اور فضول مقاصد جو ان کے ذہنوں میں بہیمانہ واردات کو سرانجام دیتے وقت تھے، کبھی حاصل نہیں کیے۔

زولگوز ایک شرپسند تھا۔ شرپسند اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر قسم کی حکومتیں دباؤ ڈالنے والی، ناپسندیدہ ہوتی ہیں اور انہیں کسی بھی جائز یا ناجائز طریقے سے ختم کر دینا چاہیے۔ اس کا یقین تھا کہ وہ اگر لیڈر کو قتل کر دے گا تو اس طرح وہ امریکن جمہوریہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

6 ستمبر 1901ء کا دن تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے صدر سے ہاتھ ملانے والوں کی قطار لبی ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ صدر پین امریکن کے میلے پر بفلو، نیویارک میں "ٹیمپل آف میوزک" میں تھا اور وہ وہاں ایک خوش کن صدارتی فریضہ ادا کر رہا تھا۔ سربراہ حکومت امریکہ ہونے کے باوجود وہ امریکن لوگوں سے ہاتھ ملا کر ان کی خوشنودی حاصل کر رہا تھا، گویا خوشیاں بانٹ رہا تھا۔

صدر میکنلی جب عام لوگوں سے ملتا تو بہت عمدہ لگتا۔ وہ اس قدر تپاک اور خوش دلی سے لوگوں سے ملتا کہ وہ یہ سمجھنے لگتے کہ صدر انہی کا ہے اور وہ صدر کے ہیں حالانکہ وہ ہر ایک سے صرف ایک سیکنڈ یا ڈیڑھ سیکنڈ کے لیے ملتا تھا۔ میکنلی کی لوگوں سے ہاتھ ملانے کی رفتار ایک منٹ میں 45 افراد کی تھی۔

عام طور پر میکنلی کے عوامی طور پر ہاتھ ملانے کی تقریبات میں اس کے محافظ اس کے پیچھے بائیں طرف کھڑے ہوتے۔ اس طریقے سے محافظین ہر اس شخص کو دیکھ سکتے تھے جو صدر تک پہنچنے والا ہوتا۔ اس دن خاص طور پر محافظین کو صدر کے سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا تا کہ صدر پین امریکن جون میلبرن صدر امریکہ میکنلی کے ساتھ بائیں سمت کھڑا ہو سکے۔

چار بجے کے قریب زولگوز صدر میکنلی سے ہاتھ ملانے کے لیے اپنی باری کا منتظر تھا۔ جب اس سے اگلے آدمی نے صدر میکنلی کا ہاتھ چھوڑا تو زولگوز صدر میکنلی کے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کے گرد رومال اس طرح لپیٹ رکھا تھا جیسے اس نے پٹی باندھ رکھی ہو۔ اس رومال کے نیچے 32 کیلیبر آئیور جونسن ریوالور تھا۔ صدر میکنلی نے زولگوز کا پٹی والا دایاں ہاتھ دیکھ کر اس کے آگے بڑھائے ہوئے بائیں ہاتھ کی طرف متوجہ ہوا اور اپنا ہاتھ ادھر بڑھایا۔ یہی وہ وقت تھا جب زولگوز قاتل نے پستول داغ دیا۔

زولگوز نے صدر میکنلی پر دو فائر کیے۔ پہلے فائر نے صدر کی چھاتی کو نشانہ بنایا لیکن ایک بٹن نے صدر کا دفاع کیا۔ دوسری گولی نے اس کے پیٹ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ آدھ انچ ریڑھ کی ہڈی سے دور رہی جبکہ بائیں چھاتی کے نپل سے پانچ انچ نیچے رہی۔ گولی اس کے معدے کو آگے پیچھے سے چیرتی ہوئی گزری۔ بائیں گردے کا اوپر کا حصہ بھی اڑ گیا اور گولی اس کے لبلبے میں پھنس کر رہ گئی۔ میکنلی کے حواس قائم رہے لیکن وہ کھڑا نہیں رہ سکا، گر گیا۔ جب صدر کو احساس ہوا کہ اسے گولیاں ماری گئی ہیں تو اس نے زولگوز کو نفرت اور حقارت بھری نظروں سے دیکھا تاہم اس نے اپنے محافظین اور خفیہ والوں کو ہدایت کی کہ وہ اس کے قاتل کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

پین امریکن کے ہسپتال میں صدر کو فوری طور پر پہنچایا گیا اور اس کے دو آپریشن ہوئے۔ پہلے آپریشن میں صدر کے معدہ کے سوراخ کو سیا گیا تاہم وہ صدر کے لبلبے میں پھنسی گولی کو تلاش نہ کر سکے۔ دوسرا آپریشن چار دن کے بعد ہوا جس سے پیٹ میں رہ جانے والا ایک کپڑا نکالا گیا۔

گولیاں لگنے کے پانچویں دن صدر کو بھوک محسوس ہوئی لیکن اس سے اگلے دن بڑی آنت میں آپریشن کے دوران میں جراثیم سے پاک ماحول نہ ملنے کی وجہ سے گینگرین پھوٹ پڑی جس سے اس کی مجموعی صورت حال بگڑتی چلی گئی۔ اگلی صبح 2 بج کر پندرہ منٹ پر صدر آنجہانی ہو گیا۔

جہاں تک زولگوز کا تعلق ہے اسے فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا اور اسے پولیس اور خفیہ والوں نے اس قدر پیٹا کہ موت کے قریب تک پہنچ گیا۔ تاہم وہ اپنے مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے زندہ رہا۔ 23 ستمبر 1901ء کو صدر امریکہ کا قاتل ہونے کا فیصلہ سنایا گیا۔ بجلی کے جھٹکوں سے اسے سزائے موت دینے کا حکم ہوا۔

زولگوز نے اپنے اس بدترین فعل پر ندامت محسوس نہیں کی بلکہ وہ اصرار کرتا رہا کہ اس نے جو کچھ کیا ہے اسے اچھا کام سمجھ کر کیا ہے۔

تحقیقات کے دوران پتہ چلا کہ زولگوز روسی نژاد انتشار پرست ایما گولڈ مین کے خیالات و نظریات کا حامی تھا۔ اس انکشاف پر ایما گولڈ مین کو بھی پوچھ گچھ کے لیے پولیس نے اپنی تحویل میں لیا۔ وہ ابھی پولیس کی تحویل ہی میں تھی کہ صدر میکنلی کی موت کی خبر آ گئی۔ اس نے صدر کی موت پر رتی بھر ملال یا تاسف کا اظہار نہیں کیا بلکہ جس پولیس کی وہ تحویل میں تھی اسے یہ احساس دلایا کہ اسے صدر کے مرنے یا جینے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان غیر جذباتی اور ٹھنڈے مزاج کے افسران کو شاباش کہ انہوں نے گولڈ مین سے کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جیسا وہ زولگوز سے کر چکے تھے۔ سوائے نظریات کی یکسانی کے کوئی اور تعلق زولگوز اور گولڈ مین میں ثابت نہیں ہو سکا۔ یہ پتہ چلا کہ زولگوز نے گولڈ مین کی ایک تقریر سنی تھی اور اس سے شکاگو میں رابطہ بھی کیا تھا لیکن ایما گولڈ مین نے اسے دوٹوک جوابات دیئے تھے۔ گولڈ مین کو بالآخر رہا کر دیا گیا اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہ ہوا۔

میکنلی کی موت کے دو سال بعد امریکن کانگریس نے انتشار پسندوں کو امریکہ کی سرزمین سے نکالنے کا قانون بنایا۔ 1919ء میں گولڈ مین کو واپس روس بھیج دیا گیا۔

29 اکتوبر 1901ء کو زولگوز کو الیکٹروکیوٹ کر دیا گیا۔ اس اندیشے کے پیش نظر کہ اس کی لاش چرا نہ لی جائے اور اس کے اعضاء قطع برید نہ کیے جائیں اس کے کفن پر گندھک کا تیزاب چھڑک دیا گیا۔

* * *

96

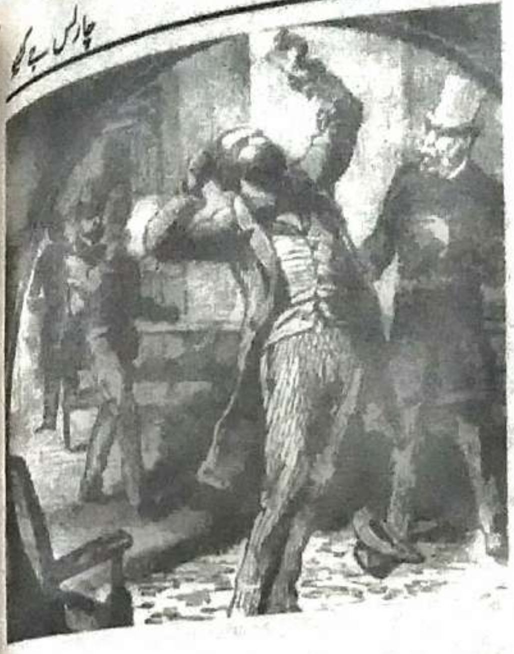

چارلس جے گٹیو

(1841ء تا 1882ء)

"16 جون 1981ء واشنگٹن

امریکن لوگوں کے نام

چار ہفتے گزرے میرے ذہن میں صدر کو ہٹانے کا خیال آیا۔ کوئی بھی ذی روح میرے مقصد کو نہیں جانتا تھا۔ خیال میرے ہی ذہن سے اٹھا اور میں نے اسے اپنے ہی تک محدود رکھا۔ میں انتظامیہ کے حق میں اور مخالفت میں اخبارات بڑی احتیاط سے پڑھتا رہا اور آہستہ آہستہ میری سوچ میرا احاطہ کرتی چلی گئی کہ صدر کو ہٹانا ایک سیاسی ضرورت ہے کیونکہ جن لوگوں نے اسے (صدر) بنایا انہیں سے اس نے غداری کی اور جمہوریہ کی زندگی کو مخدوش بنا دیا۔۔۔ یہ قتل نہیں ہے' سیاسی ضرورت ہے۔

چارلس جے۔ گیٹیو

تقریباً تمام مورخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ چارلس جے۔ گیٹیو پاگل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مورخین سچ ہی کہتے ہوں لیکن اس میں قطعی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ایک بدترین حد تک ناپسندیدہ آدمی تھا۔ برابڈنگ نیگین (گلیور بونوں کے دیس کے سفر کے بعد ایسے قد کے مردم آزار لوگوں کے دیس میں گیا تھا جہاں وہ خود بونا تھا۔ اس فرضی دیس کا نام برابڈنگ نیگین تھا۔) والے قصے کی طرح خدا واسطے کا مردم آزار تھا۔ وہ ایک پرلے درجے کا جھوٹا' دھوکے باز' غبن کرنے والا' لچا اور بیوی کرائے پر اٹھانے والا اور ذلیل ترین خود پرست بھی تھا۔

ان متذکرہ "خوبیوں" کے باوجود وہ اس کتاب کے لیے منتخب افراد کی فہرست میں شمولیت کا اہل نہ تھا لیکن وہ ایک صدر کا قاتل تھا۔ اس نے صدر جیمز اے گارفیلڈ کو سیاسی فائدے کے لیے قتل کیا۔ گیٹیو کی نرگسیت (خود پرستی) کا یہ عالم تھا کہ جب اسے صدر کے قتل کے الزام میں جیل میں رکھا گیا تو اس نے وہاں سے جنرل شیرمان کو خط لکھا کہ وہ اپنے فوجی دستوں کو حکم دے کہ وہ اس جیل کو جس میں وہ بند ہے اپنے حصار میں لے لیں۔

جنرل شیرمان کے نام

میں نے حال ہی میں صدر کو قتل کیا ہے۔ میں نے اس کو ہر ممکن عجلت سے دوسری دنیا میں بھیجنے کی خاطر اسے جتنی چاہئیں تھیں اتنی گولیاں ماریں۔ اس کی موت ایک سیاسی ضرورت تھی۔ میں ایک قانون دان' عالم دین اور سیاستدان ہوں۔ میں پرعزم لوگوں میں سے پرعزم فرد ہوں۔ میں جنرل گرانٹ کے ساتھ تھا اور میں نیویارک میں ووٹ طلب کرنے کی مہم میں اپنے ہم خیال دوسرے رفقاء کے ساتھ تھا۔ میں جیل بھیجا جا رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اپنے دستوں کو حکم دیں کہ وہ فوری طور پر جیل کو اپنے قبضے میں لے لیں۔۔۔ نہایت احترام کے ساتھ۔۔۔ چارلس گیٹیو

اس خط کے حصول کے بعد جنرل شیرمان نے لکھا: "میں لکھنے والے کو نہیں جانتا۔۔۔ کبھی اس سے متعلق سنا' یا اسے دیکھا نہیں۔ میرے علم میں نہیں۔۔۔

2 جولائی 1881ء کو چارلس جے گیٹیو نے صدر گارفیلڈ کو ایک ٹرین ڈپو پر نشانہ بنایا۔ اس نے دو فائر کیے۔ پہلا فائر تو صدر کے بازو کو چھوتا ہوا گزر گیا جبکہ دوسرے فائر کی گولی صدر کی پیٹ سے گزر کر اس کے لبلبلے تک پہنچی۔ بادی النظر میں یہ فائر بھی مہلک نہیں تھا اور یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اسی سے صدر کی موت واقع ہو جائے گی۔

1881ء میں ڈاکٹر لوگ ابھی یہ یقین نہیں رکھتے تھے کہ آپریشن کے دوران بھی تمام اوزاروں اور فضا کو جراثیم کی آلودگی سے پاک ہونا چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ زخموں کی جانچ پڑتال اور دیگر طبی تقاضے بھی جراثیم کی زد میں نہیں آنے چاہئیں۔ اس خیال کو بھی پذیرائی حاصل نہ تھی کہ ہوا ایسے جراثیم سے لدی اور اٹی پڑی ہے جو ہر آن کھلے زخموں پر حملے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ طبی ساز و سامان کو بھی جراثیم سے پاک نہیں کیا جاتا تھا اور ڈاکٹر لوگ بھی اپنے ہاتھوں کو آج کے ڈاکٹروں کی طرح جراثیم کش صابن سے نہیں دھوتے تھے۔

بدقسمتی سے صدر گارفیلڈ کا چیف سرجن ڈاکٹر ڈی۔ ڈبلیو۔ بلس اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھا تھا جس کے نزدیک طبی طریق کار میں صحت و صفائی اور جراثیم کشی میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ صدر گارلینڈ کے معالج تو کئی دن صدر کے جسم میں وہ گولی ہی تلاش کرتے رہے جو اندر گھسی تو نظر آتی لیکن باہر نکلتی نظر نہیں آتی تھی۔ اس عمل میں وہ اپنے نا صاف ہاتھ اور جراثیم آلودہ طبی اوزار ہی استعمال کرتے رہے۔ نتیجے کے طور پر صدر گارلینڈ کے خون میں زہریلے اجزا شامل ہو گئے اور وہ 19 ستمبر کو نیو جرسی میں اپنے گھر سے اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔ اس کے آخری ایام سخت تکلیف میں گزرے۔ ڈاکٹروں سے اس کے آخری الفاظ بھی یہ تھے: ”کیا تم اس درد کو نہیں روک سکتے؟“

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس کی موت کا سبب گیٹیو کی گولی تھی لیکن صدر گارفیلڈ کی موت کو ”علاج گاہ کی موت“ کہنا بھی کسی طرح بے جا نہ ہوگا۔ صدر کے معالجین اسے گوشت' انڈے اور برانڈی ہر روز مہیا کرتے رہے لیکن اسے اکثر تے بھی ہوتی رہی اور چھ ہفتوں کے اندر اندر اس کا وزن اسی پونڈ کم ہوگیا۔ اس کے ڈاکٹر انڈوں' سوپ' پتلی کھچڑی' دودھ' وسکی اور افیون کی وجہ سے اس کا انیما بھی کرتے رہے۔ جلد ہی اس کے زخموں سے پیپ رسنے لگی اور اس کا چہرہ سوجنے لگا۔ صدر کو اپنے ڈاکٹروں سے چہرے پر لگائے گئے کٹ بھی برداشت کرنے پڑے کہ اس کی سوجن کم ہو۔

صدر کی موت کے بعد ایک ہومیو پیتھک جریدے نے لکھا کہ طب جدید میں صدر کی صحت کا معاملہ بدترین بد انتظامی اور غلط علاج کا معاملہ ہے۔

یہ سارا معاملہ جو پیدا ہوا اور یہ جو موت آئی—— اس کا ذمہ دار چارلس جے گیٹیو ہے جس نے خصوصی طور پر ایک قیمتی نیا اور خوبصورت 44 کیلیبر بلڈاگ پستول صدر کے قتل کے لیے خریدا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے پستول کو ”عجائب گھر“ میں جانا ہے اور وہاں اسے اچھا نظر آنا چاہیے۔

☆

97

سوسن سمتھ

(1971ء تا)

"وہ گیند کو آگے لے جانے کا فن سیکھنے نہیں گئے' انہیں بائیسکل پر سوار ہونا سیکھنا نہیں پڑا' انہوں نے اپنا پہلا دن سکول میں نہیں گزارا—— سوسن جانتی تھی کہ وہ ان بچوں کو جان سے مار رہی ہے—— وہ جانتی تھی کہ وہ ان کو پانی میں ڈبو رہی ہے—— اس کا انجام کیا ہونے والا ہے—— اور آپ کس طرح اس کو معافی دے سکتے ہیں جو ایسی "برائی" ہے——

سوسن سمتھ کا سابقہ شوہر ڈیوڈ سمتھ—— مائیکل اور الیکس سمتھ کا باپ

"کوئی میرے بچوں کو دکھ نہیں دے سکے گا—— وہ میری زندگی تھے۔"

پولیس کے روبرو سوسن سمتھ کا بیان—— غیر ارادی طور پر ماضی کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اعتراف جرم کر گئی

پولیس کی طرف سے سوسن سمتھ کے معاملے کی تشکیل نو ایک ناقابل برداشت خوف اور حقیقت تھی۔ سمتھ کی برگنڈی مزدا میں ہوا کا گزر اس قدر ناممکن تھا کہ اس کے اندرون میں ڈوبنے سے پانی بھرتے ہوئے پورے چھ منٹ صرف ہوئے—— ذرا یہ تصور کرنے کی کوشش کیجئے کہ سمتھ کے لڑکوں مائیکل عمر تین سال اور الیکس عمر چودہ ماہ جو کار میں اپنی عقبی نشستوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے کے ساتھ کیا ہوا ہوگا؟ جب گھور اندھیرے میں الٹی لٹکتی ہوئی کار میں جھیل کا یخ پانی ان تک پہنچا ہوگا۔

ڈاکٹر رائے بیومسٹر اپنی کتاب "انسانی تشدد اور ظلم میں برائی" مطبوعہ 1999ء میں بتاتا ہے کہ برائی کے دو بڑے اجزاء نقصان دہی اور افراتفری کے بند کھول دیتا ہے۔ اس کسوٹی کو استعمال کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو بچوں کی قاتلہ سوسن سمتھ دو جرائم کی مرتکب ہوئی۔ پہلی برائی اس نے یہ کی کہ اس نے اپنے دو بیٹوں کو جان سے مارا اور اس برائی کے وزن میں مزید اضافہ یہ جھوٹ بول کر کیا کہ سیاہ فاموں نے اس کی کار چھین لی ہے اور اس کے کنبے پر ظلم کیا ہے۔ اس جھوٹ میں تیسرا جرم یہ تھا کہ اس نے مقامی آبادی یعنی جنوبی کیرولینا کے سیاہ فام باشندوں کے خلاف الزام تراشی کر کے ایک زبردست ہلچل پیدا کر دی۔ اس کے اعتراف جرم تک قومی سطح پر ہر سمت خوف و ہراس پھیلا رہا۔

25 اکتوبر 1994ء کو شام نو بجے کے قریب سوسن سمتھ خوفزدہ اور گھبرائی ہوئی' روتی' چیختی' چلاتی اور پریشانی کے عالم میں شرلے میکلوڈ کے گھر داخل ہوئی اور بتایا کہ ایک سیاہ فام آدمی اس کی مزدا کار چھین کر بھاگ گیا ہے جس میں اس کے دو معصوم بچے پچھلی نشست پر پیٹیوں سے بندھے پڑے تھے۔

سناٹے میں ڈالنے والی' دھوکے پر مبنی اس اداکاری کے نو دن بعد ذرائع ابلاغ' قانون دانوں اور قانون نافذ کرنے والے افسران اور کنبے کے افراد کے سامنے سوسن سمتھ نے اعتراف کیا کہ اس نے خود ہی اپنی کار کو الٹا دھکیل کر جوہن ڈی لانگ نامی جھیل میں ڈبویا تھا اور اس کے بچے پچھلی نشست پر بندھے ہوئے تھے۔

بعد میں اسی ڈبوئی جانے والی کار ہی سے ایک خط برآمد ہوا جو سوسن کے ایک سابقہ بوائے فرینڈ کا تھا۔ اس پر "پیاری جل" (سوسن) کو لکھا گیا تھا کہ وہ سوسن سے اپنے تعلقات ختم کر رہا ہے کیونکہ اب وہ دو بچوں کی موجودگی میں یہ مناسب نہیں معلوم

ہوتا کہ وہ اس سے اپنے تعلقات استوار رکھے کہ وہ کسی آنے والے وقت میں باہم رش ازدواج میں منسلک ہوسکیں۔ اب لوگ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ سوسن نے اپنی گر سوچ کی بنیاد پر "محبت کی زندگی" کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے معصوم بچوں کی زندگیاں سے کھیلی۔ گویا اس نے اپنے محبوب کو یقین دلایا کہ اس کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربا دے سکتی ہے اور اسے بچوں کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہ کہ وہ اپنے تعلقات کو اب بھی قائم رکھ سکتے ہیں۔

یہ تسلیم شدہ بات تھی کہ سوسن سمتھ ایک مشکل زندگی گزار رہی تھی۔ یہی مشکلات کسی حد تک اس کا دفاع بھی ثابت ہوئیں۔ اس نے کئی مرتبہ خودکشی کی کوشش کی' اس کے سوتیلے باپ نے عصمت دری کی نیت سے اس پر دست درازی کی' وہ اپنے حقیقی باپ کی خودکشی کی وجہ سے ماں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھی۔ ڈیوڈ سمتھ کے ساتھ شادی میں بھی اسے دشواریاں پیش آئیں۔ شادی کے بعد کے دکھوں کے اس دور میں بھی اسے کھلے جنسی تعلقات کی ضرورت تھی اور اسے محبت اور ہمدردی کی سخت طلب تھی اور وہ اس کی متلاشی تھی جب اسے ملا ہوا سہارا ہی چھوڑ رہا تھا تو وہ گہرے رنج وغم اور ذہنی طور پر صدمے کا شکار ہوگئی۔ اسی کے مقدمے کے دوران ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا کہ اگر وہ ذہنی طور پر مستحکم ہوتی تو بچوں کے قتل کبھی نہ ہوتے۔

تاہم اب تو قتل ہو ہی چکے تھے اور جرم قاتلہ کا اقبالی تھا پھر بھی عدالت نے مجرمہ کو موت کی سزا نہیں دی۔ اسے تیس سال کی قید کی سزا سنائی گئی اور وہ' اگر زندہ رہی تو 2025ء میں پیرول پر رہا ہو سکے گی۔ اس وقت اس کی عمر 53 سال ہو چکی ہوگی۔ ڈیوڈ سمتھ جو بچوں کا باپ تھا نے کہا کہ وہ سوسن کا جرم کبھی معاف نہیں کرے گا اور جو لوگ اس کو پیرول پر رہا کرانے میں کوشاں ہوں گے وہ ان سے ملے گا اور ہر وہ اقدام کرے گا کہ سوسن کا اختتام جیل میں قید ہی سے ہو۔

سوسن کے علاوہ بھی ایسی مائیں ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو جان سے مارا:

1- اینڈریا ییٹس

انڈریا نے 2001ء میں اپنے پانچ بچوں کو نہانے کے ٹب میں ڈبویا اور پھر

پولیس اور اپنے شوہر کے سامنے اعتراف جرم کرلیا۔ اس کے وکیل صفائی نے پوسٹ مارٹم رپورٹ پر اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ ملزمہ شدید دماغی بحران کا شکار ہے۔ اس صورت حال کے بعد استغاثہ ملزمہ کو سزائے موت دلوانے کے اور نکات پر غور کر رہا ہے۔

2- میلیسا ڈریکسلر

ڈریکسلر بچوں کو تفریحی سیر کرانے والی عورت تھی۔ اس نے سمندر کے کنارے ایک پٹڑی پر بچے کو جنم دیا اور اسے کوڑا کرکٹ میں پھینک دیا جہاں وہ مرگیا۔

3- شان ہیرڈ

یہ جزوی طور پر معذور عورت ہے اس کی ذہانت کا آئی۔ کیو۔ لیول 68 ہے جبکہ عمر بیس سال ہے۔ اس نے 1997ء میں اپنے 19 دن کے بچے کا گلا گھونٹا اور اس قدر مارا کہ وہ مرگیا۔

4- ایمی گراس برگ

اس نے 1996ء میں ایک ہوٹل میں ایک بچے کو جنم دیا۔ اس نے اور اس کے بوائے فرینڈ نے بچے کا سانس روکا اسے پیٹا اور مارنے کے بعد اس کو ایک کوڑے دان میں پھینک دیا۔

5- ڈارلے روٹیئر

1996ء میں روٹیئر نے بڑی سنگدلی سے اپنے دو بیٹوں کو گہرے زخم لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔

6- دیبورا گرین

گرین ایک ڈاکٹر ہے اس نے ارادتاً 1994ء میں اپنے گھر کو آگ لگائی اور اپنے دو بچے مار ڈالے۔ تلخ فصل (بٹرہارویسٹ) نامی شہرت یافتہ کتاب این رولز نے گرین کی کہانی پر لکھی ہے۔

☆

98

فادر جیمز پورٹر

(1935ء تا   )

"یہ کہنا مبنی بر انصاف ہوگا۔۔۔ کہ معاشرہ اس وقت سیکھنے کی قوس پر ہوتا ہے جب ہم کمسن بچوں میں جنسی بدعنوانیاں دیکھتے ہیں۔۔۔ چرچ بھی اسی طرح سیکھنے کی قوس پر رہا ہے۔ ہم سیکھ رہے ہیں اور سیکھنا جاری رکھیں گے۔ میں نے کبھی کسی مسئلے کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا۔ میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مسئلے کو سمجھا جائے اور اس سے نمٹا جائے نہ کہ اسے لاعلمی ہی میں پڑا رہنے دیا جائے۔۔۔ آخری تجزیے کے طور پر انسانی دسترس میں تمام کوششیں کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ایسے لوگ جو بچوں کے لیے خطرہ ہیں ان کو بچوں سے علیحدہ کر دیا جائے اور جب ہم یہ سب کچھ کر چکیں تو ہمیں کچھ ایسے نفسیاتی اور جذباتی اقدامات

ان لوگوں کی تسکین کی خاطر اٹھانے چاہئیں۔ میں کمسن بچوں کی جنسی کج روی سے وحشت زدہ ہوں اور اعصابی تناؤ کا شکار ہوں۔ یہ حقیقت سخت ہے۔ سچ کا حصہ ہے جو ہمیں [illegible] ہم مفاہمت آمیز محبت تک ہی ہم اس پیغام کو پہنچا سکتے ہیں اور اس آگے تک ہم معاملہ حل کی توقع رکھ سکتے ہیں۔"

27 جولائی 2001ء کی [illegible]

[illegible] کیتھولک پادریوں سے متعلق

گرجا گھر کے نزدیک بستیوں کے رومن کیتھولک ہمیشہ سے اپنے گرجا کے پادری کو بڑی عزت دیتے ہیں۔ یہ لوگ تقریباً ہر وقت سادہ سا کالا لباس اور پادریوں کا سفید کالر پہنتے ہیں۔ روزانہ عبادت کرتے ہیں۔۔۔ اپنی خوشی اور مرضی سے محبت یا شادی سے گریز کرتے ہیں، جنسی لذت کو عذاب سمجھتے ہیں اور کیسے کپڑے کو بھی جنونی خیال کرتے ہیں۔ لوگوں کی کیتھولک عقیدے کے پاسبان پیدائش سے موت تک ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بپتسمہ سے ابتدا ہوتی ہے اور زندگی کے اختتام پر آخری رسوم پر انتہا۔۔۔ جو اس زندگی اور اس دنیا پر انسان کا آخری لمحہ ہوتا ہے۔۔۔ پادری ان کے جنازے وغیرہ کی تقریب کی بھی راہنمائی کرتا ہے اور جب ان کو دفن کیا جاتا ہے تو انھیں دعائیں بھی سناتے ہیں۔ شادیاں بھی پادری ہی کراتے ہیں۔۔۔ ان کے گناہ سنتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں۔ ایک کیتھولک کے لیے پادری ایک روحانی اوتار ہوتا ہے جس کا براہ راست خدا سے رابطہ ہوتا ہے۔

پچھلی دہائی یا اس سے کچھ زیادہ عرصے میں پادریوں کے اس معیار عزت کا سختی سے جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ بہت سے کیتھولک لوگوں نے کیتھولک پادریوں پر بچوں سے جنسی بے راہ روی کا الزام لگایا، ان پر مقدمے قائم کیے اور انھیں اس جرم میں سزائیں بھی ہوئیں۔

پکے کیتھولک لوگوں کے لیے یہ معمولات دوہرے صدمے کا باعث ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسے پادریوں نے اپنے طبقے کی اچھی شہرت کو پامال کیا اور دوسرے یہ کیا کہ انھوں نے اپنے گناہوں میں مسلسل اضافہ در اضافہ کیا کہ وہ دنیا کے معصوم ترین طبقے۔۔۔ یعنی

بچوں سے زبردستی اپنے جنسی جذبات کی تسکین کرتے رہے۔

جیمز پورٹر ان مجرم پادریوں میں سے ایک ہے اور اب وہ جیل میں اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ امریکی نظام انصاف جرائم کی سزا تو دیتا ہے لیکن وہ کسی کو گناہوں سے معافی نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے پورٹر جس نے پانچ ریاستوں میں کم از کم 125 بچوں اور بچیوں سے زیادتیاں کیں اور کس سمت (سوائے خدا کے) دیکھ سکتا ہے۔

جیمز پورٹر کی عمر اس وقت 18 سال تھی جب اس نے ایک بارہ سالہ لڑکے پر دست درازیاں کیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ وہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی کئی ایسی نوعیت کی سرگرمیاں کر چکا تھا۔ ایک بارہ سالہ لڑکا تو اس کا پہلا مستند شکار تھا۔

1959ء میں کیتھولک پادری بننے کی سند حاصل کرنے کے بعد فادر پورٹر کو سینٹ میری چرچ شمالی اٹل بورو' میساچوسٹس میں تعینات کیا گیا۔ دوسرے کئی کیتھولک دیہاتوں کی طرح سینٹ میری میں بھی گرائمر سکول تھا۔

سینٹ میری سکول میں پورٹر کے جرائم بچوں سے بجز دست درازیوں کی ہسٹری میں "سنگ میل" (برے معنوں میں) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نے پانچویں اور چھٹے گریڈ کے طلبہ و طالبات کو اپنے اعضائے خاص کو چھونے کی ترغیب دی۔ وہ جلد اپنے دس گیارہ سالہ شاگردوں سے غلط نوع کے تعلقات میں کافی آگے نکل گیا۔ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ بچوں کے منہ پر اپنے ہاتھ بھی رکھ لیتا۔ اس نے لڑکوں اور لڑکیوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی جلد ہی وہ اس قدر بدنام ہو گیا کہ سکول کے تمام طلبہ و طالبات نے اس ہوسناک پادری سے نجات کے لیے چیخ و پکار شروع کر دی۔ ایک بچہ کلاس کمرے یا ہال یا برآمدے کے کونے سے آواز لگاتا: "فادر پورٹر آ رہا ہے۔" تو باقی بچے فوراً وہ جگہ جہاں فادر آ رہا ہوتا خالی کرنا شروع کر دیتے۔

تاہم فادر پورٹر بڑا "عیار اور بدمعاش" تھا۔ وہ غلط انداز سے بچوں کو روکتا ہوا ان سے الجھ پڑتا۔ وہ کیا کیا شرمناک حرکتیں کرتا کہ قارئین کرام تھوڑے کو کافی سمجھیں۔ بچوں کی ایک کثیر تعداد نے فادر پورٹر کی کارستانیوں کی شکایت صوبائی اسقف اعظم سے کی۔ لہٰذا فادر پورٹر کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کے جنسی غلبے کو کم کرنے کے لیے ہسپتال میں اسے بجلی کے جھٹکے بطور علاج کے لگائے گئے لیکن اس کی غیر فطری خواہشات برقرار رہیں۔ ان میں

کوئی کمی نہ ہوئی۔ اسے ایک اور دیہات میں تبدیل کر دیا گیا جہاں پہنچتے ہی اس نے اپنی شرمناک کارروائیاں دوبارہ شروع کر دیں۔

اپریل 1967ء میں پھر صوبائی اسقف اعظم سے کارروائی کی درخواست کی گئی۔ اس کو اس دیہات سے ہٹا دیا گیا لیکن اسے گرفتار نہیں کیا گیا۔ اس مرتبہ اسے پادریوں کے اصلاحی ادارے میں نیو میکسیکو بھیجا گیا۔ توقع تھی کہ وہاں وہ اپنی حیوانی خواہشات پر قابو پالے گا مگر اس اصلاحی ادارے سے فراغت ملتے ہی اسے ایک دیہات سے دوسرے دیہات میں تبدیل کیا گیا لیکن ہر جگہ ہی سے اس کی بچوں سے دست درازیاں کرنے کی شکایت ملی۔

پورٹر جہاں بھی گیا اپنی حرکات سے باز نہ آیا' یہاں تک کہ 1974ء میں خود اس نے پوپ کو لکھا کہ اسے پادری ہونے کے دکھوں سے نجات دے دی جائے۔ پوپ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد فادر نے شادی کر لی اور وہ چار بچوں کا باپ بنا۔

پادری نہ سہی' شوہر اور باپ ہونے کے باوجود اس کا "علاج" نہیں ہوا۔ وہ اب بھی بچوں کی تلاش میں رہتا۔ وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آیا۔ اس نے اس لڑکی پر ہاتھ ڈالا جو اس کے بچوں کی نگرانی کرتی تھی۔ بلکہ اس کی بہن سے بھی یہی سلوک کیا۔

فرینک فٹز پیٹرک ایک نوجوان تھا جسے بچپن میں فادر پورٹر نے اذیت دی تھی۔ اس نے فادر پورٹر کو دیکھا تو وہ اسے سبق سکھانے پر تل گیا۔ اسے یہ بھی خبر ہوئی تھی کہ باوجود بیوی اور بچوں کے فادر کے چلن وہی پرانے ہیں اور وہ بچوں کے لیے اب بھی خطرہ ہے۔ اس نے اپنے ان ساتھیوں کو جو فادر پورٹر کے شکار رہے تھے اکٹھا کیا۔ اس نے سب کے بیانات ایک ٹیپ میں ریکارڈ کیے' فادر پورٹر کو بھی بلایا اور اس سے ہونے والی گفتگو بھی محفوظ کر لی۔

اس کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔ اسے 41 بچوں سے زیادتی کرنے کے جرم میں عدالت نے 1993ء میں اٹھارہ سے بیس سال کی سزائے قید سنائی۔ آج کل وہ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگت رہا ہے۔

99

دی مارکوئیس ڈی سیڈ

(1740ء تا 1814ء)

> "آگاہ رہے کہ تمام عمدہ جسمانی عیش کوشیاں — خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہوں اُسے اس مجموعے میں سے خارج کر دیا جائے۔"
>
> مارکیس ڈی سیڈ کی کتاب "سڈوم (توریت میں فلسطین کے اس شہر کا ذکر ملتا ہے جس کو اغلام بازی کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا) میں ایک سو بیس دن" کے تعارف سے

اپنی موت سے پہلے مارکیس ڈی سیڈ بڑے عزم کے ساتھ دس جلدوں میں ایک ناول لکھ رہا تھا۔ اس ناول کا نام "فلور بیلے کے ایام" (دی ڈیز آف فلور بیلے) یا "فطرت کی نقاب کشائی" (نیچر ان ویلڈ) تھا۔ جس میں لازمی طور پر ایک فہرست مردوں ور عورتوں کی جانی پہچانی جنسی کجرویوں کی تھی۔ جب ڈی سیڈ یہ قدیم تاریخ اور روایات پر ی رزمیہ لکھ رہا تھا تو وہ چیرنٹن (فرانس) کے پاگل خانے میں بند تھا۔ اس کے مرتے ہی س کے ناول "فلور بیلے کے ایام" کے مسودے کو فوری طور پر ڈی سیڈ کے بڑے بیٹے کے پاس لے جایا گیا جس نے اسے فوری طور پر جلا دیا۔

ڈی سیڈ کے وارث کی طرف سے اس قدر بڑی جرات مندانہ کارروائی پر تبصرہ یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے تحریر کا معیار اچھا نہ ہو یا پھر ڈی سیڈ کے بڑے بیٹے نے اپنے باپ کی پہلی تصنیف "سڈوم میں 120 دن" پڑھی ہو اور اس نے سوچا ہو کہ ڈی۔ سیڈ کی تحریروں کو دنیا میں دور دور تک پھیلانا مناسب نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو ڈی سیڈ کے بیٹے کا یہ فیصلہ اپنے باپ کے ادبی کام کی شہرت کا آئینہ دار نہ تھا۔ اغلب خیال اس فیصلے کے بارے میں یہ ہے کہ ڈی۔ سیڈ کے بیٹے نے بنی نوع انسان پر (باپ کی ضخیم تصنیف کو جلا کر) بڑی مہربانی اور نوازش کی تھی۔

اگر آپ نے مارکوئیس ڈی سیڈ کی کوئی تحریر نہیں پڑھی اور نہ فلم "کوئلز" دیکھی ہے جو مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کی زندگی کی غیر واضح اور معمولی عکاسی کرتی ہے (تاہم اس میں مارکیس ڈی۔ سیڈ کی کتب سے کچھ اقتباس ضرور ہیں) تو آپ ویب سائٹ www/angelfire.com/ho/SIMENS/ سے رجوع کر سکتے ہیں جس میں "سڈوم کی ایک سو بیس دن" کا مکمل مسودہ پڑھ یا دیکھ سکتے ہیں۔

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ دنیا بھر کی تاریخ میں برے لوگوں کی صف میں مارکیس ڈی۔ سیڈ کو شامل کرنے سے ہچکچاتے رہے ہیں۔ وہ ایک قلم کار تھا جو کجروی میں خوش تھا اور جس نے خوبیوں والی زندگی سے کم تر درجے کی زندگی گزاری لیکن وہ اپنے رسوا کن طرز عمل اور کتابوں کی وجہ سے زیادہ یاد رکھا جاتا ہے بہ نسبت اس کی نسل کشی کی مہم اور خوفناک دہشت گردی کے اعمال سے۔ (بروں کی اس کتاب کی فہرست میں کئی کا طرز عمل ڈی۔ سیڈ سے بدبخی اور کثیر ہے) تاہم "سیڈازم" کی اصطلاح جس کے معنی دوسروں کو

عذاب دے کر خوشی اور فرحت محسوس کرنے کے ہیں مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کے نام ان سے وضع کی گئی ہے۔ گویا مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کا ذاتی تشخص اس قدر جامع اور عالمی نفسیات میں جنسی اور جذباتی تسکین اور مسرت کے لیے دانستہ دوسروں پر تشدد کرنا' ایذا اور ان کو حال سے بدحال کر دینے کے عمل کو اس کے نام یعنی ”سیڈ ازم“ سے موسوم کر کے مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کو زندہ جاوید بنا دیا۔

متذکرہ بالا اہمیت کی وجہ سے یہ ضروری ہوگیا کہ مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کا نام بروں کی فہرست میں شامل کیا جائے۔ (کوئی تاثر بعض اوقات گہرے علم و تحقیق پر مبنی ہوتا ہے) ہماری تحقیق و تجسس کا پلڑا ”سڈوم میں 120دن“ پڑھ کر بھاری ہوا۔ صحیح معنوں میں یہ کتاب کریہہ اور لچر جنسی ایذا رسانیوں پر مشتمل ہے کہ ان کو خوفناک' دہشت ناک اور بدترین کہنا ان کی صحیح ماہیت سے آگاہ کرنے میں ناکامی کے مترادف ہے۔

ڈی۔ سیڈ نے بعض اوقات جان بوجھ کر پادریوں اور مذہبی لوگوں کے خلاف ان کو ستانے کے لیے لکھا۔ اس کی تحریروں میں شراب کے دیوتا یافوس کے روم و یونان میں منائے جانے والے دن پر ہونے والی شراب نوشی اور رقص و سرود میں شامل ہونے والوں کے جوش' غلبہ و جنس اور عیش پرستی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے مقدس میزبانوں کو جنسی عمل کا موقع آنے سے پہلے ہی کونوں کھدروں میں گرا لیتے۔ تصور کیجئے کہ یہ کیسے مناظر ہوتے ہوں گے اور لوگ ان مناظر کی کیسے پذیرائی کرتے ہوں گے جبکہ ان ایام میں چرچ ہی اصل حکمران ہوا کرتا تھا اور بادشاہ لوگ عوامی تقاضوں کے پیش نظر پوپ کے احکامات میں تھوڑی بہت تبدیلی کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

ڈی۔ سیڈ ایک زن بیزار' دو جنسیا' ایذا دہندہ اور کجرو شخص تھا۔ وہ جنسی بداخلاقی' بدکرداری اور بدمعاشی پر لکھ کر خوشی محسوس کرتا تھا اور زن و مرد کے تعلقات میں واضح تانے بانے بننے پر اور ان تعلقات میں ندرت پیدا کرنے پر کمال رکھتا تھا۔ وہ جو کچھ سوچتا اس کو حقیقی بنانے پر عملی طور پر مصروف ہوتا اور پھر وہ سارا گند مند قلم کے ذریعے قرطاس پر بکھیر دیتا۔ یہی اس کے غور وفکر کا کمال تھا اور ”سیڈ ازم“ کی اصطلاح ماہرین

نفسیات کی طرف سے اسے خراج تحسین ہے۔

جو کچھ اس نے ”سڈوم میں 120 دن“ میں لکھا اس کے بارے میں قاری کو ”خبردار“ کرنا بھی وہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہے کہ عین ممکن ہے کچھ لوگ صدمات کا شکار ہی نہ ہو جائیں۔

مارکیس ڈی۔ سیڈ' کونڈے مینشن پیرس میں جون 1740ء کو پیدا ہوا۔ چودہ سال کی عمر تک اس نے مسیحی کالج میں تعلیم پائی۔ پھر وہ ملٹری تربیتی سکول یں داخل ہوگیا۔ اس کی عمر انیس سال تھی جب اسے ”برگنڈی ہارس“ میں کیپٹن بنا دیا گیا۔ وہ سات سالہ جنگ میں لڑتا بھی رہا۔ پھر اس نے فوج چھوڑ دی اور باپ کی خوشنودی کی خاطر اس کی مرضی سے شادی بھی کر لی۔ شادی مارکوئیس کو سدھار نہ سکی۔ شادی کے چار ماہ بعد ہی وہ قحبہ خانے میں کچھ جرائم کرتا ہوا گرفتار ہو کر جیل جا پہنچا۔

جیل سے رہا ہوتے ہی وہ پانچ سالہ رقص و سرود اور شراب نوشی کے جشنوں میں شریک ہونے لگا۔ اس شراکت ہی میں وہ کجرو ہوگیا اور اپنی کجروی کا دائرہ اس نے بیلے ڈانسروں' طوائفوں' اداکاراؤں' سوسائٹی گرلز اور ہر اس عورت تک پھیلا دیا جس کو وہ اس دائرے میں داخلے کے لیے کہہ سکتا تھا۔

1768ء میں ایسٹر کی اتوار اس نے ایک طوائف کو ورغلایا اور اسے اپنی ایک پوشیدہ رہائش گاہ پر لے گیا۔ وہاں اس کو انتہائی بے رحمی سے کوڑے مارے۔ وہ ڈی۔ سیڈ کی قید سے بھاگنے میں کامیاب ہوگئی اور پولیس کے پاس پہنچ گئی۔ اسے پھر جیل بھیج دیا گیا۔ قید سے رہا ہوتے ہی وہ اپنی سابقہ روش پر چل نکلا۔ اب کے ابتدا اس نے اپنی سالی سے کی۔

1772ء میں ڈی۔ سیڈ نے چار لڑکیوں سے باہم جشن منانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے ان پر قوم لوط سا سلوک کیا۔ ساتھ ہی ایک لڑکی کو نشیلی چونے کی میٹھی گولی کھلا کر بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ اٹلی بھاگ گیا تاہم اسے گرفتار کر کے پھر سے جیل کی ہوا کھانے بھیج دیا گیا۔ جیل سے اس نے دو مرتبہ بھاگنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔ نتیجے کے طور پر

اسے چھ سال کی قید سنائی گئی۔ اسی قید کے دوران میں اس نے "سڈوم میں 120 دن" لکھی۔

1789ء میں انقلاب فرانس کے دوران اپنی کوٹھڑی کے نیچے کے قیدیوں کو اس نے خوب اکسایا' لہٰذا اسے پھر سے چیرنٹن کے پاگل خانے میں بھیج دیا گیا۔ اس نے جیل کے دوران خوب لکھا۔ اس دور کی تحریروں میں "الائن اور والکور" جسٹائن' طویل اور مختصر کہانیاں اور" ادبی آدمی کا شعبہء کارکردگی" شامل ہیں۔

ڈی۔ سیڈ کو انقلابی ٹریبونل نے رہا کر دیا لیکن 1801ء میں اسے پھر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ گرفتاری اس کی تحریروں کی وجہ سے عمل میں آئی۔ اب کے اسے رہائی نہیں ملی اور دسمبر 1814ء میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اپنے دور میں مارکوئیس ڈی۔ سیڈ کو ایک عفریت سمجھا گیا۔ اس "سمجھ" کی وجہ اس کی تحریریں تھیں۔ انہیں کی وجہ سے اسے قید اور نفرت ملی لیکن اس کے اعمال بھی تو قابل نفرت اور کریہہ تھے۔

======== ☆ ========

100

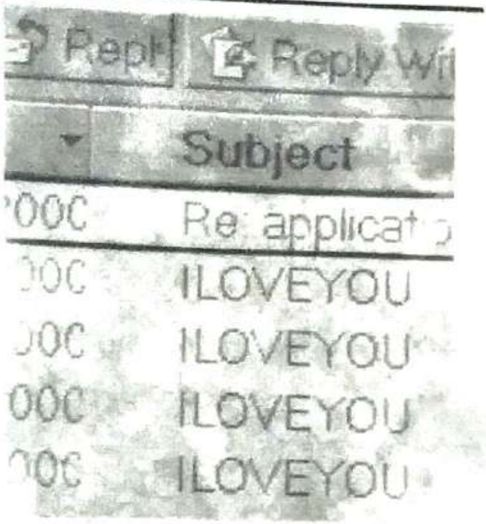

Re: applicat

ILOVEYOU

ILOVEYOU

ILOVEYOU

ILOVEYOU

کمپیوٹر وائرس کے خالق

(1981ء تا   )

"دیوتا انصاف پر ہیں۔ ہماری خوش کن برائیاں ہمارے لیے مہلک بیماریاں پیدا کرتی ہیں۔"

ولیم شیکسپیئر "کنگ لیئر" سے اقتباس
ایکٹ نمبر 5 منظر نمبر 3

کمپیوٹر کو شوقیہ استعمال کرنے والے اور اس شوق کی آڑ میں معلومات تک ناواجب رسائی حاصل کرنے والے hacker اور کمپیوٹرز کو اشارتی ہدایات دینے والے منصوبہ ساز Programers ہی وہ لوگ ہیں جو کمپیوٹروں میں بیماریاں پیدا کرنے کے لیے کمپیوٹر وائرس تخلیق کرتے ہیں۔

کیا یہ ہیکرز اور پروگرامرز مجسم برائی ہیں؟

کیا وہ دنیا کے بروں میں شامل کئے جانے کے معیار پر پورا اترتے ہیں؟

مندرجہ بالا دونوں سوالوں کا جواب بڑی سی "ہاں" میں ہے۔

کمپیوٹر آج کی دنیا کو تازہ دم اور رواں دواں رکھتے ہیں۔ کوئی کاروباری فرد جسے کمپیوٹر کے بیمار وائرس (virus) کی وجہ سے مال کی فہرست (پیوسٹنگ) نہ ملے تو وہی جان سکتا ہے کہ اسے کتنی وحشت اور پریشانی ہوگی۔ کاروباری لین دین، معلومات اور رسل و رسائل، عوامی افادیت وغیرہ کی دنیا برقیاتی نظام اور تجارت کی وجہ سے باہم پیوستہ ہیں اور یہ پیچیدگی کمپیوٹر کی مرہون منت ہے۔

کمپیوٹر وائرس کوئی افادی مقاصد سرانجام نہیں دیتے بلکہ الٹا کمپیوٹروں کے نظام کو اور کاروباری اداروں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔۔۔ مسلسل چلتے کاموں میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور برقیاتی ذرائع سے پہنچنے والی معلومات، تعلیم اور سرکاری وغیر سرکاری اہم ترسیلات میں تعطل پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک یقینی بات ہے کہ سارے وائرس موذی اور خبیث نہیں ہوتے وہ کمپیوٹر کو کام کے لیے تیار کرتے وقت سکرین پر بے ضرر قسم کا پیغام لکھ دیتے ہیں لیکن ایسے بے ضرر وائرس ضرر رساں وائرسوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہیں۔

ضرر رساں وائرس دوسرے اہم پروگراموں کی مانند ہوتے ہیں لیکن وہ اصل معلومات کی بجائے جعلی معلومات مہیا کرتے ہیں۔ یہ اصل پروگراموں کی ملتی جلتی نقل ہوتے ہیں۔ شکل و صورت اور خطوط و خانے ایک جیسے رکھنے کی وجہ سے دوسرے اصل پروگراموں سے از خود منسلک ہو جاتے ہیں۔ ایسے وائرس جو خود کو ای میل کے ذریعے پھیلاتے ہیں ورمز (Worms) کہلاتے ہیں۔ جن وائرسوں کو ہیکرز اور پروگرامرز کھیلوں کے بھیس میں بدل دیتے ہیں' ٹروجن ہارس کہلاتے ہیں۔ بدخواہ پروگرامرز جو وائرس تیار کرتے ہیں وہ ان کو الیکٹرانکس کی دنیا میں انتقامی جذبے کے تحت زبردست تباہی پھیلانے اور زندگیوں میں خلل برپا کرنے کے لیے دھکیل دیتے ہیں۔

ابتدا میں وائرس فلاپی ڈسک کے ذریعے پھیلائے گئے کیونکہ ان دنوں کمپیوٹر میں ہارڈ ڈرائیو کا سسٹم نہیں تھا۔ پروگراموں کو چلانے کے لیے اور بنیادی معلومات اور اعداد و شمار وغیرہ یعنی data اکٹھا اور محفوظ کرنے کے لیے فلاپی ڈسکوں سے کام لیا جاتا تھا۔ کمپیوٹر استعمال کرنے والے بعض اوقات معلومات اور data میں شرکت کر لیتے تھے۔ شرکت کا رجحان عام تھا۔ اس دور میں وائرس کے حملے کو فلاپی ڈسک اتار کر یا کمپیوٹر کو بند کر کے روک لیا جاتا تھا۔

آج کل کمپیوٹر پر انٹرنیٹ کا بھی بڑا بوجھ ہے۔ انٹرنیٹ کے لاتعداد اور وسیع کنکشن ہیں۔ نیٹ ورکوں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔ بین الاقوامی نیٹ ورک بھی ہے۔ ہارڈ ڈرائیو بھی بڑی بڑی گنجائش والی ہیں۔ ایک زبردست انقلاب آچکا ہے۔ کمپیوٹر کی دنیا تبدیل ہو چکی ہے۔

موثر وائرس جسے "ڈیڈلی" وائرس کہا جاتا ہے کیا کر سکتا ہے؟

ڈیڈلی کا مطلب ہی قاتل، سخت ضرر رساں اور مہلک ہے۔ یہ وائرس ہارڈ ڈرائیو سے سارا ڈیٹا اڑا کر کمپیوٹر کو صفر بنا سکتا ہے۔ ہارڈ ڈرائیو میں ڈیٹا کو بدل سکتا ہے۔ محنت سے بنائی گئی کاروباری اور معلوماتی فائلوں کو تباہ کر سکتا ہے اور ان کی جگہ جعلی فائلوں کو تشکیل دے سکتا ہے۔ کسی شخص کی خفیہ رکھنے والی فائل کو اس کی مرضی کے بغیر یا اس کے علم میں لائے بغیر دوسرے کو، دوست کو یا دشمن کو منتقل کر سکتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ وائرس اپنے آپ کو چھپا بھی سکتا ہے اور پھر کسی دن، کسی وقت اچانک دوبارہ نمودار ہو کر سارا سافٹ ویئر کا نظام برباد کر کے کمپیوٹر کی تیزی اور سہولت کو ناکارہ بنا سکتا ہے۔ یہ اتنا ظالم وائرس ہے کہ زندگیوں کو اوپر نیچے کر سکتا ہے۔ اگر اس کا سراغ نہ لگایا جائے اور اسے غیر موثر نہ بنایا جائے تو یہ لاکھوں کروڑوں کا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔

کمپیوٹر وائرس کی تخلیق کرنا اور اسے کمپیوٹروں پر پھیلانا ایک بغض پر مبنی اور بزدلانہ کام ہے۔ ایسا دانستہ طور پر کرنا ایک الیکٹرانک دہشت گردی ہے۔ انسانی دہشت گردی جسمانی تشدد اور جانوں کے ضیاع پر ہوتی ہے۔ وائرس پھیلانا خود کاریاتی دہشت گردی ہے جو کسی خصوصی مقام سے نہیں آتی۔ بس آتی ہے اور اس کا نشانہ معصوم اور شک و شبہ سے بالاتر لوگ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے پیچھے ناقابل تصور تباہ کاری چھوڑ جاتی ہے۔ یہ کاریاتی دہشت گردی جسمانی طور پر زخمی کرتی ہے اور نہ ہی فوری طور پر پر کسی کو جان سے مارتی ہے۔ ہاں یہ اداروں کو زخمی بھی کرتی ہے اور جان سے بھی مارتی ہے۔

ایسے ادارے جو ملین اور بلین بطور مالیات پبلک کے لیے اکٹھے کرتے ہیں ان کے کمپیوٹروں پر وائرس کا حملہ ظاہری نقصان سے کئی گنا زیادہ تباہ کن ہوتا ہے۔ ان کو کمپیوٹر کا نظام بحال کرتے، ڈیٹا مہیا کرنے اور تلف شدہ معلومات دوبارہ اکٹھا کرنے پر کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ باہم گڈمڈ ہو جانے والی دستاویزات، فائلیں اور دوسری معلومات کو دوبارہ کارآمد بنانا انسانی دہشت گردی سے تباہ ہونے والے معاشرے کی تعمیر کے مترادف ہوتا ہے۔

کمپیوٹروں پر پہلا وائرس حملہ ”ایلک کلونر“ نامی وائرس نے 1981ء میں کیا۔ یہ وائرس کبھی تلاش نہیں کیا جاسکا۔ پھر آئی۔ ایم۔ بی۔ ایم، ایم۔ ایس اور ڈی۔ او۔ ایس کمپیوٹروں پر 1986ء میں ”برین“ نامی وائرس حملہ آور ہوا۔ 1987ء میں stone کے نام سے نیوزی لینڈ سے وائرس آیا جو بڑا کامیاب وائرس تھا۔ اس نے بہت سے کمپیوٹروں کو نقصان پہنچایا۔ 1995ء کی ونڈوز کے لیے جو وائرس تیار کیا گیا اس کو استعمال کے لیے 1996ء کا پلیٹ فارم استعمال کیا گیا۔ 1999ء کا Love Bug نامی وائرس ای میل کے ذریعے دنیا بھر کے لیے چھوڑا گیا۔ اس نے کمپیوٹر نظام کو دس بلین ڈالر سے زیادہ کا نقصان پہنچایا اور اس سے کاروبار بھی تباہ ہوئے۔

کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے لیے وائرس طاعون کی بیماری کی طرح مہلک ہیں۔ ان وائرسوں کی تخلیق کرنے والے برقیاتی دہشت گردی کے ذریعے بہت خطرناک تباہی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ برقیاتی تباہی لا سکتے ہیں جو انسانی دہشت گردی کرنے والے حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیاروں سے لا سکتے ہیں۔

* * *

تاریخ عالم کے

سو شیطان

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تخلیقات

علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ، لاہور - فون:014
mail: takhleeqat@yahoo.com
www.takhleeqat.com